ا

(کمپیوٹر ایڈیشن مع عنوانات)

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

کے گرانقدر ملفوظات کا نادر خزانہ

حضرۃ مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
فون: 4540513-4519240-4517501

ملفوظات محدث کشمیریؒ

تاریخ اشاعت..........................ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

ناشر..........................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت..........................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان

ادارہ اسلامیات..........انار کلی..........لاہور
دارالاشاعت.........اُردو بازار..........کراچی

مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار.....لاہور
ادارۃ الانور..........نیوٹاؤن..........کراچی

مکتبہ رحمانیہ.........اُردو بازار .... لاہور
مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

کلام شورش کشمیری
در مدح
علامہ کشمیری رحمہ اللہ

حاشیہ بردار دربار رسول اللہ کا
ماضیٔ مرحوم کے اعجاز دکھلاتا رہا
آدمی کے روپ میں قدرت کا روشن معجزہ
علم کی ہیبت سے رزم و بزم پر چھاتا رہا
سادگی میں عہد اوّل کے صحابہ کی مثال
سیرت پیغمبر کونین سمجھاتا رہا

یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

شورش کشمیری - مدیر چٹان لاہور

فہرست مضامین

علمی خصوصیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لا هله والصلوة لاهلها

قطع نظر شرعی اصطلاحات و مصطلحات متکلمین سے بخدا آنے والی بات ذہنی ارتداد کا مظہر نہیں بلکہ تمام ہی اجزائے شریعت و متکلمین اسلام کی کاوشوں و دیدہ ریزیوں کو دل و جان سے تسلیم کرنے کے باوجود جو کچھ اس وقت کہنا اور لکھنا ہے وہ اس معذرت کے ساتھ

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات

کیا ہے قرآن مجید سب کچھ تسلیم کرنے کے لینے کے باوجود بہر حال خدا تعالیٰ کے ملفوظات وارشادات عالیہ کا مجموعہ اور تیئس سالہ عہد نبوت کا سارا ذخیرہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیش بہا ملفوظات گرامی) قدسی صفات صحابہ کا مجمع لگتا' حلقہ اندر حلقہ بیٹھتے اور قدسی الاصل صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا سلسلہ چلتا اب چاہے تو انہیں حدیث کہہ دیجئے دل چاہے تو کلام رسول اور اگر ہیچ مداں کی تعبیر گوارا ہو تو ملفوظات النبی الامی صلے اللہ علیہ وسلم روحی فداہ رسالت کا عہد میمون دھیرے دھیرے ختم ہوا اور ایک وجود اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے خاک دان ارضی کو چھوڑ چھاڑ کر دوسرے عالم کی رونقیں بڑھائیں تو اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم تابعین و تبع تابعین امت کی اصلاح کے ذمہ دار بن گئے یہ تنکا تنکا چن کر علم وآ گہی کا آشیانہ بناتے مستفیدین قطار اندر قطار آتے اور النبی الامی صلے اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات سے نہ صرف تیرہ باطنی کا علاج بلکہ تیرہ وتار ماحول کو انوار نبوت سے روشن و منور کرتے یہ قرن بھی نمٹ گیا تو علماء نے مسندیں سنبھالیں درس گاہوں سے علم کی تقسیم اور دانش کدوں سے دانشوروں کی فیاضی پورے عالم میں موجیں لینے لگی انوار نبوت حال سے دور ہو رہے تھے ماضی اپنی تمام برکات کے ساتھ دامن سمیٹ رہی تھی ظاہر تو ٹھیک ہو رہا تھا لیکن باطن کی کائنات اندھیریوں سے روابط وضوابط بڑھا رہی تھی ٹھیک اس وقت میں صوفیہ صافیہ کھڑے ہوئے اور نہاں خانہ باطن کو صیقل کرنے کے لئے اذکار واشغال کے کچھ مسنون اور کچھ طبع زاد

طور وطریق سنبھال بیٹھے خانقاہیں ہوحق سے لبریز ہو گئیں۔ نالۂ سحر گاہی عرش تک جا پہنچے ارض وسما کی مسافتیں سمٹ گئیں) بشاشت ایمان دلوں میں رچی) اعمال کی نورانیت سراپا پر کھلی' غنچہائے دل چٹکے معرفت ربانی کے زمزمے بلند ہوئے اور اس طرح اسلام کی گاڑی جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لائن پر ڈالا تھا تیز رفتاری سے منزل کی طرف بڑھ گئی۔

موجودہ ریلوے نظام نے ریلوے سسٹم کو شہروں' قصبات اور دیہات تک پہنچا دیا بجلی کے قمقمے قریہ قریہ نظر افروز ہیں۔ ڈسپنسریاں گاؤں گاؤں کھل گئیں' مدارس و مکاتب کا جال ادھر سے ادھر تک پھیل گیا تو دین کی گاڑی بفحوائے قول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر خشکی تری شہر اور قریہ میں جا پہنچے تو استحالہ کیا ہے اور استعجاب کیوں؟

حضرات صوفیاء مجالس جماتے ان کے ملفوظات دلوں کو گرماتے دماغ روشن ہو جاتے نہاں خانہ باطن چمک اٹھتا نیکی سے قرب بدی سے بعد شر سے بجانب خیر برائی سے بسمت بھلائی قافلے سرگرم سفر ہوتے یہ ملفوظات آج بھی امت کا اثاثہ ہیں۔ ان میں وہی سوز و گداز' وہی گرما گرمی' اعمال خیر کی جانب متوجہ کرنے کی وہی قوت' مزکی و مقدس بنانے کی وہی استعداد زندہ و توانا ہے۔

الشیخ عبدالقادر جیلانی المعروف ''بغوث اعظم'' کے ارشادات اب بھی لوہے کو پارس بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ شیخ رفاعی کا کلام بدستور تیز و تند ہے۔ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے نعرے آج بھی جوش زن ہیں۔ ابن جوزی کا کلام آشنا برودت نہ ہوا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی' خواجہ نقشبند' داعی الی اللہ شیخ اجمیری کا سرمایہ بدستور باعث گرمی محفل ہے۔ محبوب الٰہی یعنی سلطان دہلی کے فوائد الفواد اور افضل الفوائد ہنوز دلوں کے تار چھیڑتے ہیں خواجہ باقی باللہ کے ارشادات قلب و دماغ تک اثر ڈالنے میں کسی سے کم نہیں' مجدد الف ثانی کے مکتوبات کساد بازاری کی زد میں نہیں اور ذکر کیوں چھوڑیئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے شیخ مرزا مظہر جان جاناں کا اور ان کے مسترشد مولانا غلام علی کا اور جہاں آباد کے شیخ کلیم اللہ کا اور کیا فراموش کر سکتے ہیں ماضی قریب کی پرنور شخصیت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کو کہ ان سب کے ملفوظات مغتنمات باردہ یا گنجینۂ بادآورد ہیں۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ صوفیاء کے ملفوظات نے وہ کام کر دکھایا جو عصر حاضر کے قلم کاروں کے بھاری بھرکم لٹریچر سے ممکن نہ ہوا مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات ہزار ہا ہزار زندگیوں کو اسلام کی حقیقت سے آشنا' احسان کی گہرائیوں سے واقف' عرفان رب کے البیلے سبق اور صفائی معاملات کے موثر درس دے رہے ہیں۔

پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کا کلام اس کی افتادِ طبع کا آئینہ دار اور اس کے مزاج کا ترجمان ہوتا ہے خدا تعالیٰ کا کلام' کلاموں کی بادشاہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کاروان انسانیت کے سنگ میل ہیں۔ صوفیہ کا لٹریچر سب سے ٹوٹ کر خدائے واحد سے رشتے استوار کرنے کا مضبوط وسیلہ ہے اور اہل علم کے ملفوظات میں علم و دانش کا تموج مہیا ہے آج بھی تجربہ کر لیجئے اہل باطن کی چیزیں پڑھ کر باطن کی کائنات آراستہ ہوگی اور زایغین کے لٹریچر کے مطالعہ سے قلوب تیرہ و تار ہوں گے۔

ہندوستان کے دور غلامی کی بارہویں صدی کا اختتام اور تیرھویں صدی کا آغاز انسانی زندگی کی فصل بہار ہے ہر گوشہ اور ہر شعبہ میں وہ عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے کارناموں سے اعلان کر دیا۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

صحافت ہو کہ انشاء نثر نگاری ہو کہ شاعری' سیاست ہو کہ قیادت' طباعت ہو کہ حذاقت' علم ہو کہ دانش' دانش ہو کہ بینش' ہر گوشہ میں منفرد اشخاص ہوئے' منقطع النظیر اور بے مثال زمانہ قدم آگے بڑھا رہا ہے۔ جدید علوم اپنے پھریرے اڑا رہے ہیں۔ نت نئے انکشافات اپنا لوہا منوا رہے ہیں اور انسان سمندروں کی گہرائی تک جا پہنچا۔ مائل بہ پرواز ہوا تو چاند پر جا اترا۔ مارکیٹ جدید کتابوں سے لبریز ہے۔ طباعت کے نئے طریقوں نے حیرت زدہ منظر دکھائے مگر بارہویں صدی کا خاتمہ اور تیرہویں صدی کا اوائل اپنی بوقلمونیوں کے ساتھ لوٹ کر نہیں آ سکتا۔

نکل گئی ہے وہ کوسوں دیار حرماں سے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ علماء کی کثرت اور کثرت تصانیف اس امت کی خصوصیات میں سے ہے مگر خوب دیکھ لیا جائے کہ جامعیت و عبقریت' گہرائی و گیرائی کس

کے حصہ میں آئی کوئی حدیث میں یکتا تو فقہ سے نابلد کسی کے علوم بلند و بالا لیکن منطق میں کمزور بلکہ عربیت میں بھی خام' فتویٰ نویسی میں حذاقت' لیکن حدیث سے سراسر ناواقفیت' خال خال ہی افراد پوری امت میں نظر آئیں گے جنہیں تبحر کے ساتھ تعمق' وسعت کے ساتھ ژرف نگاہی' عبقریت کے پہلو بہ پہلو جامعیت کی بے نظیر انفرادیت دی گئی کہیں اور نہیں اپنے اسی ہندوستان میں دیکھئے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی ہیں اور ملا عبدالعلیٰ بحر العلوم بھی۔ دہلی کا مشہور علمی خاندان بھی ہے اور علماء فرنگی محل کا ممتاز خانوادہ بھی' مگر شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمہ سرخیل علماء ہیں لاریب کہ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے علوم میں وسعت جلوہ گر ہے لیکن خاکم بدہن جسے گہرائی کہئے تو اس کو تلاش کرنا ہوگا۔

اور جب اکابر علم کا یہ حال ہے تو بدیگراں چہ رسد' میں جہاں تک جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں ہندوستانی علماء میں شاہ عبدالعزیز الدہلوی منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کو پورے خاندان میں تبحر' تحقیق' وسعت و دقت نظری کی چند در چند خصوصیات سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ محققین نے لکھا ہے کہ عوامی قبولیت معیار قبولیت نہیں البتہ اگر خواص کسی کے علم وفن' سلوک و معرفت کو تسلیم کریں تو وہی معیاری قبولیت ہے۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ مشہور مورخ ابن خلدون نے لکھا کہ بخاری شریف کے حل کا حق امت ادا نہیں کر سکتی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی طویل و عریض شرح بنام فتح الباری سامنے آئی تو ان کے ممتاز شاگرد سخاوی نے اعلان کیا کہ بخاری کا حق از جانب امت ہمارے شیخ نے ادا کر دیا۔ لاریب کہ ابن حجر کی حدیث میں دیدہ ریزی کے اعتراف کے باوصف فقہ میں وہ بلند و بالا رسائی نہیں رکھتے جو ان کے شایان شان تھی۔ مزید حنفیت کو زک پہنچانے کی جدوجہد میں بعض چیزیں اپنے منصب سے فروتر بھی کر گئے تاہم ان کے کارنامہ کا اعتراف نہ کرنا خود اپنی جہالت و سفاہت کا اعلان ہے۔

بات دور جا پڑی کہنا تو یہ تھا کہ کلام اللہ پر لکھنے والوں نے ایک بڑا ذخیرہ تیار کر دیا اور غالباً کوئی گوشہ قرآنیات سے متعلق ایسا نہیں جس پر علمی وثائق و دستاویزات مہیا نہ ہوں مگر پھر بھی علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے (قرآن کے حل کرنے کا حق امت پر چلا آتا ہے

کاش کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پوری ہو جاتی تو امت سے یہ حق ادا ہو جاتا)

مجھے خوب یاد ہے کہ کراچی میں ایک صبح ناشتہ کے دستر خوان پر مرحوم مولانا یوسف صاحب بنوری مجھ ہی سے فرما رہے تھے کہ ہندوستانی علماء میں شاہ عبدالعزیزؒ اس ممتاز حیثیت کے مالک ہیں کہ آنکھ بند کر کے اگر ان کی تقلید کی جائے تو آدمی مقصود تک پہنچ جائے گا۔ سطور بالا میں قبولیت کے معیار کی جس جانب اشارہ کر چکا ہوں اسے سامنے رکھ کر اب سنئے اور لکھنے والے پر ہرگز یہ بدگمانی نہ کیجئے کہ ایک بیٹا اپنے باپ کی تعریف میں رطب اللسان یا قلم کی تیز گامیاں دکھا رہا ہے کھلی دعوت ہے کہ علوم انوری کا جتنا اور جس قدر ذخیرہ اس وقت فراہم ہے اسے دیکھ جایئے تو غلو و مبالغہ یا اطراء مادح کا شک وشبہ تک نہیں ہوگا۔ سینکڑوں طالب علموں کے مجمع میں اب بھی چند ایسے نکل آتے ہیں جو اپنے استاد کے علم کی گہرائی کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں۔ پھر آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے ذی استعداد اور اہل سواد طلبہ درس گاہوں میں بکثرت پہنچ جاتے۔ پنجاب اور پشاور سے آنے والے متون صرف ونحو کے حافظ' فلسفہ ومنطق میں حاذق اور مختلف ومتنوع علوم کے حامل ہوتے پھر ان میں ایک تعداد ان کی بھی ہوتی جو سالہا سال درس دے چکے ہوتے۔ علمی خوامض پر ان کو اطلاع ہوتی اور ان کے دل ودماغ میں جو علمی اشکالات مسلسل چبھن کا باعث بن رہے تھے ان ہی کو حل کرنے کے لئے براہ راست علامہ کشمیری کی درسگاہ میں پہنچتے اس وقت دارالعلوم میں وہ اساتذہ بھی موجود تھے جن کی سحر البیانی کا ڈنکا ہندوستان کے اس کونے سے اس کونے تک تھا۔ یہ اپنی طلاقت سے معمولی بات کو رازی کا فلسفہ' غزالی کا نکتہ' ابن حجر کا دقیقہ' اور ابن ہمام کا شگوفہ بنانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے مگر خواص میں جس کے علم نے قبولیت کے نو بنو تمغے حاصل کئے وہ صرف علامہ انور شاہ کشمیری تھے۔ حالانکہ کشمیر کا یہ فرد اردو کی نزاکت ولطافت سے ناواقف' زبان وبیان میں رعنائی پیدا کرنے کے گر سے ناآشنا' سحر البیانی کے کرشموں سے دور اور زبان زوری کے بوتے پر مخاطب کو مسحور کرنے کی شعبدہ بازی سے تہی تھا۔ پھر بھی نصف صدی سے زائد عرصہ گزر گیا اس کا علم وفن روز بروز چمک رہا ہے۔ حالانکہ اس کے ساتھ غیروں نے نہیں اپنوں نے وہ معاملہ کیا کہ اس داستان کا ہر جزو تکلیف دہ والمناک ہے۔

اپنے اکابر سے مسلسل سنا ہے کہ دارالعلوم کے چند دور گزرے ہیں ایک وہ وقت تھا کہ در و دیوار سے ذکر کے انوار پھوٹے پڑتے تھے پتے پتے سے ہوحق کی صدائیں آتیں اور تو اور یہاں کا دربان بھی اہل نسبت میں شمار ہوتا دوسرا وہ دور آیا کہ اس ازہر الہند کا حصار علمی چرچوں سے لبریز تھا۔ طلبہ کی بے تکلف مجلس درحقیقت علمی مذاکرے ہوتے، محفلوں میں علمی دقائق حل کئے جاتے، تحقیقات علمی طلبہ کا ذوق بن گیا تھا۔ ابن تیمیہ، ابن حجر، عینی، ابن ہمام، محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی، ابن قیم، قاسم ابن قطلو بغا اور سینکڑوں علماء روزگار کے تذکرے نقل مجلس تھے۔

پھر انقلاب زمانہ یا بمطابق اصول ہر کمالے راز وال، تیسرا دور آیا کہ اب دارالعلوم کے احاطہ میں سیاسی ذہنیت کی پرورش، سیاسی جوڑ توڑ کی تعلیم اکھاڑ پچھاڑ کے درس اور انقلاب زندہ باد کے نعرے پوری قوت سے گونجنے لگے یہی زمانہ تھا کہ اکابر کی دستار فضیلت پر ہاتھ ڈالنے کا عمل شروع ہوا جس کا نقطۂ عروج مولانا قاری محمد طیب صاحب کی صریح اہانت تھی اور اس ''کارخیر'' میں اسلام کے بڑے بڑے چیمپئن بلکہ ایک بقلم خود عاجز لیکن قلب میں بوقبیس پہاڑ کی برابر کبر قلمی جہاد کے لئے بے دھڑک کود گئے اور بالآخر ''فتح مکہ'' کا بگل بجا کر ہی دم لیا اور یہ نہ سمجھا کہ مٹھی جب کھل جاتی ہے تو پھر اسے بند کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

وہ تو خدا دائما ٹھنڈی رکھے تربت فخر الدین مراد آبادی کی وہ دارالعلوم دیوبند میں آئے اور اس شان سے آئے کہ ان کے دامن میں علوم انوری کے سکے تھے۔ دل و دماغ حضرت شیخ الہند اور علامہ کشمیری کے علوم کا معدن تھا۔ انہوں نے دارالحدیث میں بیٹھ کر صور اسرافیل کے انداز میں علوم انوری کا چرچا کیا تو کشمیر کی یہ مظلوم شخصیت ایک معلوم ہستی کی حیثیت سے عداوتوں کی منوں مٹی کے نیچے سے نکل کر پھر منظر عام پر آئی۔ ادھر پاکستان وجود میں آیا تو مرحوم کے باختصاص تلامذہ مدارس کھول کر بیٹھے۔ لاہور میں مولانا محمد حسن امرتسری و شارح مشکوٰۃ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، کراچی میں مولانا محمد یوسف بنوری و مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا عبدالخالق ملتانی وغیرہ وہ نمایاں شخصیتیں تھیں جنہوں نے پاکستان کے ذرہ ذرہ کو علوم انوری سے جگمگ کر دیا۔

بنگلہ دیش میں مولانا اطہر علی، مولانا مفتی فیض اللہ ہاٹ ہزاری میں مولانا عبدالوہاب، مولانا تاج الاسلام اور خدا جانے کتنے معروف وغیر معروف رجال علم نے کمالات انوری کو تابندہ و پائندہ بنا دیا۔

یہ بھیانک ظلم جو کشمیر کے ایک نامور فرد کے ساتھ روا رکھا گیا باوجودیکہ تقریباً چالیس سال سے میرا سینہ اس ظلم وعدوان کی تفصیل کا سربستہ راز ہے اب کہ قلم مقدمۂ ملفوظات انور کے لئے اٹھا تو بے اختیار خوں چکاں داستان کے کچھ اجزاء قلم پر آ گئے جو قارئین کے سامنے اس معذرت کے ساتھ پیش ہیں۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

عرب وعجم جس نے ایک زبان ہو کر انور شاہ کی علمی رنوانت وخصوصیت کو تسلیم کیا اسے علمی حلقہ بہت سی زبانوں اور بہت سے قلموں سے سن چکا اور خود یہ راقم الحروف بھی ''نقش دوام'' سوانح کشمیری میں جستہ جستہ پیش کر چکا۔

مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمہ کے ساتھ ہندوستان کے نامی گرامی اس بالغ النظر انشا پرداز کا شذرہ بھی شریک کردوں جو اس نے علامہ کشمیری کی وفات پر قلم سے نہیں بلکہ چشم گریاں وقلب بریاں کے ساتھ لکھا تھا۔ یہ مولانا عبدالماجد دریابادی کی تحریر ہے جو انہوں نے علامہ کی وفات پر اپنے مشہور عالم جریدہ ''سچ'' میں شائع کی۔ نقش دوام کا ایک طویل پیراگراف مرحوم کشمیری کی سیاسی زندگی سے بھی متعلق تھا۔ مغربی اضلاع کا ایک ادارہ جسے دیوبند اور اکابر دیوبند سے خدا واسطے کا بیر ہے اس سے متعلق مبصر نے تبصرہ لکھتے ہوئے یہ بھی لکھ مارا کہ مؤلف اپنے باپ کو ہر ہی شعبہ میں بااختصاص دکھانے کی خبط میں کیوں مبتلا ہو گئے۔ بطور جواب آں غزل عرض ہے کہ پشاور کے خطبۂ صدارت میں علامہ مرحوم نے جس سیاسی سوجھ بوجھ کی گل کاریاں کیں اس پر ایک طویل نوٹ خود ان ہی مولانا دریابادی کے قلم سے اسی ''سچ'' میں نکلا ہے جس میں انہوں نے اعتراف کیا کہ ایک بوریا نشیں عالم سے اس بلند وبالا سیاسی فراست کا گمان تک نہیں تھا یہ وثیقہ بھی میرے پاس موجود ہے مناسب وقت اس کی طباعت کے انتظار میں ہے اور یہ اس لئے کہ مذکورہ بالا ادارہ اور اس سے وابستہ حلقہ میں مولانا دریابادی کی بالغ النظری تقریباً تسلیم ہے۔ شاید اس کو دیکھ کر اور پڑھ کر وہ خود کو اعتراف پر مجبور پائیں۔

بہرحال بات لمبی ہوتی جاتی ہے کہنا یہ ہے کہ اس کا کون اور کب انکار کرسکتا ہے کہ علت و معلول سبب ومسبب کی اس لمبی چوڑی کائنات میں خود مسبب الاسباب نے ہر چیز کو وابستۂ

اسباب کر دیا' مقبولیت و مردودیت بلاشبہ خدائے قادر وتوانا کی جانب سے ہے مگر رد وقبول کے ظاہری اسباب بھی بہر حال ہوتے ہیں ہر صاحب فن کے ایک عروج وکمال کا دور ہوتا ہے اور پھر دیکھتے دیکھتے اس کے ساتھ فن بھی زمین دوز ہو جاتا ہے۔ پیری مریدی سے سہل الحصول غالباً کوئی تجارت نہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں عصر حاضر کو سامنے رکھ کر مگر دیکھنے والوں نے بارہا دیکھا کہ نام نہاد مشائخ کے ساتھ ان کی مسندیں بھی الٹ گئیں اور ان کے حلقوں کی ایک ایک کڑی بکھر گئی مگر جسے علم وفن کہئے یا جامعیت وعبقریت نام رکھئے صدیوں کے الٹ پھیر کے باوجود وہ کہنگی سے آشنا نہیں کتنوں کے سینوں میں مولانا تھانوی کے مٹانے کی آرزوئیں نہ صرف پرورش بلکہ عملی شکلیں اختیار کر رہی ہیں مگر آئے دن دیکھنے والی آنکھ دیکھ رہی ہے کہ اقطار ہندوپاک میں مرحوم کی تصانیف نت نئے انداز سے چلی آتی ہیں اور خدائے تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے کام لے کر خریدنے والے' پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے پیدا کئے چلے جارہا ہے۔ بات کو اگر سمیٹا جائے تو تصنیف وتالیف مآثر علمیہ اور جیتے جاگتے تلامذہ کا طویل سلسلہ بظاہر اپنے اساتذہ کی یاد اوران کے ذکر وفکر سے ماحول کو لبریز رکھتا ہے آج تو مدارس کا سب سے بڑا فخر یہ ہے کہ شرکاء حدیث پلٹن اندر پلٹن ہیں ہر چھوٹی بڑی درسگاہ درس حدیث کا آغاز اپنے مفاخر میں گرداننے لگی لیکن کتنے انور شاہ' کتنے شبیر احمد عثمانی' کتنے حضرت مدنی' کتنے فخر الدین اور کتنے سید سلیمان ندوی پیدا ہو رہے ہیں۔

اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے سر ہی دھنتے رہ جائیے گا اور چپ وراست سے صرف یہ مایوس کن جواب سننا ہوگا۔

کون ہوتا ہے حریف مئے مردافگن عشق　　　ہے مکرر لب ساقی پہ صدا میرے بعد

دارالعلوم کا وہی عہد زریں جسے زریں بنانے والی شخصیتوں کو اب بقوت خمول وگمنامی کے دشت بے کراں میں پھینک آنے کی سعی ہے۔ اس وقت علامہ کشمیری کے آخری سال والے دورۂ حدیث میں غالباً ساٹھ ستر سے زیادہ تعداد نہیں تھی مگر اس دارالضرب سے تیار ہونے والا ہر سکہ رائج الوقت تھا نظر انصاف شرط ہے۔ ہندوستان وپاکستان' بنگلہ دیش کے علمی چرچوں کا اچٹتی ہوئی نہیں بلکہ نظر غائر سے جائزہ لیجئے تو تمام علمی رونقیں' تصنیفی وتالیفی کاروبار علم کے

شاہکار، اور فن کے شاہ سوار، مرحوم کشمیری ہی کے دامن علم وعمل سے وابستہ اشخاص ورجال نظر آئیں گے کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ آسمان کا تھوکا اپنے ہی منہ پر گرتا ہے۔

سطور بالا میں پیش کردہ حقیقت کے منکر اپنی ہی سفاہت کا اعلان کررہے ہیں۔ چند سال سے مسلسل درس بخاری کی سعادت حاصل ہے۔ اس عظیم کتاب سے متعلق اردو عربی میں جو شروحات چلی آرہی ہیں وہ کشمیر ہی کے اس دانشور کا پس خوردہ ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ پاکستان سے ایک شرح بخاری دو جلدوں میں آئی۔ علامہ کشمیری کے علوم کو ان کا نام لئے بغیر بکثرت نقل کردیا گیا۔

علامہ مرحوم کی تقریر ترمذی العرف الشذی حالانکہ ایک طالب علم کی جمع کی ہوئی تھی۔ اسی کے مطالعہ سے نامی گرامی درس گاہوں کے محدثین ہنگامۂ درس وتدریس کئے ہوئے تھے اور ساتھ ہی کشمیری کے نام وکام کو بے وقار بنانے کی مکروہ کوشش بھی جاری تھی۔ خود کشمیری اس صورت حال پر فرمایا کرتے تھے الشعیر یوکل ویذم۔

کہاں تک سناؤں ان مظالم کی آپ کو داستان بہر حال جو کچھ ہونا تھا ہو چکا البتہ کبھی کبھی صبر وضبط کی تمام کوششوں کے باوجود کچھ اشک خونیں قلم وقرطاس پر بے اختیار آجاتے ہیں مخلص تلامذہ کے بعد خود علامہ کے قلم سے نکلی ہوئی تصانیف اور آپ کی درسی تقریروں کے مجموعے آپ کے علم وفن کو پائندگی دے رہے ہیں اور ان ہی کو دیکھ کر آج کا علمی طبقہ علامہ مرحوم کی علمی غزارت کو تسلیم کررہا ہے۔ عرب کے وہی ممتاز اشخاص جو کسی عجمی کے کمالات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ انہوں نے پوری کشادہ دلی سے مرحوم کی انفرادیت کا اعتراف کیا قصہ تو طویل ہے لیکن ذرا اسے دیکھئے کہ تاثرات کی کڑیاں کس طرح ایک دوسرے سے پیوست ہیں مولانا محمد ادریس کاندھلوی جو بذات خود دائرۃ المعارف تھے۔ فرماتے ہیں کہ آخری پانچ صدیوں کا تمام علم یک جا کرلیا جائے تو انور شاہ کے علم کی زکوٰۃ بھی نہیں ہوتی۔ یہی بات ایک دوسرے اسلوب میں شہرۂ آفاق شخصیت علامہ کوثری کی زبان سے یوں ادا ہوئی (کہ حافظ ابن ہمام کے بعد ایسی دیدہ ور اور اسلامی ذخیرہ سے نادر استنباط کرنے والی شخصیت پھر نہ اٹھی) حکیم مشرق شاعر اسلام ڈاکٹر اقبال نے فرمایا کہ 'اسلام کی آخری پانچ صدیاں مولانا انور شاہ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

اعتراف اور تسلیم کے اس حسین و دلکش ہار کو جسے قدیم و جدید دونوں حلقوں کے چابکدستوں نے تیار کیا۔ ذرا توجہ سے دیکھئے اور پڑھئے کہ اس طرح کی سعادت خال خال ہی کسی ہندی نژاد عالم کے حصہ میں آئی اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مرحوم علامہ کشمیری اپنے بے پناہ علوم کے اعتبار سے آخری صدیوں میں آیۃ من آیات اللہ تھے۔ اسلامی علوم وفنون میں کوئی ایسا فن نہ تھا جس میں وہ اپنی ذاتی رائے نہ رکھتے ہوں خود فرماتے'' میں کسی فن میں کسی کا مقلد نہیں ہوں خود اپنی رائے رکھتا ہوں بجز فقہ کے کہ ابوحنیفہ کی تقلید محض کرتا ہوں۔

'' قرآن وحدیث اور اسلامی علوم کا بالغ النظری سے انہوں نے مطالعہ کیا تھا۔ قرآن کریم پر بھرپور نظر تھی۔ اعجاز قرآن کا مسئلہ جو آج تک زیر بحث چلا آرہا ہے فرماتے کہ'' یہ مسئلہ میرے لئے سورج کی طرح روشن ومنور ہے'' وہ درس حدیث میں اس کا اہتمام کرتے کہ احادیث کا ماخذ قرآن کی آیات سے طلبہ کے سامنے کھول دیں۔ مختلف الاحادیث میں تطبیق کی ایسی دلآویز شکل پیدا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال متعارض نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مطابقت لئے ہوئے دکھائی دیتے خاص ان کا دستور یہ تھا کہ قرآن و حدیث کے تمام بیانات کو سامنے رکھ کر پھر کسی مسئلہ کی تنقیح فرماتے۔ ان کے مآثر علمیہ میں سینکڑوں اس کے نظائر موجود ہیں کہ آئمہ اربعہ کے درمیان خلافیات میں مسئلہ کی وہ تقریر کی کہ چاروں فقہاء اپنے افکار ونظریات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب نظر آئے۔ فقہی اختلافات میں اختلاف فقہاء کی خلیج کو پاٹنے کی جدوجہد ہمیشہ سے تھی اس لئے تین ائمہ سے نظریاتی اختلاف ہوتا تو وہ حنفی مکتبۂ فکر سے کسی ایسے حنفی عالم کی رائے لے لیتے جو باقی فقہاء کے اقوال سے اتحاد واتفاق کی راہیں نکالتی۔

تیرہ سو صدی کے تمام ممتاز علماء کی خصوصیات پر ان کی نظر تھی۔ ہر دانشور کے علمی تفوق کو تسلیم کرتے۔ ساتھ ہی اس کی خامی کی بھی نشان دہی کرتے۔ ابن تیمیہ کی ذکاوت وذہانت' تبحر وتعمق کو تسلیم کرتے ہوئے عربیت میں ان کی خامی' منطق ومعقول میں عدم حذاقت اور مزاجی لااعتدالی کی نشان دہی فرماتے' محی الدین ابن عربی کو بے پناہ تسلیم کرنے کے ساتھ ان کے تفردات پر نکتہ چینی سے گریز نہ تھا۔ حنفیت میں استحکام کے باوجود دوسرے ائمہ و

رجال علم کے کمالات کو تسلیم کرنے میں فراخ حوصلہ تھے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کو معمولاً رئیس الاذکیاء فرماتے۔ داؤد ظاہری کو اذکیاء امت میں بتاتے۔ ابن حجر عسقلانی کے لئے جبل العلم، حافظ الدین والدنیا کا وقیع لقب ان ہی کی درس گاہ میں گونجتا ابن عبدالبر المالکی کے اعتدال کی تعریف ہوتی۔ ابن حزم اندلسی کی حدت مزاج و تیزی قلم کا راز بتاتے فخر المفسرین امام رازی باوجودیکہ شافعی المسلک ہیں مگر تفسیر ان کے قلم سے وہ نکلی کہ مولانا روم ایسی شخصیت کو بھی اقرار کرنا پڑا۔

گر بہ استدلال کار دیں بودے فخر رازی راز دار دیں بودے

لیکن

پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

فخر رازی کے اسی جلیل و عظیم کارنامے پر کسی نے پھبتی کستے ہوئے کہا (کل شئ فیہ الا التفسیر) اس مقولہ کو درس گاہ میں نقل کرتے تو جوش تردید و دفاع عن الرازی میں فرماتے کہ (یہ ان کا مقولہ ہے جو قرآن کے لطائف و لطافت سے واقف نہیں) ہاں ہندوستانی علماء میں سچی بات یہ ہے کہ مرحوم مجھے کسی سے متاثر نظر نہیں آتے۔ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے بہت سے قلمی سہووں پر انہوں نے مطلع کیا، عبدالعلے بحر العلوم کی بعض تحقیقات سے اختلاف کیا۔ شاہ ولی اللہ کے اقوال سے گنتی کے دوچار مسئلوں میں تائید کی ابن نجیم، سہیلی کے بعد متاخرین میں حضرت گنگوہی کو فقیہ النفس فرماتے مگر ان کے علمی وثائق میں حضرت گنگوہی کی رائے بھی بحیثیت مؤید خال خال ہے۔ انہوں نے بعض وہ احادیث ذخیرۂ احادیث سے ڈھونڈھ نکالیں جو بدر عینی، ابن ہمام اور زیلعی کے ہاتھ نہیں لگی تھیں۔

قصہ مختصر آپ کی نشست و برخاست، رفتار و گفتار، مجلس عام و خاص، درس و درسگاہ وعظ و تقریر ہر ایک میں کتب خانہ علم کھلتا اگر کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور کوئی علمی سوال نہ کرتا تو فرماتے "بھائی کچھ پوچھو کیا قبرستان میں بیٹھا ہوں"۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ دارالعلوم میں وہ انقلاب آیا جس کی تفصیلات ناگفتہ بہ ہیں

نتیجتہً رجال کا ورجال علم کا قافلہ دیوبند سے ڈابھیل جا پہنچا۔ اس کاروان علم کے قافلہ سالار مولانا انور شاہ کشمیری تھے۔ اب ڈابھیل کی پرسکون فضا میں علمی مجالس آراستہ ہوئیں اسی زمانہ کے یہ ملفوظات نذر قارئین ہیں جن کی قدر و قیمت مطالعہ سے معلوم ہوگی۔

مرتب جناب مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری ہیں جو حضرت مرحوم کے داماد بھی ہیں۔ بجنور کے سادات خاندان میں عدم آباد سے منصۂ وجود پر قدم زنی کرنے والا یہ ہونہار ضلع بجنور و مراد آباد کے بعض مدارس میں علم کی تلاش میں سرگردانی کے بعد دیوبند آ پہنچا دارالعلوم کا یہ وہ دور تھا جس کے تاباں و تابناک ہونے پر خود چشم فلک بھی مبتلائے حیرت تھی۔ فنون میں اساسی شخصیتوں کے ساتھ اہل دل و اہل اللہ کا اجتماع بھی تھا۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن ''نقشبندیت'' کا علم اٹھائے ہوئے اتباع سنت کا درس اور جلاء باطن کے سبق دے رہے تھے۔ پیروزہ بختی کہئے یا اس طالب علم کی طلب صادق کہ مفتی صاحب ایسے معصوم ولی اللہ کی معیت و رفاقت کی سعادت دامن میں آ پڑی اسی رفاقت نے فکر کو مستقیم عقائد کو استوار اور اعمال کی تطہیر اور درست زاویہ نظر کی دولت بخشی۔ یہی وقت تھا کہ علامہ عثمانی علیہ الرحمہ کی درس گاہ دانش و بینش کی تقسیم کر رہی تھی۔ مولانا رسول خاں صاحب مرحوم فلسفہ و منطق کے جھنڈے بلند کر رہے تھے۔ علامہ ابراہیم صاحبؒ کلامیات میں نعرۂ اناولا غیری لگاتے۔ حضرت مولانا اعزاز علیؒ فقہ و ادب میں انفرادیت کا اعلان کرتے۔ مولانا مفتی محمد شفیع المغفور فقاہت کے سربستہ راز کھولتے مولانا محمد دریس کاندھلویؒ کے درس میں کلام اللہ کے اسرار سے نقاب کشائی ہوتی اور علامہ کشمیری کا فیضان علم تموج پذیر تھا۔ مولانا سید احمد رضا صاحب کو علم و عمل کے ان سمندروں سے سیرابی کی سعادت میسر آئی۔ کسب و اکتساب اور اخذ و قبول کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ دارالعلوم کے منارۂ فخر و امتیاز کا کلس ٹوٹ کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی زینتوں کا باعث بن گیا۔ دارالعلوم کی اس محرومی اور جامعہ ڈابھیل کی خوش نصیبی پر دیدہ ور یہی کہتے۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشہ کن　　　　کہ نور دیدۂ اش روشن کند چشم زلیخا را

اس طرح مرتب ملفوظات کو علامہ کشمیری کا دارالعلوم اور علامہ کشمیری کے بعد کا دارالعلوم دونوں کو دیکھنے کا موقع ملا اور آج ان کا شمار ان مبصرین میں ہے۔ جو پوری بصیرت و

بصارت دیدہ وری و دیدہ ریزی کے ساتھ دارالعلوم کے ماضی و حال پر جچا تلا تبصرہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ فراغت کے بعد مطالعہ مذاہب اور علوم جدیدہ کا ذائقہ چکھنے کے لئے کرنال میں کچھ وقت گزرا اور پھر مولانا بشیر احمد بھٹہ مرحوم کی کوششوں سے ڈابھیل جا پہنچے اس طرح استفادہ کا وہ سلسلہ جو علامہ کشمیری سے ٹوٹ گیا تھا۔ قدرت کی چارہ سازیوں سے پھر استوار ہو گیا مرحوم کشمیری کو عمر بھر یہ شکایت رہی کہ "ہمیں کوئی صحیح مخاطب نہیں ملا" مقدمہ بہاولپور سے جب وہ لوٹے تو قادنیت کے تابوت کو زیر زمیں کرنے سے زیادہ انہیں اس پر مسرت تھی کہ بہاولپور کی عدالت عالیہ کا جج میری بات سمجھتا ہے" ایسی دیدہ ور شخصیت کی نظر میں کسی کی وقعت بڑی سند اور بڑا امتیاز ہے مولانا احمد رضا صاحب کی رفاقت پر علامہ فرماتے کہ "یہ صاحب اگر پہلے سے ہم کو میسر آ جاتے تو بڑا کام ہو جاتا" شب و روز کی یکجائی چند ہی سالہ تھی مگر بعض روشن باطن مسترشدین نے مرشد کامل سے چند ساعتی صحبت میں تجلیہ باطن کی سند لے لی تو پھر اس میں استعجاب کیا کہ ایک طالب علم چند سالوں میں اپنے حبیب و دامن کو ایک بحر العلوم کی صحبت سے علم کے زریں سکوں سے لبریز کرے۔

علامہ کشمیری کے مسودات کو پڑھنا اور ان کی تبییض' کار مشکل تھا اہل سواد اور ذی استعداد عالم و فاضل ہی اس مہم کو انجام دے سکتے تھے۔ ممدوح مرتب نے اس سنگلاخ کو اس خوبی سے طے کیا کہ بہت جلد علامہ کی نظر میں اعتماد حاصل کر لیا۔ جامعہ اسلامیہ میں تدریس کے ساتھ "مجلس علمی" کا انصرام و انتظام مولانا احمد رضا صاحب سے ہی متعلق رہا۔ ان کی ہی جدوجہد سے اس ادارہ نے قلیل عرصہ میں ہندوستان کے علمی اداروں میں اپنا مقام بنا لیا۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ اور علامہ کشمیریؒ وغیرہ کی تالیفات و تصانیف منظر عام پر آئیں جناب مرتب ہی کی سعی و کاوش سے بخاری شریف کی املائی تقریر مولانا بدر عالم صاحب نے ترتیب دی مولانا محمد یوسف بنوری جیسا جوہر قابل اس دائرۃ المعارف سے وابستہ ہوا خود مولانا نے علامہ کشمیری مرحوم کی مشکلات قرآن کی تخریج کی' اسی دور میں ابوالکلام آزاد کے ترجمان القرآن پر علمی تعاقب کئے اور مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار میں جو جھول نظر آئے اس سے علمی حلقوں کو باخبر رکھا۔

مگر افسوس کہ مجلس علمی جیسا پر وقار ادارہ ناقدر شناس افراد کے ہاتھوں پہنچ کر اپنا امتیاز کھو

بیٹھا اور اب پاکستان میں ایک عجائب خانہ سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

ڈابھیل سے اٹھے اور کچھ عرصہ کے بعد دارالعلوم سے متعلق ہوئے یہاں حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کے مآثر علمیہ کی تسہیل کا اہم کام شرع کیا۔ حفید نانوتویؒ مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم نے اس تسہیل کو دیکھ کر آپ کا فوراً تقرر کرلیا لیکن اب دارالعلوم ذی علم افراد کو قبول کرنے کے بجائے انہیں دور پھینکنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھا۔ اس افسوسناک صورت حال نے مولانا کو دل برداشتہ کر دیا اور ''خدا شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد'' کے اصول کے مطابق قدرت نے انہیں ایک اور اہم ترین علمی کام میں مشغول کر دیا یہ جلیل کارنامہ حضرت شاہ صاحب کی درس بخاری کی تقاریر ہیں جو مولانا ممدوح نے سالہا سال ان کی درسگاہ میں بیٹھ کر جمع کیں اب وہ ان ہی کو بلباس اردو ترتیب دے رہے ہیں۔ شروحات بخاری کی کمی نہیں۔ عربی' فارسی اردو ہر ایک زبان میں اس عظیم کتاب سے متعلق تشریح وتسہیل کا ذخیرہ موجود ہے لیکن ''انوارالباری'' منفرد حیثیت رکھتی ہے اس میں حدیث کی بھرپور تشریح کے ساتھ اکابر علم کے چھنے چھنائے اقوال کتاب کی زینت ہیں علامہ کشمیری کے بلند پایہ علوم سے یہ شرح مزین ہے اور بیشتر ان ہی کے لب ولہجہ میں' اس کی سب سے بڑی خصوصیت حنفیت کی بنیادوں کا استحکام' دفاع عن ابی حنیفہ رجال احناف پر ناروا مظالم کی تردید امام بخاری علیہ الرحمہ کی حنفیہ سے بدگمانیوں کا ازالہ' حافظ ابن حجر کی زیادتیوں کا تعاقب چاروں فقہوں میں حنفیت کی ترجیح' قدیم علوم کے دوش بدوش جدید معلومات کا اضافہ اور رائج الوقت غلط افکار ونظریات پر معتدل تبصرہ ہے۔ تقریباً بیس کے قریب اقساط منظر عام پر آ کر قدر شناس علماء کی تحسین کا انبار اپنی پشت پر رکھتی ہیں بہت بڑا کام ہے جو مولانا انجام دے رہے ہیں دعا ہے کہ قادر وتوانا اس عظیم شاہکار کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ لیکن علامہ مرحوم کا ابھی ایک اہم قرض ان کے تلامذہ پر باقی ہے وہ ہے ''آثار السنن''

مولانا شوق نیموی کی اس معرکتہ الآراء تالیف پر علامہ نے مسلسل حاشیہ لکھا۔ یہ حواشی علوم انوری کا گنج گراں مایہ سینکڑوں کتابوں کا ملخص' بلند پایہ تحقیقات کا ذخیرہ اور حنفیت کی بنیادوں کو مضبوط بنانے کے لئے بے نظیر خزانہ ہے۔ خم خانہ انوری کے قرابہ کش ایک ایک

کر کے یہ کہتے ہوئے رخصت ہو رہے ہیں۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ان مستوں اور سرخوشوں میں گنتی کے چند کے ساتھ مولانا سید احمد رضا صاحب بھی ہیں مقدمہ نگار بار ہا ان سے اور دوسرے تلامذہ سے عرض کرتا رہا کہ اس قرض کی ادائیگی کی واجبی فکر کریں لیکن

کس بمیداں رونمی آرد سواراں را چہ شد

ہمارے مولانا جہاں گشت بھی ہیں سعودی عربیہ' قاہرہ' استنبول' افریقہ' ہندو پاکستان کے اسفار برابر ہوتے رہے۔ ایک زمانہ میں ان کی صحت نوجوانوں کے لئے موجب رشک تھی مگر اب بھی ہشتاد سالہ عمر اور پیہم حوادث وغم کے باوجود ان کی چلت پھرت' کام کی دھن' مصروفیات کا تسلسل ہم ایسے ناتوانوں کے لئے مہمیز ہے۔ علامہ مرحوم کے ان ملفوظات کو ان سے ترتیب دلانے میں قسام ازل نے مجھے بھی حصہ دینا چاہا۔ سوالحمدللہ معارف انوری کا ایک اور رخ زیبا سامنے ہے میں تو یقین رکھتا ہوں کہ یہ بلند پایہ ملفوظات اہل علم کے لئے فانوس اور دانشوروں کے لئے شمع فروزاں ثابت ہوں گے۔ والامر بیداللہ۔

نازیبا ہوگا کہ میں ان محسنین کا شکریہ ادا کرنے سے غفلت برتوں جنہوں نے اس خزینہ علم وفن کو منظر عام پر لانے میں مجھے وہ تعاون دیا جس پر وہ احسن الجزاء کے طالب ہیں اور بس میں بھی شہرت پسندی سے گریز کرنے والے ان مخلصین کی فہرست اپنے نہاں خانۂ دل کی امانت گردانتے ہوئے طول نگاری و قدرے تلخ نوائی کی مکرر معذرت کے ساتھ طالب رخصت ہوں۔

وانا احقر الاواہ محمد انظر شاہ المسعودی

رکن ہیئت التدریس بدارالعلوم وقف

بین العشائین ۲۳/۵/۱۴۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الحی القیوم، حمد ایبقٰی ببقائہ ویدوم، من ازل الازل الی ابدالابد، والصلوۃ والسلام والتحیات المبارکۃ علی جملۃ رسلہ وانبیائہ، وسیما خیر خلقہ و خیرۃ انبیاءہٖ محمد و آلہ و اصحابہ بدون حدو عد،

امابعد: ''میں اپنی زندگی کے ان گراں قدر لمحات پر جس قدر بھی فخر کروں بجا ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں گزرے اور ان میں حضرت سے اکثر اوقات استفادہ کے مواقع میسر آئے''۔

یوں تو دارالعلوم دیوبند پہنچنے کے بعد ابتداء ہی سے حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب مرحوم کے تعلق کی بناء پر حضرت شاہ صاحبؒ سے ایک گہرا تعلق ہوگیا تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے آخری سال (جو اسٹرائک وہنگاموں کا سال تھا) چند ماہ درس حدیث میں بھی باقاعدہ شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ اور اب تک ثلج صدر کی وہ کیفیت اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں جو حضرتؒ نے ترمذی کے درس کے وقت مہمان مسائل پر اپنے کافی وشافی بیانات سے فائض کی تھی۔ یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ چند بار دارالحدیث سے اپنے اوپر کے کمرے میں تشریف لے جاتے ہوئے حضرتؒ کے ساتھ ہو گیا اور راستہ میں بھی کچھ پوچھتا گیا اور حضرتؒ نے شفقت سے جواب دے کر تشفی فرمائی۔

چند ماہ کے بعد حضرتؒ نے دارالعلوم سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ اور احقر نے اپنی کچھ مجبوریوں کے پیش نظر حضرت سے استصواب کے بعد وہ سال دورۂ حدیث کا دیوبند رہ کر ہی پورا کیا۔ فراغت کے بعد احقر تبلیغ کالج کرنال جا کر تین سال سے کچھ زائد فن ادب مطالعہ دیگر مذاہب تبلیغی ضرورت کے لئے مشق تحریر وتقریر اور تحصیل زبان انگریزی میں مشغول رہا۔ اس عرصہ میں بھی حضرتؒ سے استفادہ کرتا رہا اور وہاں سے فراغت کے بعد مولانا

مشیت اللہ صاحب مرحوم اور مولانا بشیر احمد صاحب مرحوم کے ایماء پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل پہنچا۔ وہاں محترم مولانا محمد میاں صاحب سملکی (افریقی) نے حضرت شاہ صاحبؒ کی سرپرستی میں ''مجلس علمی'' قائم کی۔ جس سے اکابر امت حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ اور خود حضرت شاہ صاحبؒ کے نادر علمی خزینوں کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس تقریب سے کئی سال تک حضرتؒ سے ہر وقت قرب، حضوری و استفادہ کا موقع ملتا رہا۔ بخاری شریف کے دروس میں دو سال حاضر رہ کر حضرتؒ کی ذاتی تحقیق و رائے قلمبند کرنے کا التزام کیا اور مجلس میں حاضری کے وقت آپ کے ملفوظات جو بڑی تحقیق کا نچوڑ اور خلاصہ ہوتے تھے لکھ لیا کرتا تھا۔ کچھ مواعظ بھی قلمبند کئے۔ ملفوظات و مواعظ محفوظ کرنے کا مجھے اس زمانہ میں اتنا شغف تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے ملفوظات و مواعظ بھی کچھ عرصہ تک لکھتا رہا اور حضرت تھانویؒ کے ملفوظات متعدد کتابوں اور رسالوں سے منتخب کر کے ایک الگ یادداشت بنائی تھی کہ کسی وقت ان ہر سہ اکابر کے ٹھوس علمی ملفوظات مرتب کر کے یکجا شائع کئے جائیں۔

مجلس علمی ڈابھیل کے قیام کے زمانہ میں یہ بات خاص طور پر میں نے محسوس کی کہ اساتذہ جامعہ میں سے کم و کیف دونوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ علمی استفادہ حضرت شاہ صاحبؒ سے حضرت مولانا عثمانیؒ نے کیا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو رجال کی مدح و توصیف میں انتہائی محتاط تھے ایک بار مولانا مفتی محمد احمد صاحب نانوتوی دام ظلہ سے فرمایا:۔

''تمہیں ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ مولانا شبیر احمد صاحب کو علم حدیث سے مناسبت ہوگئی ہے۔''

اس مختصر جملہ سے اندازہ لگایئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی تحقیق کا مرتبہ کس قدر بلند تھا۔ حضرت مولانا عثمانیؒ جیسی جامع معقول و منقول شخصیت کے لئے یہ الفاظ فرمانا جو دارالعلوم دیوبند میں حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے زمانہ میں مسلم شریف کا درس دیا کرتے تھے اور کتاب الایمان کی درسی تقاریر میں تو ان کی غیر معمولی شہرت تھی لیکن یہ واقعہ ہے کہ ڈابھیل جا کر انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے تفسیر، حدیث اور دوسرے علوم کے دقائق و مشکلات میں رجوع فرما کر صحیح معنی میں اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ اسی لئے حضرت عثمانیؒ کے علم و فضل میں

ڈابھیل جا کر بہ نسبت دیوبند کے زمین و آسمان کا فرق ہو گیا تھا۔

اس حقیقت کا اعتراف خود حضرت عثمانیؒ بھی فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی خبر وفات جب جامعہ ڈابھیل میں پہنچی اور جلسہ تعزیت دارالحدیث میں منعقد ہوا تو مجھے وہ منظر اب تک یاد ہے کہ طلبہ اساتذہ اور اہل قصبہ کا پورا مجمع حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات پر گریہ و بکا میں مصروف تھا اور خود حضرت عثمانیؒ نے جب تقریر شروع فرمائی تو وہ بھی تحمل نہ فرما سکے اور فرط گریہ سے کچھ دیر کے لئے رکے تقریر بند کرنی پڑی۔ پھر انہوں نے طلبہ کو خطاب فرمایا کہ:۔

''حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات سے تم لوگ یتیم نہیں ہوئے بلکہ ہم جیسے پڑھانے والے یتیم ہو گئے ہیں کیونکہ تمہارے لئے تو خدا کے فضل سے ہم بھی کافی ہیں مگر جس سے ہم پڑھانے والے پڑھتے تھے وہ شخصیت ہم سے جدا ہو گئی ہے''۔ پھر فرمایا کہ ہم لوگوں کی نظر بہت وسیع ہو گی تو صرف مسائل و جزئیات کا احاطہ کرے گی اور حضرت شاہ صاحبؒ مسائل کی ارواح و حقائق سے باخبر تھے۔ اس لئے ہم اتنی بڑی عظیم الشان نعمت سے محروم ہو گئے ہیں''۔ وغیر ذالک

نفحۃ العنبر اور حیات انور میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خصوصیات علم و فضل اور کمالات و مناقب پر اچھا خاصہ ذخیرہ پیش ہو چکا ہے۔ مگر جن آنکھوں نے ان کو قریب سے دیکھا وہ شاید حضرتؒ کے علم و عمل کا سراپا الفاظ کی شکل میں پیش کرنے سے عاجز رہیں گے البتہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔

وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ڈابھیل تشریف لائے تو طلبہ نے ان سے عرض کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے کچھ مناقب بیان کیجئے تو بے ساختہ فرمایا کہ ''بھائی میں تو اتنا جانتا ہوں کہ صحابہؓ کا قافلہ جا رہا تھا' یہ پیچھے رہ گئے تھے۔''

شاہ صاحب کے اس جملہ کی داد دینا بہت دشوار ہے کہ اس مختصر جملہ میں انہوں نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو بڑی بڑی تقریروں اور مضامین سے بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تھا اور آپ نے ارشاد فرمایا تھا ''کان خلقه القرآن'' اس سے بہتر اور مختصر' جامع اور برمحل جواب نہیں ہو سکتا۔

علمی خصوصیات

مناسب ہوگا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی خصوصیات کا ایک خاکہ جو میرے ذہن میں ہے اس کو بھی ملاحظہ کیجئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ عربی زبان کی تمام مطبوعہ و قلمی کتابیں جو بھی مل سکیں ان کا ایک بار مطالعہ ضرور فرما لیتے تھے۔ ہندوستان کے کتب خانوں کے علاوہ زیارت حرمین کے موقع پر وہاں کے کتب خانوں سے پورا استفادہ کیا۔ اور اس قدر مطالعہ وہ فرما چکے تھے کہ ایک بار زمانہ قیام ڈابھیل میں فرمایا کہ "جب کوئی نئی کتاب مصر سے چھپ کر آتی ہے تو اس کو میں بڑے اشتیاق سے از اول تا آخر دیکھتا ہوں اور بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ کئی کئی جلدوں کی کتابوں میں بھی کوئی نئی بات (جو پہلے سے مطالعہ میں نہ آئی ہو) نہیں ملتی۔"

حضرت شاہ صاحبؒ کسی کتاب کا مطالعہ بھی سرسری نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ نہایت غائر نظر سے، پورے انہماک کے ساتھ کرتے تھے۔ اسی لئے آپ کے ارشادات میں بھی بڑی گہرائی اور تحقیق و تدقیق کے آثار جھلکتے تھے۔ کتب سیر میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں اس طرح کے الفاظ منقول ہیں **کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ابر الناس قلبا واعمقهم علما واقلهم تکلفا**" یعنی حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب نیکیوں پر مجبول تھے کہ بھلائی و نیکی کی راہ چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرنا ان کے قلوب پر انتہائی شاق ہوتا تھا اور ان کے علوم میں گہرائی تھی کہ اس سے زیادہ تعمق و دقیقہ رسی عادۃً ممکن نہیں۔ نیز وہ اپنی سادہ فطرتوں سے تکلف و بناوٹ کو بہت دور رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ میں یہ اوصاف پوری طرح موجود تھے۔

یوں خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اکابر دیوبند سب ہی اپنے اپنے وقت میں علم و عمل فضائل و مناقب کے اعتبار سے آفتاب و ماہتاب ہوئے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ حضرت شیخ الہندؒ حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ

حضرت شاہ صاحبؒ حضرت تھانویؒ، حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ وغیرہ وغیرہ کے علمی و عملی کمالات قریبی دور میں ہمارے مشاہدہ سے گزرے ہیں اور الحمد للہ ان کے بعد موجودہ دور کے ارباب فضل و کمال بھی علوم نبوت کے افادہ و افاضہ کی گراں قدر خدمات میں لگے ہوئے ہیں۔ ''کثر اللہ امثالھم وما ذلک علی اللہ بعزیز.

میں تو یہاں عنوان مضمون کی مناسبت سے صرف حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر کر رہا تھا جو بقول مولانا محمد میاں صاحب سملکی افریقیؒ مجھ پر فرض بھی ہے اور ان کا حکم تھا کہ مجھے جو کچھ معلومات حضرتؒ کے بارے میں حاصل ہیں ان کو جس طرح بھی ہو اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم سے ادا ضرور کروں۔

حضرت مولانا عثمانیؒ کے حوالہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی تحقیق کی شان واضح ہو چکی ہے اس کے علاوہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی ایک تحقیق ہے کہ علم سمع بصر وغیرہ وہ ملکات ہیں جو حق تعالیٰ نے ہر شخص کو ایک خاص انداز سے مرحمت فرمائے ہیں۔ اور علمی کاوشوں سے ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ان سے جو کچھ اضافہ ہوتا ہے وہ اس کی معلومات، مسموعات اور مبصرات میں ہوتا ہے۔

اس تحقیق کی روشنی میں خیال ہوتا ہے (واللہ اعلم وعلمہ اتم) کہ علوم وفنون کے سمندروں کی گہرائیوں میں اتر کر گرانقدر علمی جواہرات و موتیوں کو نکالنا ہر عالم کی دسترس سے باہر ہے اور اس قسم کا علم جو اخص الخصوص موہبت الٰہیہ ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کو اور پھر خال خال اکابر امت کو عطا ہوا ہے۔

اپنا تاثر حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد حضرتؒ کے بارے میں بھی یہی ہے کہ وہ اسی خاص قسم علم سے نوازے گئے تھے۔ حضرتؒ نے اپنی تالیف ''آب حیات'' میں جو آیت '' النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم کی تفسیر و توضیح فرماتے ہوئے علوم وحقائق کے گوہر لٹائے ہیں وہ میرے تاثر کی بڑی بنیاد ہیں۔ خیال فرمایئے کہ حضرتؒ نے ایک آیت پر اُردو زبان میں پوری ایک کتاب لکھ دی ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے استفادہ عمیق علم اور گہرے مطالعہ کے بغیر آسان نہیں، اور جہاں تک میں نے سمجھا، حضرتؒ نے اس آیت کے بھی صرف ایک کلمہ ''اولیٰ'' پر اپنی تحقیق و تدقیق کی بنیاد رکھی ہے، اس مضمون کو

حسب ضرورت شرح کے ساتھ خدا نے چاہا تو پھر کسی موقع پر لکھنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی شان بھی میرے نزدیک اسی قسم کی تھی وہ بھی بعض آیات و احادیث کے ایک ایک کلمہ پر ساری تحقیق و تدقیق کی بنیاد رکھ کر مہمات مسائل کو اس قدر مضبوط و مستحکم کر گئے ہیں کہ رہتی دنیا تک ان کے علم و فضل کا اعتراف موافق و مخالف سب کو کرنا پڑے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے علم و فضل کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کے زمانہ کے معاصرین اہل فضل و کمال نے بھی ان سے استفادہ کیا۔ جن میں سے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کے بارے میں لکھ چکا ہوں کہ زمانہ قیام ڈابھیل میں سب سے زیادہ وہی مستفید ہوئے اور فوائد قرآن مجید (مطبوعہ بجنور) اور فتح الملہم شرح مسلم میں ان کے افادات کہیں تصریح تام کے ساتھ اور کہیں بغیر تصریح کے جا بجا موجود ہیں۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اکثر علمی مسائل میں حضرتؒ سے رجوع فرماتے تھے۔ حضرت تھانویؒ ان کو حقانیت اسلام کی زندہ مثال و حجت قرار دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک فقرے پر ایک ایک رسالہ تصنیف کیا جا سکتا ہے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے اس قدر استفادہ کیا ہے کہ میرے قلب میں ان کا احترام اس طرح ہے جیسا کہ اپنے اساتذہ کا' گو میں نے ان کی باقاعدہ شاگردی نہیں کی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے ترمذی شریف وغیرہ پڑھی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ واقعی حضرت شاہ صاحبؒ آیۃ من آیات اللہ تھے اور فرمایا کہ میں تو غیر مقلد ہو گیا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی برکت سے حنفی مذہب پر استقامت نصیب ہوئی۔ حضرت مولانا احمد خاں صاحب (مشہور نقشبندی عالم و بزرگ ساکن کندیاں' ضلع میانوالی) نے فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کاملین میں سے تھے اور آپ کے وصال سے علماء یتیم ہو گئے۔ طلبہ کو پڑھانے والے اساتذہ مل سکتے ہیں لیکن علماء کی پیاس کون بجھائے گا۔

حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ (مشہور نقشبندی و مفسر بزرگ) جو حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد رشید تھے۔ راقم الحروف حضرت شاہ صاحبؒ کے ایماء پر ان کی خدمت میں تقریباً ایک ماہ رہا اور خوش قسمتی سے پورا قرآن مجید مع تفسیر ان سے پڑھا اور شرف بیعت و اجازت بھی حاصل ہوا وہ اپنی

مجالس درس وارشاد میں اکثر حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر خیر فرماتے تھے اور بڑے مداح تھے۔

علامہ علی مصری حنبلی جو صحیحین کے تقریباً حافظ تھے مصر سے سورت اور راندیر آئے وہاں حضرت مولانا مفتی سید محمد مہدی حسن صاحب مفتی گجرات (حال مفتی دارالعلوم دیوبند) سے ملاقات ہوئی اور آپ نے علامہ علی کو دیوبند جانے کا مشورہ دیا۔ تو وہ دہلی ہوکر دیوبند بھی پہنچے۔

زمانہ قیام دارالعلوم میں اساتذہ کے درس میں بیٹھے اور خصوصیت سے حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں درس بخاری شریف سنا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے درسی تقریر بھی ان کی رعایت سے عربی میں کی، علامہ نے سوالات کئے۔ حضرتؒ جوابات دیتے رہے درس کے بعد فرمانے لگے کہ۔

''میں نے عرب ممالک کا سفر کیا اور علمائے زمانہ سے ملا۔ خود مصر میں کئی سال حدیث شریف کا درس دیا ہے۔ میں نے شام سے لے کر ہند تک اس شان کا کوئی محدث و عالم دین نہیں دیکھا میں نے ان کو ہر طرح بند کرنے کی سعی کی لیکن ان کے استحضار علوم و تیقظ، حفظ واتقان، ذکاوت و وسعت نظر سے حیران رہ گیا۔''

علامہ نے دارالعلوم میں تین ہفتے قیام کیا اور حضرتؒ سے برابر استفادہ کرتے رہے اور ایک دفعہ جوش میں آ کر یہ بھی کہا ''لو حافت انه اعلم من ابی حنیفة لماحنثت'' حضرت شاہ صاحبؒ کو یہ جملہ پہنچا تو سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ''ہمیں امام کے مدارک اجتہاد تک قطعاً رسائی نہیں ہے''۔

مصر پہنچ کر علامہ مذکور نے ''المنار'' میں اپنا سفرنامہ شائع کیا اور علماء دیوبند کے کمالات علمی و عملی پر ایک طویل مقالہ سپرد قلم کیا تھا۔

حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے بڑی عقیدت کے ساتھ دوزانو بیٹھا کرتے تھے اور استفادہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسریؒ باوجود اختلاف خیال حضرت شاہ صاحبؒ کے علم وفضل کے بڑے مداح تھے اور برابر علمی استفادات فرماتے رہتے اور آپ کو بے نظیر عالم دین فرماتے تھے۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحبؒ میر سیالکوٹی نے قادیان کے پہلے بے نظیر اجتماع میں جب حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر سنی تو فرمایا کہ ''اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ کو دیکھ لے۔''

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو علم و فضل کا ایک سمندر قرار دیا جس کی اوپر کی سطح ساکت ہوتی ہے اور اندر گرانقدر موتی و جواہرات بھرے ہوتے ہیں۔

آپ نے اپنے شاگرد رشید جناب مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی مدظلہ شیخ التفسیر ندوہ لکھنؤ کو درس تفسیر دیتے ہوئے آیت ''توفی و رفع'' کے موقع پر ہدایت فرمائی کہ اس موضوع پر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کا رسالہ بے حد تحقیقی اور نافع ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ یہ تو علمائے دین کا مختصر تذکرہ تھا۔

اسی طرح علامہ اقبالؒ اور دوسرے ہزارہا نو تعلیم یافتہ طبقہ کے افراد نے پنجاب، سرحد، سندھ، یوپی، حیدرآباد و گجرات وغیرہ میں جو علمی استفادات حضرتؒ سے کئے وہ بھی حضرتؒ کے تبحر علم و فضل اور وسعت معلومات نیز جامعیت و افادیت کے پہلو نمایاں کرتے ہیں۔

حضرتؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ بہتر سے بہتر تحقیق بھی گو کہ وہ آپ کی علمی کاوشوں کا نتیجہ ہی کیوں نہ ہوا گر وہی تحقیق کسی ذریعہ سلف سے مل گئی تو اس کو اسی حوالہ سے نقل فرماتے تھے اور اس پر انتہائی مسرت و اطمینان کا اظہار بھی فرماتے تھے۔

جب کسی جزئی مسئلہ پر یا مشکل مضمون کے بارے میں آپ سے رجوع کیا جاتا تھا تو اس کا جواب آپ اس طرح دیتے تھے جیسے وہ اس مشکل سے بہت پہلے گزر چکے ہیں اور اس کا بہترین منقح حل بتلا دیتے تھے۔ اگر اس کا کوئی حل یا تحقیق کسی کتاب میں ہے تو صرف اس کا حوالہ بتلا دیتے تھے کہ فلاں مقام سے فلاں کتاب میں دیکھ لیں۔

اس غیر معمولی تبحر و وسعت مطالعہ کے ساتھ یہ بات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ سلف کے مسلک سے الگ ہو کر کسی تحقیق کو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے اکابر و اساتذہ کے مسلک کو بھی چھوڑنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔

چنانچہ احقر نے دوران قیام کرنال میں تفسیر طنطاوی میں تصویر اور مروجہ فوٹو کے بارے میں علامہ طنطاوی کے نقلی و عقلی استدلالات کا حوالہ دے کر استصواب رائے کیا تو تحریری جواب کچھ نہ ملا۔ کچھ عرصہ کے بعد احقر خدمت والا میں حاضر ہوا تو اپنے خط کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ جی ہاں خط ملا تھا جواب کا موقع نہیں ہوا۔ پھر میں نے کہا کہ حضرت آپ کی کیا رائے

ہے؟ فرمایا کہ ''اپنے حضرات کی رائے نہیں ہے'' بس اس قدر جواب تھا اور اس سے بہتر وافی وشافی جواب کیا ہو سکتا ہے؟

جامعیت علوم وفنون

حضرتؒ کی شخصیت ایسی جامع معقول ومنقول شخصیت تھی کہ ہر علم وفن کی امہات کتب کا مطالعہ فرما کر ان کی مشکلات فقہ کو حل فرما چکے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہر علم میں اپنی ایک رائے رکھتا ہوں سوائے چند کے اور فقہاء کی علمی کاوشوں کی بہت زیادہ تعریف فرمایا کرتے تھے اور کتب فقہ میں مبسوط و بحر الرائق کے علاوہ بدائع الصنائع کی زیادہ تعریف فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب فقیہ النفس بنا دینے والی ہے۔

دینی علوم متداولہ کے علاوہ فن طب، جفر، رمل و نجوم وغیرہ علوم کا بھی مکمل مطالعہ فرمایا تھا اور ان کی مشکلات پر بحث فرماتے تھے اور سائلین کو تسلی بخش جواب دیتے تھے۔

جدید سائنس کی کتابیں مصر سے چھپ کر آئیں تو ان کا بھی مطالعہ فرمایا۔ اور اپنے خاص تلامذہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب وغیرہ کو اس کی بعض کتابیں درساً پڑھائیں۔

زمانۂ حال کے مشہور مصری عالم علامہ طنطاوی نے تفسیر الجواہر کی ۲۵ جلدوں میں جس قدر جدید اکتشافات سائنس آیات قرآنی کے تحت ذکر فرمائے ہیں اور بڑی تشریح وتفصیل سے بیان کئے ہیں ان کی علمی کاوش ومحنت کی بھی تعریف فرمایا کرتے۔ اس کے باوجود یہ نہیں چاہتے تھے کہ علماء ان کی ہر تحقیق کو اپنے عمل وکردار کے لئے حجت بنالیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں خود راقم الحروف کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۹) علم حدیث میں جو تبحر، وسعت مطالعہ اور دقت نظر آپ کو حاصل تھی اس کی کچھ جھلک آپ کی مطبوعہ تالیفات و امالی درس میں دیکھی جا سکتی ہے۔

استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الہندؒ بھی بعض مسائل کی تحقیق وتخریج حوالہ کے لئے حضرتؒ سے استفسار فرما لیا کرتے تھے۔

مالٹا سے تشریف لائے تو نصاریٰ سے ترک موالات کا مسئلہ زیر غور تھا۔ قرار پایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے یہ مسئلہ تحریر کرایا جائے حضرتؒ نے فتویٰ لکھا اور حضرت شیخ الہند کی

خدمت میں حاضر ہو کر سنایا' صرف دس سطور تھیں مگر نہایت جامع و مانع جن سے حضرت شیخ الہندؒ نہایت محظوظ ہوئے۔

جس وقت حضرت علامہ ظہیر احسن صاحب شوق نیمویؒ نے حدیث کی شہرۂ آفاق کتاب ''آثار السنن'' تالیف فرمائی اور حضرت شیخ الہندؒ کو اس کا ابتدائی مسودہ بغرض اصلاح وافاضہ ارسال فرمایا تو حضرت شیخ الہندؒ نے اس کو واپس فرما کر ہدایت فرمائی کہ یہ خدمت حضرت شاہ صاحبؒ سے لی جائے۔

چنانچہ حضرت علامہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں مسودات بھیجنا شروع کر دیئے اور پوری کتاب اسی طرح مکمل فرمائی۔

اس کتاب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے مفید اضافات فرمائے اور وہ طبع ہوئی۔ پھر طبع ہو جانے کے بعد حضرتؒ نے اپنے نسخہ پر حواشی لکھنے شروع کئے جو میرا خیال ہے کہ اصل کتاب سے بھی زائد ہیں' اور الحمدللہ ''مجلس علمی'' ڈابھیل کے نادر ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔ ان کو مرتب کر کے شائع کرنا بڑی اہم خدمت ہے خدا کرے کسی وقت وہ بھی مجلس سے پوری ہو۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب سورتی مرحوم مقیم افریقہ (سرپرست مجلس) کو خاص طور پر اس کا فکر وخیال بھی تھا۔

علم اسرار وحقائق میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ اپنے دور کے شیخ اکبر تھے اور شیخ اکبرؒ کے علوم وافادات کا تذکرہ بھی ان کے درس حدیث کا اہم جزو تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خیر کثیر وغیرہ کے مداح تھے۔ اسی لئے ''مجلس علمی'' نے ان کی یہ نادر کتاب اور دیگر کتب شائع کیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بعض چیزوں پر حضرت شاہ صاحبؒ نے تنقید بھی فرمائی ہے اور علامہ کوثریؒ نے بھی حسن التقاضی فی ابی یوسف القاضی کے آخر میں مفصل تنقید کی ہے ان دونوں حضرات کی گرامی قدر آراء کا تذکرہ مقدمہ انوار الباری شرح اردو بخاری میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کے حالات وسوانح میں پیش کیا گیا ہے۔

''تلك عشرة كاملة''

حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا دس خصوصیات جو اس وقت مجھے مستحضر ہو سکیں درج کی گئیں۔ مگر سب سے زیادہ جو اہم ترین فضیلت میرے نزدیک حضرتؒ کی تھی اور ضمناً اس

کا ذکر بھی آ چکا ہے وہ یہ تھی کہ باوجود اس قدر علم وفضل، تبحر علمی، وسعت معلومات اور وسعت مطالعہ کہ جہاں تک میرا خیال ہے ہندوستان اور حرمین شریفین کے کتب خانوں کی عربی مطبوعات ومخطوطات میں سے کوئی کتاب ایسی نہ ہوگی جو آپ کے کامل ومکمل مطالعہ سے نہ گزری ہو کیونکہ سلف وخلف کی کسی کتاب کو بغیر مطالعہ کے نہ چھوڑتے تھے۔ پھر بھی آپ کا یہ تثبت والتزام حیران کن ہے کہ کبھی کسی ادنیٰ جزئی مسئلہ پر بھی سلف کے مسلک سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ حتیٰ کہ اس دور میں اکابر دیوبند کا جو ایک چھنا چھنایا برگزیدہ معتدل حنفی مسلک ہے اور ہر طرح افراط وتفریط سے پاک اور علمائے سلف وخلف سے بطور تواتر وثوارث ہمارے حضرات تک پہنچا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں ایک بہتر اسوہ ونمونہ ہے اس کی بھی رعایت بدرجہ اتم فرماتے تھے۔

اگر کوئی گنجائش اوپر سے کسی مسئلہ میں مل گئی تو اس کو فرمادیا ورنہ نیا اجتہاد کر کے کوئی گنجائش دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرتؒ کا سب سے بڑا کمال تھا جو دوسرے کمالات پر کم از کم میرے نزدیک ایک بڑی فوقیت رکھتا ہے کیونکہ اس دور میں تو بہت زیادہ اور پہلے ادوار میں بھی ایسے علماء ہوئے ہیں جن کو علمی تبحر اور وسعت مطالعہ کی دولت ملی تو وہ مجتہد بن گئے اور پھر وہ خود اپنے علم پر بھروسہ کر کے قرآن مجید کی تفسیر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح واقوال سلف کی تاویل میں آزاد ہو گئے اور جس طرح خود ان کی سمجھ میں آیا اس کو اگلوں تک پہنچانے کے لئے اپنی ساری قوت تحریر وبیان صرف کر دی جس سے کتنے ہی مفاسد اور فتنوں کے دروازے کھل گئے اور جن لوگوں نے ان نئے مجتہدوں کی تحقیق پر بھروسہ کیا ان کا اعتماد پہلوں سے اٹھ گیا۔ شاید ایسے ہی موقعوں کے لئے کسی شاعر نے کہا ہے

فان کنت لاتدری فتلک مصیبة و ان کنت تدری فاالمصیبة اعظم

غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی سب سے بڑی خصوصیت وفضیلت میرے نزدیک یہ تھی کہ وہ سلف کے راستہ کو ترک کرنا گوارہ نہیں فرماتے تھے۔ خیال فرمائیے کہ مصر کے تقریباً تمام ہی علماء موجودہ فوٹو گرافی کے ذریعے حاصل شدہ تصاویر کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ علامہ طنطاوی ان سب دلائل و براہین کو اپنی تفسیر میں یکجا کر دیتے ہیں۔

جن سے جواز کی شکل نکل سکتی ہے۔ قرآن مجید سے' احادیث سے' آثار صحابہؓ سے اور پھر دلائل عقلیہ سے اور اس پورے مضمون کو پڑھ کر اور علامہ طنطاوی کی سحرانہ طرز تحریر اور زور بیان سے بھی متاثر ہو کر میں نے اپنے دل میں یہ یقین کر لیا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی چونکہ سب چیزوں پر نظر ہے اگر کوئی بال برابر بھی گنجائش شرعی نقطہ نظر سے نکل سکتی ہے تو حضرت ضرور اس کا اشارہ فرمائیں گے۔ مگر وہاں سے جواب کیا ملتا ہے صرف اتنا کہ ''اپنے حضرات کی رائے نہیں ہے''' اس جملہ کی قیمت کتنی بڑی ہے کم از کم میں اپنے کو اس کے بیان سے عاجز پاتا ہوں۔ آج اس واقعہ کو تقریباً ۲۸'۲۹ سال گزر چکے ہیں مگر جب کبھی یہ جملہ یاد آجاتا ہے تو سوچا کرتا ہوں کہ حضرت نے کیا بات فرمائی تھی؟ میرا اتنا لمبا چوڑا خط' علامہ طنطاوی کے پیش کردہ نقلی و عقلی دلائل کا انبار علماء مصر کا طرز عمل اور اس کے اثر سے یہاں ہندوستان کے بھی بہت سے علماء وعوام میں اس ا۔ ر کے ۔ بحانات کہ کسی طریقہ سے بھی کچھ جواز شرعی کا شائبہ ہی نہ نکل آئے۔ یہ سب کچھ ہے مگر حضرتؒ کا جواب کتنا مختصر کتنا جامع و مانع اور کس قدر مکمل وافی وشافی ہے' اس کی داد دینا بہت دشوار ہے بلکہ دشوار سے دشوار تر ہے کیونکہ اس سے آپ نے صرف میرے سوال کا جواب ہی نہیں دیا بلکہ ں کے ساتھ یہ ہدایت اور رہنمائی بھی ملی کہ آئندہ بھی جب کبھی اس قسم کا خلجان کسی جزئی مسئلہ میں ہو تم کو صرف یہ دیکھ لینا چاہئے کہ ''اپنے حضرات کی رائے'' کیا ہے؟

اس گزارش کے ساتھ آپ نے یہ بھی سمجھ لیا ہو گا کہ مجھے حضرت شاہ صاحبؒ کے ملفوظات قلمبند کرنے کا کیوں شوق تھا؟ اور میں ان کے چھوٹے چھوٹے جملوں کی کیوں اتنی قدر کرتا تھا۔ اور چونکہ ان کے بعد حضرت مولانا عثمانیؒ کے یہاں بھی ایسی ہی علمی تحقیق و تدقیق کا رنگ دیکھا تو ان کے ملفوظات بھی لکھنا شروع کر دیئے اور پھر یہ سلسلہ اور آگے بڑھا تو حضرت تھانویؒ کے مطبوعہ ملفوظات جو کئی جلدوں میں منتشر ہو کر چھپے ہیں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ان مطبوعہ ملفوظات کے مجموعہ میں سے بھی ایک انتخاب کیا جو اونچے درجہ کی معیاری تحقیق وتدقیق یا نوادر علمی خزینوں کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

حق تعالیٰ جل شانہ کی توفیق شامل حال ہوئی تو حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے

ملفوظات گرامی شائع ہونے کے بعد ان دونوں حضرات کے بھی ملفوظات سامیہ بالترتیب ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ان شاءاللہ

اس سے آگے آپ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ملاحظہ فرمائیں جن کی یہ سب کچھ تمہید تھی یا حضرتؒ کا ایک ناقص کی طرف سے ایک ادنیٰ و ناقص تعارف

وماتوفیقی الاباللّٰہ علیہ توکلت و الیہ انیب

مقدمہ بہاولپور

۱۲ستمبر۳۲ءکوحضرت شاہ صاحبؒ تقریباً دو ماہ دیوبند وغیرہ قیام کے بعد ڈابھیل تشریف لائے اس اثناء میں حضرتؒ بہاولپور کے مشہور تاریخی مقدمہ میں شہادت کے لئے ۱۹اگست ۱۹۳۲ءکو بہاولپور تشریف لے گئے تھے۔ حضرتؒ سے ملاقات کے لئے نیز آپ کا بیان سننے کے لئے نہ صرف ریاست بہاولپور اور ملحقہ علاقہ کے علماء وعوام وامیران ریاست بلکہ کراچی، بلوچستان اور پنجاب اور دیگر دور دراز علاقوں کے علماء وفضلاء ورؤسا پہنچ گئے تھے۔

۲۵اگست کوحضرت کا بیان شروع ہوا تو کمرۂ عدالت علماء ورؤسا اور امراء سے پر ہوگیا تھا۔اور عدالت کے باہر میدان میں بھی دور دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔

آپ کا بیان متواتر پانچ دن رہا۔جس میں روزانہ تقریباً ۵'۶ گھنٹے علم وعرفان کے دریا بہاتے رہے۔مرزائیت کے کفر وارتداد اور دجل وفریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرمادیئے۔ حضرتؒ کے تلمیذ خاص مخدوم ومحترم حضرت مولانا محمد[1] صاحب انوری لائلپوری[1] عم فیضہم اس سفر میں شب وروز ۱۹ یوم تک حضرت کے ساتھ رہے اور حضرتؒ نے ان کو مختار مقدمہ بنوادیا تھا۔ نیز حضرتؒ کے عدالتی بیان میں جس قدر حوالجات کتب کی ضرورت پیش آتی تھی وہ بھی مولانا موصوف ہی نکال کر پیش کرتے تھے۔جن کو حضرتؒ خود پڑھ کر جج کو سناتے تھے۔موصوف کا بیان ہے کہ ''حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان ساطع البرہان میں مسئلہ ختم نبوت مرزا کے ادعاء نبوت ووحی اور مدعی نبوت کے کفر وارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل وحقائق کی توضیح وتفصیل کے لئے جو ضمنی مباحث موجود ہیں۔شاید مرزائی

[1] سنت پورہ مدرسہ تعلیم الاسلام لائلپور

نبوت کے رد میں اتنا ٹھوس علمی ذخیرہ کسی ضخیم سے ضخیم کتاب میں بھی یکجا نہیں ملے گا''۔

افسوس ہے کہ ''بیانات علماء ربانی'' کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی تھی اس میں وہ تفصیلات درج نہیں ہوئیں۔ اگر مولانا موصوف حضرتؒ کا پورا بیان (جو ان کے پاس نہایت گرانقدر علمی دستاویز ہے اشاعت کے لئے عنایت فرما دیں تو مولانا کی باقیات وصالحات میں بطور نعمت غیر مترقبہ ایک جدید علمی اضافہ اور ہم سب خدام حضرتؒ کے لئے موجب منت ہوگا۔ (وماھو باول منة منھم علینا' شکر اللہ سعیھم و رضی اللہ عنھم و ارضاھم آمین)

۱۲'۱۳ ستمبر ۱۹۳۲ھ کو متعدد مجالس میں حضرتؒ نے اسی مقدمہ بہاولپور کے حالات اور اپنی شہادت و بیان کے کچھ حصے سنائے تھے اور راقم الحروف نے ان کو قلمبند کیا تھا۔ جو نذر ناظرین کرتا ہوں۔

خود ہی فرما دیا کہ پورا بیان اسی صفحات میں لکھا گیا تھا۔

فرمایا کہ میں نے عدالت میں پانچ وجوہ سے تکفیر مرزائیت کا ثبوت پیش کیا تھا۔

(۱) دعویٰ نبوت (۲) دعوائے شریعت (۳) توہین انبیاء علیہم السلام (۴) انکار متواترات وضروریات دین (۵) سب انبیائے علیہم السلام۔

فرمایا کہ میں نے عدالت کے سامنے ''سب'' کی تشریح کی اور ''اس سے پہلے یہ ثابت کیا کہ سورۂ بقرہ میں جو اصول ارشاد فرمائے گئے ہیں ان ہی میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کی اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے برگزیدہ بندوں کی بھی اطاعت کی جائے۔ جس کو قصہ حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان سے واضح کیا گیا ہے۔

سب کے معنیٰ برا بھلا کہنا ناسزا کہنا ہے۔ گالی دینا نہیں اس کے لئے ''قذف'' کا لفظ آتا ہے۔ اور ''سب'' کی بہت اقسام ہیں مگر جو وہاں کے متعلق اور حسب حال تھیں وہ تین اقسام بیان کیں:۔

سب لزومی

جو بلا قصد آ جائے جبکہ مقصد کوئی دوسری چیز بیان کرنا ہو

سب تعریضی

دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چھوڑنا جیسے مرزا نے موجودہ انجیل وغیرہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان کئے ہیں اور مقصد اپنا دل ٹھنڈا کرنا ہے۔

چنانچہ دو چار ورق کے بعد کہیں جا کر حوالہ دے دیتے ہیں ورنہ بڑی تفصیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف شان حالات لکھتے چلے جاتے ہیں تا کہ دوسروں کے قلوب سے ان کی عزت و وقعت کم کریں' حالانکہ خود تعزیرات ہند میں بھی ہے کہ اگر کوئی ہندوستانی کسی انگریز مورخ کے لکھے ہوئے کسی واقعہ کو بلا کم و کاست نقل کر دے اور اس سے نفرت پھیلتی ہو تو اس پر مقدمہ قائم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کو جرم سمجھا گیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ایک شعر پر قادیانیوں کے وکیل کا اعتراض

اور اس کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب

سب صریحی

یہ ظاہر ہے اور میں نے اس کو بھی ثابت کیا اور اس سلسلہ میں مرزا کا یہ شعر پڑھ کر سنایا۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے

اس پر وکیل مرزائیین نے اعتراض کیا کہ مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہندؒ) کے ایک شعر میں بھی ایسا ہی مضمون ہے اس کا کیا جواب ہے؟ وہ شعر یہ ہے

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا   اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

اس پر عدالت میں جو ہزاروں کا مجمع تھا اور ان میں ہندو بھی تھے' ذرا گھبرایا کہ شاید اس کا جواب مجھ سے نہ ہو سکے تو میں نے کھڑے ہو کر تقریر شروع کی اور کہا کہ شعر میں ایک تو شاعری ہوتی ہے دوسرے جھوٹ' (احسنہ کذبہ) کہ شعر میں جتنا زیادہ جھوٹ ہو اتنا ہی زیادہ اچھا سمجھا جاتا ہے) اور تیسرے مبالغہ شاعری میں تخیل اور خیال آفرینی ہوتی ہے یعنی حقیقت شیٔ کے آس پاس آنا اور خود اس کو ظاہر نہ کرنا جس کا مقصد اچنبھے میں ڈالنا ہوتا ہے۔

اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ کسی چیز کی حقیقت کو بتلانا یہ خاصہ خدا کا ہے کہ وہی اشیاء کی حقائق کو کما ہی بلا کم و کاست بیان کر سکتا ہے دوسرا نہیں۔

پس شاعر اپنے شاعرانہ جذبات میں یہ ظاہر ہی نہیں کرنا چاہتا کہ میں کوئی حقیقت بیان کر رہا ہوں نہ وہ اس کا مدعی ہوتا ہے۔ البتہ اپنے کسی اچھوتے تخیل یا خیال آفرینی کی صرف داد چاہتا ہے۔

چنانچہ حضرت الاستاد مولانا شیخ الہندؒ کی مراد یہ ہے کہ ہمارے مشائخ طریقت و شریعت نے مردہ دلوں کو زندہ کیا اور زندہ دلوں کو مرنے نہ دیا۔ اس مصرعہ میں صرف دل کا لفظ محذوف ہے جس سے شاعر نے اچنبھے میں ڈالا ہے اور خیال آفرینی کی داد چاہی ہے۔

پھر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں بڑے مشہور و نامور پیغمبر گزرے ہیں اس لئے ان کو اس میں سب سے بڑا فرض کیا ہے اور دوسرے مصرعہ سے منشاء یہ ہے کہ وہ دیکھیں تو اس کی داد دے سکتے ہیں جیسے بڑے چھوٹوں کی کارگزاری پر داد دیا کرتے ہیں۔

لہذا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے شعر میں خالص ایمان ہے اور مرزا کے شعر میں خالص کفر ہے کیونکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس منقبت احیائے موتیٰ میں سب سے زیادہ معظم و مکرم قرار دے کر اپنے اکابر کو بھی ان کے چھوٹوں کے مرتبے میں قرار دے کر اپنی طرف سے حضرت مسیح علیہ السلام کی بڑی سے بڑی عظمت کا اقرار فرمایا ہے اور اس کے برعکس مرزا صاحب نے اپنے شعر کے پہلے مصرعہ میں تو حضرت مسیح علیہ السلام کے ذکر مبارک سے اعراض کی تلقین کی جیسے کسی کمتر کے ذکر کو ناقابل التفات سمجھ کر ایسا کہا جاتا ہے اور دوسرے مصرعہ میں مزید اہانت یہ کہ صاف طور سے کہہ دیا کہ اس سے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام سے بہتر غلام احمد ہے۔ **نعوذ باللہ من ھٰذا الکفریات** اس سے زیادہ کفر کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

دوسرے شعر میں جھوٹ ہوا کرتا ہے اور اس کا قائل اس کے جھوٹ ہونے کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔

تیسرے مبالغہ ہوا کرتا ہے کہ شاعر چھوٹی چیز کو بڑا دکھلاتا ہے اور خود قائل بھی سمجھتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ اگر کسی مجمع میں اس سے دریافت کیا جائے تو وہ اس کے زائد از حقیقت ہونے کا اقرار کر لے گا۔

ختم نبوت کا عقیدہ

(۴) فرمایا ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے اور خاتم النبیین کے جو معنی قادیانی بیان کرتے ہیں۔ آیات قرآنی واحادیث صحیحہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی ختم نبوت کا عقیدہ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے احادیث متواتر المعنی سے اور قطعی اجماع امت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے اس کا منکر قطعاً کافر ہے کوئی تاویل و تخصیص اس میں قبول نہیں کی گئی۔ اس میں تاویل و تخصیص کرنے سے وہ شخص ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائے گا۔ ختم نبوت کے بارے میں ہمارے پاس تقریباً دوسو احادیث ہیں۔

قادیانی وکلاء کی طرف سے اس ضمن میں یہ کہا گیا ہے کہ حدیث میں ہے کہ قرآن شریف کی ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا ہے۔

اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ:۔

"یہ حدیث قوی نہیں ہے اور باوجود قوی نہ ہونے کے اس کی مراد ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ اس حدیث میں لفظ بطن سے تو جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تھا وہ سب منکشف نہیں ہے۔ مجملاً ہم سمجھتے ہیں کہ ظہر قرآن کی مراد وہ ہے جو قواعد لغت اور عربیت سے اور ادلہ شریعت سے علماء شریعت سمجھ لیں اور اس کے تحت میں قسمیں ہیں اور بطن سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کردے اور بہتوں سے وہ خفی رہ جائیں۔ لیکن ایسا کوئی بطن جو مخالف ظاہر کے ہو اور قواعد شریعت اس کو رد کرتے ہوں مقبول نہ ہوگا اور رد کیا جائے گا اور بعض اوقات باطنیت والحاد تک پہنچادے گا۔ حاصل یہ ہے کہ ہم مکلف فرماں بردار بندے اپنے مقدور کے موافق ظاہر کی خدمت کریں اور بطن کو خدا کے سپرد کردیں۔ رہا تاویل کا مسئلہ تو اخبار آحاد کی تاویل اگر کوئی شخص قواعد کے مطابق کرے تو اس کے قائل کو بدعتی نہیں کہیں گے البتہ اگر قواعد کی رو سے صحیح نہیں تو وہ خاطی ہے"۔

آیات قرآنی کا تواتر

فرمایا:۔ آیات قرآنی متواتر ہیں اور قرآن وحدیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم

تک پہنچی ہیں اس کی دو جانب ہیں۔ایک ثبوت کی دوسری دلالت کی۔ثبوت قرآن مجید کا متواتر ہے اگر اس تواتر کا کوئی انکار کرے تو پھر قرآن مجید کے ثبوت کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں اور ایسے ہی جوشخص تواتر کی صحت کا انکار کرے اس نے دین کو ڈھادیا۔

دوسری جانب دلالت ہے جس کے معنی ہیں ''مطلب کی طرف رہنمائی کرنا'' دلالت قرآن مجید کی کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی ظنی۔

اگر اس کی دلالت پر صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا اجماع ہو جائے یا کوئی اور دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو جائے کہ مدلول یہی ہے تو پھر وہ دلالت بھی قطعی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید سارا بسم اللہ سے لے کر والناس تک قطعی الثبوت ہے۔دلالت میں کہیں ظنیت ہے اور کہیں قطعیت لیکن قرائن کے ملنے سے دلالت بھی قطعی ہو جاتی ہے علاوہ ازیں تاویل اوامر ونواہی میں ہوسکتی ہے اخبار میں نہیں ہوسکتی۔لہذا خاتم النبیین قطعی الدلالت ہے اور اس کے بطن کے معنی ایسے نہیں لئے جاسکتے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین بمعنی آخری نبی سمجھنے کے منافی ہو اور چونکہ یہ اجماعی عقیدہ ہے اس لئے مذکورہ بالا معنی سے انکار کفر ہے۔اور قادیانی وکیل کی طرف سے جو یہ کہا گیا ہے کہ تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا جن مسائل کی بناء پر اس نے ایسا کہا ہے وہ اس قبیل سے نہیں ہے جس سے مسئلہ ختم نبوت ہے۔

مرزا نے آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے

فرمایا:۔مرزا صاحب نے آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے جیسا کہ آیت هوالذی ارسل رسوله الآية کے متعلق کہا کہ اس میں میرا ذکر ہے اور دوسری جگہ محمد رسول الله الآية میں کہا کہ میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی اسی طرح اور کئی تصریحات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کرتے تھے۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے۔اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین اور حضرت مریم کی شان میں بھی گستاخی کی ہے ان سب سے قرآن مجید کی صریح آیات کی تکذیب ہوتی ہے۔

وکیل قادیانی نے مرزا صاحب کی طرف سے صفائی میں بعض عبارتیں ایسی پیش کیں جن سے انبیاء علیہم السلام کی مدح نکلتی ہے تو اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ:-

''جب ایک جگہ کلمات توہین ثابت ہوگئے تو دوسری ہزار جگہ بھی کلمات مدحیہ لکھے ہوں اور ثنا خوانی کی ہو تو وہ کفر سے نجات نہیں دلا سکتے۔ جب تک کہ تمام دنیا اور دین کے قواعد مسلمہ اس پر شاہد ہیں کہ اگر ایک شخص تمام عمر کسی کی اتباع اور اطاعت گزاری کرے اور مدح وثنا کرتا رہے لیکن کبھی کبھی اس کی سخت ترین توہین کر دیا کرے تو کوئی انسان اس کو واقعی مطیع ومعتقد نہیں کہہ سکتا۔

مدحیہ اشعار کا غیر تحقیقی ہونا

فرمایا:- مدحیہ اشعار تحقیقی نہیں ہوتے۔ بلکہ بشر کے کلام اٹکل کے ہوتے ہیں۔ اور شاعرانہ محاورہ نئی نوع کلام کی تسلیم کی گئی ہے۔ فرق یہ ہے کہ جو خدا کا کلام ہوگا تو وہ عقیدہ ہو گا اور وہ کسی طرح اٹکل نہ ہوگی بلکہ حقیقت حال ہوگی نہ کم نہ بیش اور بشر انتہائی حقیقت کو نہیں پہنچتا تخمینی الفاظ کہتا ہے اور خود شاعر کی نیت بھی اس کو عالم سے منوانا نہیں ہوتی۔

پھر جھوٹے اور شاعر میں فرق یہ ہے کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے کہ میرے کلام کو لوگ سچ مان لیں اور شاعر کی یہ کوشش بالکل نہیں ہوتی بلکہ وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ لوگ میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھیں گے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے خود اپنی کتاب دافع البلاء کے ص ۲۰ پر لکھا ہے کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام میں باہمی فضیلت

انبیاء علیہم السلام میں باہمی فضیلت کا باب فرق مراتب کا ہے اور جو پیغمبر افضل ہے تو کسی قرینہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کسی دوسرے سے افضل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرق مراتب اس احتیاط سے امت کو پہنچا ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں لیکن ایسی فضیلت دینا کسی پیغمبر کو اگرچہ واقعی ہو جس سے دوسرے کی توہین لازم آتی ہو کفر صریح ہے۔ فرمایا:

تعریفات

ایمان: غیب کی خبروں کو انبیاء علیہ السلام کے اعتقاد پر باور کرنا اسی سے مومن جو سرور عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا کی طرف سے لائی ہوئی ان باتوں کی تصدیق کرے جن کا ثبوت بدیہات اسلام سے ہے اور ہر مسلمان خاص کو عام اسے جانتے ہیں۔

کفر: حق ناشناسی، منکر ہو جانا، مکر جانا اسی سے جو دین محمدی کا اقرار نہ کرے اسے کافر کہتے ہیں اور متواترات دین سے انکار کرنا کفر صریح ہے۔

نفاق: اندر سے اعتقاد نہ ہونا، زبان سے کہنا جو شخص ایسا کرے اسے منافق کہتے ہیں۔

زندقہ: دین کی حقیقت بدلنا، یا شریعت کے کسی لفظ کو بحال رکھ کر اس کی حقیقت کو بدلنا جو ایسا کرے اسے زندیق کہتے ہیں اور وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے۔

ارتداد: دین اسلام سے ایک مسلمان کا کلمۂ کفر کہہ کر یا ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر کے خارج ہو جانا۔

ضروریات دین: وہ چیزیں ہیں کہ جن کو عوام و خواص پہچانیں کہ یہ دین سے ہیں، جیسے اعتقاد توحید کا، رسالت کا، اور پانچ نمازوں کا اور مثل ان کے اور چیزیں۔

فرمایا:۔ ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے۔ یا تواتر سے یا اخبار احاد سے، تواتر یہ ہے کہ کوئی چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ثابت ہوئی اور ہم تک علی الاتصال پہنچی ہو کہ اس میں خطا کا احتمال نہ ہو۔

یہ تواتر چار قسم کا ہے۔ تواتر اسنادی، تواتر طبقہ، تواتر قدر مشترک اور تواتر توارث۔

تواتر اسنادی: یہ ہے کہ صحابہ سے بہ سند صحیح متصل مذکور ہو۔

تواتر طبقہ: جب یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کس سے لیا اور صرف یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی نسل سے سیکھا جیسا کہ قرآن مجید کا تواتر ہے۔

تواتر قدر مشترک: یہ ہے کہ کئی حدیثیں بطور خبر واحد آئی ہوں اور ان میں قدر مشترک متفق

علیہ حصہ وہ حاصل ہو جو تواتر کو پہنچ جائے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جو کچھ متواتر ہیں اور کچھ اخبار احاد ہیں ان اخبار احاد میں اگر کوئی مضمون مشترک ملتا ہے تو وہ قطعی ہو جاتا ہے۔

اس سے بعض ایسی احادیث جو باعتبار لفظ وسند متواتر نہیں ہیں وہ باعتبار معنیٰ کے متواتر ہو جاتی ہیں۔ اگر ان معانی کو بہت سی سندوں سے اتنے راویوں نے بیان کیا ہو جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

تواتر توارث: یہ ہے کہ نسل نے نسل سے لیا ہو مثلاً بیٹے نے باپ سے لیا ہو اور باپ نے اپنے باپ سے ان جملہ اقسام کے تواتر کا انکار کفر ہے۔ اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جائے تو اسلام کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ ان متواترات میں تاویل کرنا یا مطلب بگاڑنا کفر صریح ہے۔

کفر کبھی قولی ہوتا ہے کبھی فعلی، مثلاً کوئی شخص ساری عمر نماز پڑھتا رہے اور تیس سال کے بعد ایک بت کے آگے سجدہ کردے تو یہ کفر فعلی ہے۔

کفر قولی یہ ہے کہ کوئی شخص کہہ دے کہ خدا کے ساتھ صفتوں میں یا فعل میں کوئی شریک ہے۔ اسی طرح یہ بھی کفر قولی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئے گا کیونکہ تواتر توارث کے ذیل میں ساری امت اس علم میں شریک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ فرمایا:۔

یسوع: یہ دراصل عبرانی لفظ ہے اور عبرانی میں ایشوع بمعنی نجات دہندہ تھا۔ ایشوع سے یسوع بنا اور عربی زبان میں آکر لفظ عیسیٰ بنا۔ اور یہ تعریب قرآن مجید سے شروع نہیں ہوئی بلکہ نزول قرآن مجید سے پہلے عرب کے نصاریٰ بھی عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ ہی بولتے تھے۔

مرزا صاحب کے عقائد کے متعلق فرمایا:۔ مرزا صاحب کی پیدائش چونکہ مسلمان گھرانہ میں ہوئی تھی اور نسلی کافر نہیں تھے اس لئے ابتداً انکی نشو ونما تمام اسلامی عقائد پر ہوئی اور وہ ان کے پابند رہے۔ پھر تدریجاً ان سے الگ ہونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت سے ضروریات دین کے قطعاً مخالف ہو گئے۔

مرزا صاحب کے عقائد

دوسرے یہ کہ انہوں نے باطل اور جھوٹے دعووں کو رواج دینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی عقائد کے الفاظ وہی قائم رکھے جو قرآن مجید واحادیث میں مذکور ہیں اور عام و خاص مسلمانوں کی زبان پر جاری ہیں۔ لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا کہ جس سے ان عقائد کا بالکلیہ انکار ہو گیا (مثلاً جس طریقے سے نفخ صور یا قیامت کی خبر قرآن مجید وحدیث میں آئی ہے اس سے بالکل انکار کیا ہے۔ صرف ظاہری الفاظ رکھے مگر معنیٰ الٹ دیئے)

اس لئے ان کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ شریک ہیں ان کے اقوال وافعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے جب تک اس کی تصریح نہ ہو کہ جو عقائد کفریہ انہوں نے اختیار کئے تھے۔ ان سے توبہ کر چکے ہیں۔

اور جب تک توبہ کی تصریح نہ ہو چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھ کر کفر سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ زندیق اسی کو کہا جاتا ہے جو عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن وحدیث کے اتباع کا دعویٰ کرے لیکن ان کی ایسی تاویل وتحریف کر دے جس سے ان کے حقائق بدل جائیں۔ لہذا جب تک اس کی تصریح نہ دکھلائی جائے کہ مرزا صاحب ختم نبوت اور انقطاع وحی کے اس معنی کے لحاظ سے قائل ہیں جس معنی سے کہ صحابہ وتابعین اور تمام امت محمدیہ قائل ہے۔ اس وقت تک ان کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہو سکتا جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا ہو۔

اسی طرح نزول مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا کسی جگہ اقرار کر لینا یا لکھ دینا بغیر تصریح مذکور کے ہرگز مفید نہیں ہے۔ خواہ وہ عبادت تصنیف میں مقدم ہو یا مؤخر

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مرزا صاحب اپنی آخر عمر تک دعوائے نبوت پر قائم رہے اور اپنے کفریہ عقائد سے کوئی توبہ نہیں کی علاوہ ازیں اگر یہ ثابت بھی نہ ہو تو کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ کہنے اور لکھنے کے بعد اس وقت ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتے جب تک ان کی طرف سے ان عقائد سے توبہ کرنے کا اعلان نہ پایا جائے اور یہ اعلان ان کی کسی کتاب یا تحریر سے ثابت نہیں کیا گیا۔

مرزا کے ایک قول کا رد

مرزا صاحب کے ایک قول سے جو تریاق القلوب حاشیہ ص ۳۷۷ سے نقل کیا گیا ہے اور جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

''غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دوریہ ہیں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو، طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا''۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے حسب ذیل نتائج اخذ فرمائے:۔

اس قول سے لازم آیا کہ سرور عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز نہیں تھے، اور آپ کا تشریف لانا بعینہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے۔ گویا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہیں۔ اور اصل ابراہیم علیہ السلام رہے اور آئینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ اور چونکہ ظل اور صاحب ظل میں مرزا صاحب کے نزدیک عینیت ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنے کو ''عین محمد'' کہتے ہیں۔ تو جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بروز ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو مرزا صاحب عین ابراہیم علیہ السلام بھی ہوئے اس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں اور نہ ان کی نبوت کوئی مستقل شئے ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے اور خاتم النبیین آپ ہوئے کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے صاحب ظل کا اور اصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز ہوئے تو خاتم النبیین مرزا صاحب ہوئے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کمالات نبوت اگر مجتمع ہوں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ہوں گے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور یہ باطل و بے معنی ہے۔

مرزا کی کتابوں میں تکرار و تضاد

فرمایا:۔ مرزا صاحب کی کتاب دیکھنے سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان کی

ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دور ہے۔ ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی مضمون کو بیسیوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے اور پھر سب اقوال میں اس قدر تہافت و تعارض پایا جاتا ہے اور خود مرزا صاحب کی ایسی پریشان خیالی ہے اور بالقصد ایسی روش اختیار کی ہے کہ جس سے نتیجہ گڑبڑ رہے اور ان کو بوقت ضرور مخلص و مفر باقی رہے۔

چنانچہ کہیں تو وہ ختم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجماعی معنی کے ساتھ قطعی اور اجماعی عقیدہ کہتے ہیں اور کہیں ایسے عقیدے بتلانے والے مذہب کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں۔ کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ کے عقیدہ کے موافق متواترات دین میں داخل کرتے ہیں اور اس پر اجماع ہونا نقل کرتے ہیں اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکانہ عقیدہ بتلاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق مرزا صاحب کے جو اقوال ان کی کتب دافع البلاء اور ضمیمہ انجام آتھم وغیرہ سے پیش کر کے یہ دکھلایا گیا تھا کہ ان میں بہت ہی سب وشتم درج ہے۔ ان کے بارے میں وکیل قادیانی نے جواب دیا کہ ان میں عیسائی مخاطب ہیں اور ان اقوال میں ان لوگوں کے اعتقادات کے مطابق جو ان کی کتابوں میں درج ہیں انہیں الزامی جوابات دیئے گئے ہیں۔

فرمایا کہ میں نے ان دشنام آمیز الفاظ کو اپنی شہادت میں بسلسلہ توہین عیسیٰ علیہ السلام بیان نہیں کیا اور کہا کہ میں موجب ارتداد مرزا صاحب کے سلسلہ میں اس قسم کی کوئی خطا پیش نہیں کرتا جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے بلکہ میں اس چیز کو لیتا ہوں جسے انہوں نے قرآن کی تفسیر بتایا ہے اور اسے حق کہا ہے۔

غرض میں نے مرزا صاحب کی نیت پر گرفت نہیں کی۔ زبان پر کی ہے اور نہ ہی وجہ ارتداد میں تعریض کو لیا ہے بلکہ جس ہجو کو اس نے قرآن مجید سے مستند کیا اور اسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا اور جس ہجو کو اپنی جانب سے حق کہا اور اس کو وجہ ارتداد قرار دیا ہے اور اس ضمن میں مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال داخل کئے:۔

مگر ''میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے

تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔''

(۲) ''عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں' مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا''۔

اس سے صریح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین نکلتی ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک اور حق بات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرزا صاحب کے اپنے فیصلہ کے الفاظ ہیں۔

قادیانی وکیل کے اعتراضات اور ان کے جوابات

از حضرت شاہ صاحب

وکیل قادیانی نے صوفیاء کرام کے بعض ایسے قابل اعتراض اقوال پیش کئے جو مرزا صاحب کے اقوال سے مشابہ ہیں اور باوجود ان اقوال کے ان کو مسلمان کہا جاتا ہے تو حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب میں فرمایا:۔

ہم نے اولیاء اللہ کو ان کی طہارت' تقدس وتقویٰ کی بے شمار خبریں سن کر اور ان کے شواہد افعال واعمال اور اخلاق سے تائید پاکر ان کو ولی مقبول تسلیم کرلیا ہے۔ تو ان کے بعد اگر کوئی کلمہ مغائر یا موہم ہمارے سامنے آتا ہے تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی توجیہ کریں اور حل نکالیں۔

لیکن کسی شخص کی راست بازی ثابت ہونے سے پیشتر ہی اس کے شطحیات (مغالطہ میں ڈالنے والے کلمات) پیش کر کے اس کو مسلم الثبوت مقبولوں پر قیاس کرنا عاقل کا کام نہیں۔ نہ ان کی تاویل کی ضرورت۔

حاصل یہ کہ کسی کی راستبازی اگر جداگانہ کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہو چکی ہو تو ہم محتاج تاویل وتوجیہ ہوں گے۔ اور اگر زیر بحث صرف یہی کلمات موہم اور مغالطہ آمیز ہیں اور اس سے پیشتر کچھ سامان خیر کا ہے ہی نہیں تو ہم یہ کھوٹی پونجی اس کے منہ پر ماردیں گے۔

قادیانی وکیل نے کہا کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے اور جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہے اس کو بھی کافر کہنا درست نہیں اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔

''یہ بات کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں بے علمی اور ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ حسب تصریح و اتفاق علماء اہل قبلہ کے یہ معنی نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہی ہے۔ چاہے سارے عقائد اسلام کا انکار ہی کرے''۔

قرآن مجید میں منافقین کو عام کفار سے زیادہ کافر ٹھہرایا گیا ہے حالانکہ وہ فقط قبلہ کی طرف منہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ تمام ظاہری احکام اسلام بھی ادا کرتے تھے۔

اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اتفاق کیا ضروریات دین پر۔ اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کی مراد یہ ہے کہ کافر نہ ہوگا جب تک کہ نشانی کفر کی اور علامتیں کفر کی اور کوئی چیز موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ قادیانی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ عام ارکان اسلام کے پابند ہیں اور تبلیغ اسلام میں کوشش کرتے ہیں۔ پھر ان کو کافر کیسے کہا جائے گا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:۔

''صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے نکل جائے گی اور ان کو قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ لوگ نماز روزہ کے پابند ہوں گے۔ بلکہ ظاہری خشوع وخضوع کی کیفیات بھی ایسی ہوں گی کہ ان کی نماز، روزے کے مقابلہ میں مسلمان اپنے نماز روزے کو بھی ہیچ سمجھیں گے لیکن اس کے باوجود جب کہ بعض ضروریات دین کا انکار ان سے ثابت ہوا تو ان کی نماز روزہ وغیرہ ان کو حکم کفر سے نہ بچا سکی۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ فقہاء نے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جس کے کلام میں ۹۹ وجہ کفر کی موجود ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی۔ اس کے جواب میں فرمایا

اس اعتراض کا منشاء بھی یہی ہے کہ فقہا کا منشا نہیں سمجھا گیا۔ اور نہ ان کے وہ اقوال دیکھے جن میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس وقت ہے جبکہ قائل کا صرف ایک کلام مفتی کے سامنے آئے اور قائل کا کوئی دوسرا حال معلوم نہ ہو۔ اور نہ اس کے کلام میں کوئی تصریح ہو۔ جس سے معنی کفر متعین ہو جائے تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ

معاملہ تکفیر میں احتیاط برتے اور اگر کوئی خفیف سے خفیف احتمال ایسا نکل سکے جس کی بناء پر یہ کلام کفر ۔۔ بچ سکے تو اسی احتمال کو اختیار کرے اور اس شخص کو کافر نہ کہے لیکن اگر ایک شخص کا یہی کلمۂ کفر اس کی سینکڑوں تحریرات میں بعنوانات والفاظ مختلفہ موجود ہو جس کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ یہی معنی معنی کفری مراد لیتا ہے یا خود اپنے کلام میں معنی کفری کی تصریح کر دے تو باجماع فقہا ایسے شخص پر قطعی طور پر کفر کا حکم لگایا جائے گا اور اس کو مسلمان ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

ایک شبہ یہ پیش کیا گیا کہ اگر کوئی کلمۂ کفر کسی تاویل کے ساتھ کہا جائے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگے گا۔اس کے جواب میں فرمایا:۔

اس میں تصریحات فقہاء سے ناواقفیت کارفرما ہے کیونکہ حضرات فقہاء و متکلمین کی تصریحات موجود ہیں کہ تاویل اس کلام اور اس چیز میں مانع تکفیر ہوتی ہے جو ضروریات دین میں سے نہ ہو لیکن ضروریات دین میں اگر کوئی تاویل کرے اور اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نئے معنی تراشے تو بلاشبہ اس کو کافر کہا جائے گا اس کو قرآن مجید نے الحاد اور حدیث نے زندقہ قرار دیا ہے۔

زندیق وہ ہے جو مذہبی لٹریچر بدلے۔یعنی الفاظ کی حقیقت بدل دے۔مرزا صاحب نے بہت سے اسلامی عقائد کے حقائق بدل دیئے ہیں گو ان کے الفاظ وہی رہنے دیئے ہیں۔اس لئے ان کو حسب تصریحات مذکورہ بالا کافر ہی قرار دینا پڑے گا اور ان عقائد کے تحت ان کا اتباع کرنے والا بھی اسی طرح کافر سمجھا جائے گا۔

(۲۲) وکیل قادیانی کی طرف سے شیخ محی الدین ابن عربی اور دیگر بزرگوں کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا گیا کہ ان کے نزدیک بھی نبوت مرتفع ہونے سے یہ مراد ہے کہ شریعت والی نبوت مرتفع ہوگئی نہ کہ مقام نبوت اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول **لانبی بعدی** کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو آپ کی شریعت کے خلاف ہو بلکہ جب بھی ہوگا آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔اس کے جواب میں ہماری طرف سے ان حضرات کے اقوال کی ترجیہیں بیان کی گئیں اور میں نے کہا کہ دین کے معاملے میں ان کے اقوال دوسروں پر کوئی حجت نہیں ہو سکتے۔کیونکہ دینی معاملات میں سوا

نبی کی وحی کے اور کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

وکیل قادیانی کی طرف سے کہا گیا کہ ’’حضرت شیخ اکبر اور حضرت مجدد صاحب اور مولانا روم کی کتابوں میں ہے کہ تمام اقسام وحی کی جو قرآن میں مذکور ہیں خدا کے نیک بندوں (اولیاء اللہ) میں پائی جاتی ہیں اور وہ وحی جو نبی میں ہے وہ خاص ہے اور وہ شریعت والی وحی ہے جو انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے اور وہ اس امت کے بعض کامل افراد کو بھی ہوئی ہے اور جیسا کہ مولانا رومی نے کہا ہے ہوتی تو وہ وحی حق ہی ہے لیکن صوفیاء عام لوگوں سے پردہ کرنے کی خاطر اسے وحی دل بھی کہہ دیتے ہیں اور جن طریقوں سے انبیاء علیہم السلام کو وحی یا الہام ہوتا ہے ان ہی طرق سے اولیاء اللہ کو ہوتا ہے اگرچہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں فرق مراتب کے لئے فرق کیا ہے کہ انبیاء کی وحی کو وحی اور اولیاء کی وحی کو الہام کہتے ہیں اور ولی پر بھی وحی بواسطۂ ملک ہوتی ہے‘‘۔

حضرت شاہ صاحب نے اس پر بحث کے دوران فرمایا کہ:۔

’’صوفیاء کے یہاں ایک باب ہے جس کو شطحیات کہتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ ان پر حالات گزرتے ہیں اور ان حالات میں کچھ کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں جو ظاہری قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے اور بسا اوقات غلط راستہ لینے کا سبب بن جاتے ہیں۔ صوفیاء کی تصریح ہے کہ ان پر کوئی عمل پیرا نہ ہو اور تصریح کرتے ہیں کہ جن پر یہ احوال نہ گزرے ہوں یا جو ان کی اصطلاحات سے واقف نہ ہوں وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ نہ کریں۔

مجملاً ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے الجھ جائے گا لیکن دین میں کسی زیادتی، کمی کے صوفیاء میں سے کوئی قائل نہیں اور اس کے مدعی کو کافر بالاتفاق کہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ صوفیاء نے نبوۃ بمعنی لغوی لے کر مقسم بنایا ہے اور اس کی تفسیر خدا سے اطلاع پانا، دوسرے کو اطلاع دینا کی ہے اور اس کے نیچے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام دونوں کو داخل کیا اور نبوت کی دو قسمیں کر دیں۔ نبوت شرعی اور نبوت غیر شرعی۔

نبوت شرعی کے نیچے وحی اور رسل دونوں درج کر دیئے تو اب ان کے لئے نبوت غیر

شرعی اولیاء کے کشف والہام کے لئے نکھر گئی اور مخصوص ہوگئی۔

پھر صوفیاء کی تصریح ہے کہ کشف کے ذریعہ مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوسکتا صرف اسرار و معارف اور مکاشف اس کا دائرہ ہیں۔ اور تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارا کشف دوسرے پر حجت نہیں۔ ہمارا کشف ہمارے لئے ہے۔

کشف اسے کہتے ہیں کہ کوئی پیرایہ آنکھوں سے دکھلایا جس کی مراد کشف والا خود نکالے ۔الہام اسے کہتے ہیں کہ دل میں کوئی مضمون ڈال دیا اور سمجھا دیا جائے۔ وحی یہ ہے کہ خدا اپنے ضابطہ کا پیغام کسی نبی یا رسول پر بھیجے۔ پھر وحی قطعی ہے اور کشف والہام ظنی ہیں۔

بنی آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیروں کے لئے کشف یا الہام ہے یا معنوی وحی ہوسکتی ہے۔ شرعی نہیں۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون سے قادیانی وکیل کا استدلال اور حضرت شاہ صاحب کی طرف سے جواب

قادیانی مختار نے کہا کہ ''تحذیر الناس'' میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے بھی خاتم النبیین کے بعد نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔ اس پر فرمایا:۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے الہامی مضمون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر بہت قوی دلائل و براہین قائم کئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر ماثور کی گرانقدر علمی توجیہات بیان فرمائی ہیں۔

اس رسالہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جابجا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اجماعی عقیدہ ہونا اور مضمون ختم نبوت کا بدرجہ تواتر منقول ہونا اور اس کے منکر کا کافر ہونا بھی ثابت فرمایا ہے۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے جج صاحب کو تحذیر الناس کے ص۱۰ کی عبارت پڑھ کر سنائی۔

اور فرمایا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مناظرۂ عجیبہ جو اسی موضوع پر ہے نیز آب حیات قاسم العلوم وغیرہ دیکھی جائیں۔

حضرت مولانا مرحوم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک دو نہیں بلکہ تین قسم کی خاتمیت ثابت فرمائی ہے۔

بالذات

یعنی مرتبہ حضور کا خاتمیت ذاتی کا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہیں اور دوسرے سب انبیاء کرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپ کے واسطے سے جیسا کہ عالم اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے اور اس کے ذریعہ سے تمام کواکب قمر وغیرہ اور دیگر اشیاء ارضیہ متصف بالنور ہوتی ہیں۔

یہی حال وصف نبوت کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی وجہ سے سب سے پہلے نبوت ملی ہے۔ اور آیت میثاق واذاخذاللہ میثاق النبیین الایۃ سے واضح ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اس کے رسول ہیں نبی الانبیاء بھی ہیں۔ تمام انبیاء کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف اور سب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و پیان لیا گیا۔ اور آیت میں ثم جاءکم فرما کر یہ بھی تصریح کردی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ ظہور سب سے آخر میں ہوگا۔

لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا صف بندی کر کے امام کا منتظر رہنا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا امامت کرنا بھی اس امر کی صراحت کرتا ہے۔ نیز آیت واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا آلایۃ میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اتقان میں ہے ابن حبیب عبداللہ بن عباسؓ سے راوی ہیں کہ یہ آیت لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی پھر انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی اولوالعزم کا خاتم النبیین علی الاطلاق کے دین کی نصرت کے لئے تشریف لانا اور شریعت محمدیہ پر عمل فرمانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے اور اس سے فضیلت محمدیہ کو واشگاف کردینا مقصود ہے۔ واضح ہو کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام اسلام کا عقیدہ اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔

خاتمیت زمانی

یعنی آپ کا زمانۂ نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے۔

آپ کے بعد کسی کو نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے۔ آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ ہوگی۔ ساتویں جلد روح المعانی میں حضرت ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً مروی ہے "بدی بی الخلق و کنت آخرھم فی البعث" (مجھ سے پیدائش مخلوق کی ابتدا کی گئی لیکن میری بعثت سب سے آخر میں ہوگی) اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے "کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث (میری پیدائش تمام انبیاء سے پہلے ہوئی اور بعثت سب کے بعد ہوگی) حضرت مولانا نانوتویؒ نے تیسری خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے:۔

"یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم جلوہ افروز ہوئے وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں"۔ اس کو بدلائل ثابت فرمایا ہے۔

قادیانی مختار نے کہا کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔

حضرت امام مالکؒ کی طرف غلط نسبت

حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی وقت ابی کی شرح مسلم منگوا کر جلد اول ص ۲۲۶ مطبوعہ مصر سے عبارت ذیل "وفی العتبیة قال مالک بینا الناس قیام" پڑھ کر سنائی۔ عتبیہ میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا درآنحالیکہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے۔ اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لے گا اور یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ غرض یہ کہ امام مالکؒ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ساری امت محمدیہ کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔

بریلوی علماء کا فتویٰ تکفیر

مختار قادیانی نے اعتراض کیا کہ علماء بریلوی علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں اور علمائے دیوبند علمائے بریلوی پر۔ اس پر شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔

میں بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گزارش کرتا ہوں کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف

ہے اور علماء دیوبند و علماء بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے قانون کا نہیں۔ چنانچہ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے تصریح ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی شبہ کی بنا پر کلمہ کفر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ دیکھو ردالمختار، بحرالرائق وغیرہ۔

حدیث بنی الاسلام سے غلط استدلال

فرمایا:۔ وکیل قادیانی نے اعتراض کیا کہ بخاری میں تو بنی الاسلام علی خمس ہے۔ مطلب یہ تھا کہ تم اصول تکفیر اور دفعات پیش کررہے ہو وہ کہاں ہیں؟

میں نے کہا کہ مسلم شریف کی حدیث میں وبما جئت بہ بھی موجود ہے کہ ان سب امور کی تصدیق بھی ضروری ہے جو میں لے کر آیا ہوں۔

تارک صلوٰۃ کا حکم

اس نے یہ سوال بھی کیا کہ نماز چھوڑنے والے کے لئے فقہاء کے یہاں کیا حکم ہے؟ میں نے کہا کہ تین فقہا اس کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ اور ایک امام کافر۔ گویا اس کا اشارہ اس طرف تھا کہ حدیث میں تو فقد کفر آیا ہے۔

میں نے کہا کہ ابوداؤد[۱] میں حدیث ہے کہ خدا چاہے تو بخش دے، جس سے معلوم ہوا کہ کفر نہیں ہے۔

اجماع نزول مسیح پر ہے یا حیات پر؟

اس نے سوال کیا کہ اجماع نزول عیسیٰ پر ہے یا حیات پر؟ میں نے کہا کہ حیات و نزول کا ایک ہی مسئلہ ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ کی التلخیص الحبیر میں ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ پھر میں نے یہ بھی کہا کہ دو حدیثیں ہمارے پاس موجود ہیں جن سے حیات ثابت ہوتی ہے۔ (جبکہ نزول کی احادیث تو متواتر ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کا اس بارے میں رسالہ ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' مع تعلیقات عالیہ مہمہ شیخ عبدالفتاح ابی غدہ عم فیوضہم بھی طبع ہو گیا ہے)

---

[۱] اس بارے میں دوسرے جوابات کے ساتھ حضرتؒ کا یہ محققانہ محدثانہ جواب بہت زیادہ اہم ہے۔ ''مؤلف''۔

ذکر اللہ

دل کے مردہ اور زندہ ہونے کے ذکر کی مناسبت سے حضرت قدس سرہ کا وہ ملفوظ درج کرتا ہوں جو ذکر اللہ سے متعلق ہے فرمایا:۔

حدیث صحیح میں ہے کہ افضل اعمال "ذکر اللہ" ہے اگرچہ حدیث ہی میں ہے کہ افضل اعمال بعد ایمان کے نماز ہے پھر بر والدین۔ پھر جہاد مگر یہ سب بھی اسی لئے ہیں کہ ذکر اللہ پر شامل ہیں۔ نماز میں تو ذکر اللہ ہے ہی اور روزہ بھی اگر خدا کو یاد نہ دلائے تو فاقہ ہے۔ ذکر اللہ دائمی ہے حتیٰ کہ جنت میں بھی رہے گا جو سانس کے ساتھ جاری ہوگا۔ جیسے ملائکہ کے لئے ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ جو صوفیاء کے یہاں پاس انفاس ہے وہ اسی کے مشابہ ہوگا۔ پس وہاں سب جنتی بھی فرشتوں کی خصلت پر ہو جائیں گے اور حدیث میں ہے کہ جنت میں حضرت حق جل ذکرہ روزانہ دوبار صبح کو اور عصر کے وقت قرآن مجید کی تلاوت فرمائیں گے اور مقربین سنیں گے اور جنت میں تلاوت[1] قرآن مجید رہے گی۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ قبر میں حشر تک نماز روزہ اور سجدہ کا ساتھ ہے اور مقبور حج بھی کرتے ہیں نماز بھی پڑھتے ہیں اور کامیابی یا ناکامی تو آنکھیں بند کرتے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔

فرمایا:۔ ایک حدیث صحیح میں ہے کہ جس قدر دیر تک کوئی ذکر اللہ کرتا ہے' خدا اس کا رفیق و سنگی (ہم نشین) ہو جاتا ہے اور میرا گمان ہے کہ یہ خصوصیت نماز میں بھی نہیں ہے کیونکہ وہاں یہ ہے کہ خدا کا چہرہ اس کے سامنے ہوتا ہے یعنی آمنا سامنا ہوتا ہے اسی لئے نماز کے

---

[1] صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کی نعمت انسان کو دی گئی ہے جن و شیاطین اس کی تلاوت پر قادر نہیں ہیں بلکہ فرشتوں کو بھی یہ نعمت نصیب نہیں ہوئی اور وہ اس آرزو میں رہتے ہیں کہ کوئی انسان تلاوت کرے اور وہ سنیں' ہاں مومنین جن کو البتہ یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ تلاوت قرآن مجید پر قادر ہو جاتے ہیں علم الفقہ مولانا عبدالشکور ص ۱۷۱/۲ بحوالہ تفسیر اتقان وغیرہ) اور شاید فرشتوں میں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مستثنیٰ ہیں کہ ان کی نسبت حدیث میں وارد ہے۔ کہ ہر رمضان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ (فتح الباری وغیرہ)

تلاوت قرآن مجید کی طرح رویت باری جل ذکرہ کی نعمت بھی صرف مومن انسانوں کے لئے خاص ہے کہ وہ جنت میں بقدر مراتب ان سب کو حاصل ہوگی۔ بعض کو صبح و شام' بعض کو ہر جمعہ کے دن اور عورتوں کو عیدین کے دنوں میں لیکن فرشتوں کو یہ دولت میسر نہ ہوگی۔ اسی طرح اور بھی بعض نعمتیں صرف مومن بندوں کو عطا ہوئی ہیں جن کی تفصیل تفسیر مظہری ۵۴/۵۵ جلد اول میں مطالعہ کی جا سکتی ہے۔ (مؤلف) (نیز ملاحظہ ہو انوار الباری ص ۸۸' ۸۹ جلد نہم' اور شب معراج میں دیدار خداوندی کی تحقیق بھی ص ۹۷/۵ میں مطالعہ کی جائے

سامنے سے گزرنے والے کوشیطان کہا گیا ہے۔

فرمایا:۔ حدیث میں ہے کہ **احب الکلام الی اللہ ذکر اللہ' ما صطفاہ اللہ الملائکۃ** یعنی خدائے تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کلام اس کا ذکر ہے جس کو اپنے فرشتوں کے لئے پسند واختیار فرمایا ہے۔

اذکار قرآن مجید کے بعد افضل ہیں

فرمایا:۔ اذکار قرآن مجید کے بعد افضل ہیں اور ذکر وورد بھی جز ہیں۔ قرآن مجید کے لیکن قرآن مجید کے برابر نہیں ہیں۔ کیونکہ کم از کم قرآن مجید ایک آیت ہے۔ امام صاحبؒ کا قول ہے کہ نماز میں کم از کم ایک آیت ضرور پڑھی جائے اور یہی صحیح ہے۔

ذکر اللہ جنت میں بھی ہوگا

فرمایا:۔ ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ جنت میں خدا کے دیدار کے بعد بھی منقطع نہ ہوگا۔ لہٰذا وہ الی الابد ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ غافل کو حیات نہیں ہے اور ذکر کو موت نہیں ہے۔ سورۂ اعلیٰ میں جو یہ ہے کہ "**لایموت فیھا ولا یحی**" اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر نہ مردہ ہوگا نہ زندہ کہ اعمال حیات نہ ہوں گے موت کے بعد مقربین اعمال بھی کر رہے ہیں اور عوام بیکار رہیں گے۔

مومن عورتوں کو دیدار خداوندی

فرمایا:۔ مومن عورتوں کو عیدین کے دنوں میں دیدار خداوندی کی نعمت حاصل ہوا کرے گی (جامع صغیر سیوطی) لیکن اس سے اور اوقات کی نفی نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ کسی شخص کے پاس اشرفیاں ہوں اور وہ قدم قدم پر خرچ کرتا ہو اور دوسرا شخص ذکر اللہ کرتا ہو تو وہ یہ افضل ہے۔

حدیث میں ہے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے سے کے انوار زمین سے آسمان تک بھر جاتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ تنہا اللہ اکبر ہی زمین سے آسمان تک بھر دیتا ہے۔ اور **لاالٰہ الا اللہ** آسمان کو چیر کر نکل جاتا ہے یعنی اس کی سمائی نہیں ہے۔ زمین وآسمان میں۔

جب بندہ اللہ اللہ کہتا ہے تو خدا لبیک لبیک کہتا ہے اور یہی تفسیر ہے "**فاذکرونی اذکرکم**"

کی اسی لئے میرے نزدیک اذکرکم سے مراد ''رحمت سے یاد کرنا'' یہ بے ضرورت تاویل ہے۔

سورۃ فاتحہ کی فضیلت

حدیث میں ہے کہ بندہ جب نماز میں ''الحمد للہ رب العالمین'' پڑھتا ہے تو خدا کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے ''حمدنی عبدی'' پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے ''اثنیٰ علی عبدی'' پھر مالک یوم الدین پڑھتا ہے تو ارشاد باری ہوتا ہے ''مجدنی عبدی'' پھر ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھتا ہے تو ارشاد باری ہوتا ہے ''ہذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل'' پھر اہدنا الصراط الآیہ پڑھتا ہے تو ارشاد ہوتا۔ ہے کہ یہ بندہ کی خاص حاجتیں ہیں اور میں اپنے بندہ کو جو کچھ وہ مانگتا ہے دوں گا۔

یہ تو حدیث سے ہے اور ہمیں خارج سے معلوم ہوا کہ اگر خارج صلوۃ بھی پڑھے گا تب بھی یہی حکم ہے۔

روح کو خواہ کافر کی ہو یا مومن کی کبھی موت نہیں ہے لیکن اعمال حیات ذاکر کے لئے مخصوص ہیں اور غافل بمنزلہ مردہ ہے اگرچہ روح باقی ہے۔

غرض ذاکرین سے ذکر اللہ کسی وقت جدا نہ ہوگا۔ قبر میں بھی محشر تک ساتھ ہوگا اور جنت میں بھی رہے گا اسی لئے میں نے کہا کہ ذکر اللہ ان کے حق میں دائمی ہے اور ذاکر کو موت نہیں ہے جیسے غافل بظاہر زندہ ہو کر بھی مردہ ہے۔

تشریحات از مرتب

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا محققانہ کلمات طیبت کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شعر مذکور کے مخفی زاویے پوری روشنی میں آجاتے ہیں۔

یعنی حضرتؒ کا منشا یہ ہے کہ ہمارے اکابر شیوخ طریقت نے اپنے مسترشدین کا تزکیۂ نفوس فرما کر اور ان کو یاد الٰہی کے راستہ پر چلا کر ان کے غافل و مردہ دلوں کو زندگی عطا فرمائی (مردوں کو زندہ کیا) اور پھر ان کے دل ایسے زندہ ہوئے کہ ان کے لئے کبھی بھی موت نہ ہو گی کیونکہ ذاکر کو موت نہیں ہے۔ (زندوں کو مرنے نہ دیا)

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

یہاں بھی شاعر کی مراد یہی ہے کہ جو دل عشق الٰہی سے (جس کا سبب ''ذکر الٰہی'' ہوتا ہے) زندہ ہو جاتے ہیں وہ کبھی نہیں مرتے اور ان کو بقاء دوام کی ضمانت مل جاتی ہے۔

اسی عشق حقیقی کے بارے میں دوسرے شاعر نے کہا ہے

عشق آں شعلہ ایست کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

عربی شاعر نے کہا ہے اور بہت ہی خوب کہا ہے

لک منزل فی القلب لیس یحلہ

(اے محبوب تیرا گھر میرے دل میں ہے تیری محبت کے سوا اس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی)

الاھواک و عن سواک اجلہ

(کیونکہ میں اس کو تیرے سوا دنیا کی ہر چیز سے بلند و برتر سمجھتا ہوں)

واقعی جب یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو دنیا جہان کی بڑی سے بڑی نعمتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ در ہیچ ہو جاتی ہیں۔ دل کی صحیح قدر و قیمت "عن سواک اجلہ' ' کے درجہ میں پہنچ کر دریافت ہوتی ہے اور اس وقت احساس ہوتا ہے کہ دل جیسی بے بہا اور گرانقدر نعمت کو ہم نے دنیا کی کیسی کیسی بے قدر چیزوں سے لگا کر رائیگاں کیا ہے۔

اس وقت یاد آیا کہ امام شافعیؒ کو کسی دنیا دار نے موٹے جھوٹے معمولی لباس میں دیکھ کر حقیر نظروں سے دیکھا تھا تو حضرت امام ہمامؒ نے برجستہ یہ دو شعر ارشاد فرمائے تھے۔

علی ثیاب لو یباع جمعیہا بفلس لکان الفلس منہن اکثرا

و فیہن نفس لو یقاس ببعضہا جمیع الوری کانت اجل و اکبرا

یعنی یہ صحیح ہے کہ میں بہت معمولی کپڑے پہنے ہوئے ہوں کہ ان سب کے مقابلہ میں شاید ایک پیسہ بھی زیادہ ہو لیکن ان کپڑوں کے اندر ایک ایسا بیش قیمت دل مستور ہے کہ اگر اس کے کچھ حصہ کے مقابلہ پر بھی ساری دنیا اور اس کی بیش قیمت چیزوں کو رکھا جائے تو کچھ حصہ بھی ان سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے پھر پورے دل کی قیمت کا تو اندازہ ہی دشوار ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ایک شعر خود حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے اکثر مجالس میں سنا ہے جو ایسے موقع پر سنایا کرتے تھے وہ بھی ذکر کرتا ہوں۔

مکنید اے بتاں خراب دلم آخر ایں خانہ را خدائے ہست

نماز

ایک وعظ کے ضمن میں فرمایا:۔ حدیث میں ہے کہ مصلی خدا سے سرگوشی کرتا ہے اور درخواست پیش کرتا ہے یہ بھی حدیث ہے کہ جب مصلی نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس پر گناہ لاد دیتے ہیں اور رکوع میں وہ گر پڑتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ سجدے میں مصلی خدا کے پیروں پڑتا ہے۔

قعدہ میں خدا کے سامنے دوزانو بیٹھتے ہیں اور التحیات اللہ الخ پڑھتے ہیں۔ یہ سلام کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب معراج میں سلام کی یادگار ہے۔ سہیلی (مالکی المذہب) ناقل ہیں ادھر سے **السلام علیک ایھا النبی الخ** آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی امت کو نہ بھولا اور فرمایا **السلام علینا و علیٰ عباداللہ الصالحین** پھر **اشھد ان لا الہ الا اللہ** اور پھر وہ درود جو امام احمدؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن امیر الحاجؒ نے فرمایا کہ میری نظر سے دونوں جگہ "**فی العالمین انک حمید مجید**" گزرا ہے لیکن مشہور آخر میں ہی ہے۔

فرمایا:۔ نباتات سجدہ میں ہیں چوپائے رکوع میں ہیں اور آدمی قیام میں ہیں۔ یہ تحقیق شیخ اکبر کی ہے۔ نماز میں یہ تمام صورتیں جمع ہوگئی ہیں۔

تکبیر تحریمہ کو حدیث میں ناک نماز کی کہا گیا ہے اور بعض اماموں کے نزدیک نچوڑ نماز کا تکبیر تحریمہ ہے۔ چنانچہ سفیان ثوری نے خوف کے وقت صرف تکبیر کو قائم مقام صلوٰۃ کے قرار دیا ہے اور بعد کو اعادہ بھی نہیں کہتے۔

میرے نزدیک جب تک پہلی رکعت ملی۔ تکبیر تحریمہ کا ثواب مل گیا اگرچہ فرق رہے گا مقدم و موخر میں اور بعض ابتدا میں کہتے ہیں اور بعض الحمد کے ختم تک مانتے ہیں۔

کیفیات نماز کا ذکر

ایک وعظ میں نماز کی کیفیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع

یدین کے ساتھ ہتھیلیاں قبلہ کی جانب کی جاتی ہیں اور یہ قیام ہے ان کا۔ امام طحاوی نے تصریح کی ہے کہ ہتھیلیاں قبلہ کی طرف کرے پھر ہاتھ باندھنا کمر باندھنا ہے اور یہ ان کا قیام ہے۔ پھر بدن رکوع کرتا ہے تو ہاتھ بھی رکوع کرتے ہیں جبکہ امام شافعی کہتے ہیں کہ بدن تو رکوع کرے اور ہاتھ قیام کو جائیں۔

پھر سجدہ میں بدن کے ساتھ ہاتھ بھی ساجد ہوتے ہیں۔ رفع یدین کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر تشہد کے اندر لا پر انگلی اٹھائے تو الا پر بٹھا دے۔ کیونکہ نہ جھٹکایا تو لا ہی کا حکم چلا جائے گا۔ (کذافی کتب الحنفیہ عن الحلوانی وغیرہ) شافعیہ کے نزدیک اشہد پر اٹھائے۔

فرمایا:۔ تحریمہ سے اشارہ ہے کہ سارے کام کاج چھوڑ دے، چنانچہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ پس شروع میں سبحانک اللھم الخ ہے پھر استعاذہ۔ حدیث ترمذی میں ہے کہ ذکر و استعاذہ کی مثال ایسی ہے کہ کوئی دشمن پیچھے ہو تو ذکر اللہ کرنے سے گویا قلعہ بند ہو کر محفوظ ہو جائے۔ اور دشمن غائب و خاسر ہو کر لوٹ جائے۔ پھر بسم اللہ کہ وہ کلید و کنجی ہے سخی کے دروازے کی۔ فارسی کے شاعر نظامی نے کہا

ہست کلید در گنج حکیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مخزن اسرار)

اور خسرو نے کہا

مطلع انوار خدائے کریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مطلع انوار)

مگر نظامی زیادہ نازک خیال ہیں ان کا شعر خسرو سے بڑھ گیا۔ جامی نے کہا

ہست صلائے سرخوان کریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(پنج گنج)

شیرازی نے کہا

نجم شہاب است بدیو رجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(پنج ہلالی)

پھر کہتا ہوں کہ نظامی کا کلام سب سے زیادہ اونچا ہے۔

وہ حدیث میں ہے کہ ساری نماز میں شرکت ہے۔ ایک تو آمین و فاتحہ میں کہ امام نے

فاتحہ پڑھی اور مقتدیوں نے آمین کہی۔ دوسرے **سمع اللہ لمن حمدہ** اور **ربنا لک الحمد** میں ہے۔ یعنی یا خدا ایسا ہی ہو کہ جیسا ہمارے امام نے مانگا ہے۔ یہ تقسیم کار ہے اور یہ بہترین طریقہ ہے اتحاد و شرکت کا۔

قومہ میرے نزدیک اس لئے ہے تا کہ پورا کھڑا ہو کر سجدہ کو جائے کہ سجدہ کا کمال کھڑے ہو کر جانے میں ہے اور خصائص کبریٰ میں قوی حدیث ہے کہ خاصہ اس امت کا ہے کہ امام **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے اور مقتدی **ربنا لک الحمد** کہے۔ پس اسی کے اہتمام شان کے لئے قیام قرأت سے مستقل قیام میں ادا کیا گیا۔ آمین پوشیدہ ہے کیونکہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کی صفت سے ادا ہو۔

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ وحی کے وقت سب مخلوق سجدہ میں چلی جاتی ہے اور سناٹا نکل جاتا ہے۔ پھر ہوش میں آ کر سجدہ سے اٹھ کر فرشتے کہتے ہیں کہ ہمارے رب نے سچ اور حق کہا۔

خفیہ کی نماز بھی ملا اعلیٰ کے مشابہ ہے کہ جب قرأت ہو تو سب خاموش رہیں اور دو سجدوں کے درمیان میں بیٹھنے کی دعائیں قوی حدیثوں میں منقول نہیں ہیں۔

حدیث میں ہے کہ آسمانوں میں چار انگل کی جگہ بھی خالی نہیں ہے کہ جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا رکوع میں مصروف نہ ہو۔ ان سب چیزوں کی طرف حدیث میں اشارہ موجود ہے مگر ضرورت ہے قلب عارف کی۔ فقہاء نے ظاہری احکام تو نکال لئے ہیں لیکن ان کی طرف توجہ نہ کی۔

قلب عارف کی مناسبت سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے امام رازیؒ کے آخری وقت' قرب وفات کے اشعار **لعمری قد طفت المعاهد کلها. وسرحت طرفی بین تلک المعالم** وغیرہ پڑھ کر سنائے اور علامہ تفتازانیؒ کے اشعار بھی بابت تحصیل علوم وفنون اور سب کا حاصل فنون کا جنون ہونا پڑھے۔ پھر حضرتؒ نے اپنے اشعار بھی سنائے۔ جو یاد رہے اور جس طرح بھی وہ پیش کئے جاتے ہیں:۔

امن عهد ربع طالما کان ابکما اجبت بدمع حین حیٰ و سلما

فقدت به قلبی و صبری و حیلتی ولم الق الاریب دهر تصرما

و من عبرات العين مالا اسيغه و من غلبات الوجد ماكان همهما
و من نفثات الصدر مالا ابثه و من فجعات الدهر ما قد تهجما
فاذكر ازمان الفراق و انثنى علے كبدى من خشية ان تحتما
(تكففت و معى او كففت عنانه و صاريجارى الدهر حتى تقدما
فهل ثم داع او مجيب رجوته يجاملنى شيئاً دعا او ترحما
ولله حمد الحامدين و حمده رضا نفسه من كان اكرم ارحما

حدیث میں ہے کہ آسمان میں اطیط ہے (نئے کجاوہ کی آواز چیں چیں) مارے بوجھ کے دب گیا ہے کیونکہ چار انگل کی بھی جگہ نہیں ہے۔ جہاں کوئی فرشتہ قیام میں کوئی رکوع میں کوئی سجدہ میں نہیں ہے وغیرہ بعض شاہان دنیا کے یہاں بھی (مثل مہاراجہ کشمیر) درباری کھڑے رہتے تھے جب تک وہ دربار کرے مگر فقہ میں بادشاہان اسلام کے لئے منع ہے اور صرف خدا کے لئے جائز ہے۔

فرشتے قرآن مجید نہیں پڑھتے بلکہ اذکار اور استغفار وغیرہ میں رہتے ہیں مثلاً کوئی کہتا ہے **سبحان ما عبدناک حق عبادتک** کوئی کہتا ہے۔ **سبحان ماعرفناک حق معرفتک** اور کوئی **سبحان الابدی الابد، سبحان الواحد الاحد، سبحان الفردالصمد، سبحان الذی لم یلد ولم یولد و لم یکن له کفواً احد**

ردالمختار میں نقل ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ بعد تراویح ان کو پڑھا کرتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ خدا کو سب سے زیادہ محبوب کلام ذکر اللہ ہے جس کو اس نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا، لیکن اذکار قرآن مجید کے بعد افضل ہیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں میں جماعت نہیں ہے۔ طبرانی کی جو حدیث ہے کہ جب کوئی حکم اترتا ہے خدا کا اور وحی آتی ہے تو سناٹا نکل جاتا ہے اور سارے فرشتے سجدہ میں چلے جاتے ہیں کوئی اس کو جماعت کہہ سکتا ہے مگر میرے نزدیک ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ ایک وقتی وفوری امر ہے اور بس۔

البتہ فرشتوں نے سجدۂ آدم کے وقت جماعت ہی کی تھی۔ **اجمعون** کا معنے مفسرین لکھتے ہیں کہ آگے پیچھے نہیں بلکہ بیک وقت، لیکن یہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کے طفیل ہوئی پھر خاصہ بنی آدم کا ہی رہا۔

فرشتوں میں صفیں ہیں الاول فالاول اور صف بندی ان ہی سے لی گئی ہے۔ امت محمدی میں بنی اسرائیل میں یہ نہ تھی بلکہ وعظ کی طرح جمع ہوتے ہیں۔

صرف صف بندی کا حسن دیکھا جائے تو وہ بھی بیان نہیں ہوسکتا۔ فوجوں میں بھی یہ شان پوری نہیں ہوسکتی۔ اور امام اعظمؒ نے اس کو مقارنت سے ادا کرکے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

"وانا لنحن الصافون و انا لنحن المسبحون" فرشتوں کا قول ہے وہ لشکر ہیں اور ہم رعایا ہیں وہ پریڈیں وغیرہ بھی کرتے ہیں اور ہم پر پریڈ نہیں ہے اور یہ نسخہ صف بندی کا وہیں سے آیا ہے یہی ادا کیا ہے ابوداؤد کی حدیث نے۔

نماز میں تعدیل ارکان نہ کرنے پر جس قدر وعیدیں آئی ہیں قیام کے بارے میں نہیں ہیں بلکہ اس میں کمی وزیادتی ہوئی ہے حتیٰ کہ سفر میں حضور علیہ وسلم نے معوذتین صبح کی نماز میں پڑھی ہے۔

حدیث صحاح میں ہے کہ حضرت عقبہؓ نے تعلیم کی درخواست کی تو آپ نے ان کو معوذتین تعلیم فرمائیں، اور فرمایا کہ "ان سے زیادہ بہتر استعاذہ نہیں ہے"۔ "فلم یرنی سدرت به" یعنی حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ میں اتنی مختصر تعلیم سے خوش نہ ہوا تو آپ نے میری اس کیفیت کو محسوس فرمایا اور اسی لئے صبح کی نماز میں معوذتین ہی پڑھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا آپ نے سفر کی وجہ سے نہیں کیا تھا۔

فرمایا تعدیل ارکان کے بارے میں تشدد کی وجہ یہ ہے کہ جلد بازی اور پھرتیلا پن اور وقار و تمکنت کا حال رکوع وسجدہ سے معلوم ہوتا ہے قیام کے اندر نہیں معلوم ہوتا یعنی اگر قیام طویل بھی کیا کسی نے اور رکوع وسجدہ جلدی جلدی کیا تو وہ اچھا نہیں ہے۔ بلکہ مرغ کی طرح ٹھونگ مارنے جیسا ہی معلوم ہوگا اور یہ بتلائے گا کہ کچھ وقعت ہی نہیں ہے دربار خداوندی کی اور اگر قیام کم بھی کیا اور رکوع وسجدہ میں کمی نہ کرے گا تو وہ وقار وسکون وطمانیت کے خلاف معلوم نہ ہوگا۔ جیسے کوئی کسی دنیا کے دربار میں جائے اور سکون و وقار کے ساتھ خواہ تین چار منٹ ہی کھڑا رہے اور دوسرا کوئی دو گھنٹہ بھی وہاں گزارے مگر بے چین رہ کر اور خلاف وقار حرکات کے ساتھ۔

اسی لئے شریعت میں رکوع وسجود کے اندر غطر بود کرنے پر سخت وعیدیں[1] آئی ہیں۔
فرمایا کہ اسی مضمون کو میں نے کسی قدر کشف الستر میں بھی بیان کیا ہے۔

عمامہ نمازوں کیلئے

ایک وعظ میں فرمایا کہ عمامہ تین ذراع (۱½ گز عرفی) عام استعمال کے لئے ۷ ذراع نمازوں کے لئے اور ۱۲ ذراع کا جمعہ، عیدین اور وفود کے لئے ماثور ہے اس کو علامہ جزری نے امام نووی سے نقل کیا اور فرمایا کہ میں نے اسی طرح ان کے دستخط سے یہ عبارت دیکھی ہے اور لکھا کہ میں عرصہ تک اس تلاش میں رہا کہ عمامہ کے بارے میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت معلوم ہو۔

نماز وحج سے زیادہ جامع عبادت نہیں ہے

نماز وحج سے زیادہ جامع کوئی عبادت نہیں ہے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کی عبادات میں جس قدر اجزاء تھے وہ سب امت محمدی کے لئے جمع کر دیئے گئے ہیں اور ہر نبی پر نماز ہوئی ہے۔
حدیث میں ہے کہ میری بعثت محاسن افعال ومکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے اسی لئے حضور آخر میں ہوئے ہیں۔ پہلے حصہ حصہ تھے اور آخر میں مجتمع ہو کر آئے اور یہ اس سے اچھا ہے کہ پہلے کامل آئے اور بعد کو اجزاء آئیں۔ اول کو فطرت زیادہ پسند کرتی ہے کسی شاعر نے کہا ہے۔

اے ختم رسل مرتبہ ات معلوم شد دیر آمدۂ زراہ دور آمدۂ

یعنی آپ کا راستہ دور کا ہے کہ بہت سے مراحل وتمہیدیں طے کر کے آئے ہیں یہ شعراء ہیں۔ ان کے احساسات صحیح ہوتے ہیں۔ کسی نے جو کہا ہے کہ شعراء کی زبانیں مفاتیح ہیں۔ غیب کی وہ اسی لئے ہے کہ ان کی باتیں اوفق بالحسیات (حس ومشاہدہ سے زیادہ لگاؤ رکھنے والی) ہوتی ہیں۔ دوسرے شاعر نے کہا

محمد عربی کابروئے ہر دوسرا است ہر آنکہ خاک درش نیست خاک برسر او

غرض عبادت کے متفرق حصے پہلی امتوں کے حق تعالیٰ نے جمع کر کے امت محمدی کو دیدیئے۔

---

[1] دیکھا جائے کہ تعدیل ارکان کی کس قدر اہمیت ہے حنفیہ کے یہاں مگر متعصب مخالفوں نے اس مسئلہ میں بھی حنفیہ کے خلاف کتنا طومار باندھا ہے اور طرح طرح سے غلط باتیں ان کی طرف منسوب کر کے ان کو بدنام کرنے کی سعی کی ہے۔ والی اللہ المشتکی۔ (مؤلف)

حنفی نماز میں اتباع سنت

فرمایا:۔ میں کہتا ہوں کہ حنفیوں کی نماز میں کوئی چیز خلاف سنت[۱] نہیں ہے۔ البتہ شوافع حنابلہ اور مالکیوں کی نماز میں بعض بعض چیزیں ایسی دیکھتا ہوں جو خلاف سنت ہیں باوجودیکہ وہ ھیئۃ صلوۃ میں اور صفت صلوۃ میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ یہ مقابلے کرنے مذاہب کے آدمیت سے باہر ہیں۔ مگر مجبوراً کہنا پڑتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ حدیث پر ہمارا ہی قبضہ ہے۔ حنفی کو حدیث سے کچھ تعلق نہیں ہے جبکہ حنفیوں کو کوفہ میں ہزاروں صحابہ کا حدیثی ذخیرہ ملا ہے اور سب سے بڑے حضرت ابن مسعودؓ کا کہ وہ بھی کوفہ میں آ گئے تھے۔

نماز میں تقسیم

فرمایا:۔ نماز میں تقسیم کی دو جگہ ہیں فاتحہ امام کی اور آمین مقتدی کی لیکن ادھر بعدیت مقصود ہے اور ادھر اختصاص ہے کہ امام بھی آمین میں شریک ہو جاتا ہے۔ گویا امام کو فاتحہ کے ساتھ اختصاص حاصل ہے تو مقتدی کے لئے بعدیت کا انتصاص ثابت ہے اسی طرح تقسیم **سمع اللہ لمن حمدہ** میں بھی ہے کہ اس کو امام کہے گا تو پھر مقتدی **ربنا لک الحمد** کہے گا اور جب تقسیم ہے تو اس کے لئے کم سے کم درجہ یہ ہے کہ مقتدی بعد میں کرے اور جب بعدیت ادھر کی ہو چکے تو امام بھی شریک ہو سکتا ہے۔

فرمایا:- یہاں مالکیوں کا مسئلہ بھی سن لو کہ امام صاحب رکوع سے اٹھے تو **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے اور مقتدی بھی اٹھتے ہوئے **ربنا لک الحمد** کہے اور ساتھ ہی رفع

---

[۱] حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں نہ عصبیت تھی نہ گروہ بندی وہ صرف حق کی حمایت کرتے تھے اور اسی کو اختیار کرتے تھے جہاں بھی ہو اس کی شہادت ان کے معاصرین بھی دیتے تھے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی فطرت صرف حق کو قبول کرتی تھی اور خود حضرت تھانویؒ مسائل مشکلہ میں اپنے اطمینان قلبی کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کی درایت و روایت سے فیصلے طلب کیا کرتے تھے۔

حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہؒ حضرت شاہ صاحب کے علمی تبحر کو کسبی سے زیادہ لدنی قرار دیتے تھے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ ہم ساری عمر پڑھنے پڑھانے کے بعد بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے گرانقدر علمی فیصلوں کے محتاج تھے۔ علامہ کوثریؒ ایسے متبحر عالمی شخصیت نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تالیفات مطالعہ کر کے فرمایا تھا کہ اس درجہ کا جامع علوم وفنون پانچ سو سالہ کے بعد امت محمدی کو میسر ہوا تھا۔ لہذا راقم الحروف کی گزارش ہے کہ حضرتؒ کے مندرجہ بالا قسم کے فیصلوں کو معمولی اور بے قدر نہ خیال کیا جائے۔ (مؤلف)

یدین بھی کرے۔ حالانکہ یہ خلاف سنت ہے اور موافق سنت کے امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی پورا کھڑا ہو جائے تو کھڑے ہو کر ربنالک الحمد کہے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے میر سید علی ہمدانیؒ کے اشعار پڑھے جس کا پہلا شعر یہ ہے

زحسنت ہر کسے ہر دم حدیثے دیگر آغازد　　رخت گر جلوۂ ساز د نماند ایں حکایتہا

پھر اپنے فارسی اشعار بھی اسی ردیف و قافیہ کے پڑھ کر سنائے جن پر وعظ ختم فرما دیا۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

خروج بصنع المصلی

فرمایا:۔ ترمذی شریف میں حضرت علیؓ سے حدیث مروی ہے کہ نماز کی کنجی پاکی اور طہارت ہے اور اس کی تحریم تکبیر ہے اور تحلیل تسلیم ہے اور سنن دارقطنی وغیرہ میں بجائے تحریم کے احرام کا لفظ ہے اور بجائے تحلیل کے احلال ہے جس سے اشارہ ہوا کہ نماز کو خاص مشابہت حج کے ساتھ ہے کہ جس طرح حج میں اپنے اختیار سے احرام کے ذریعہ داخل ہوتے ہیں' نماز میں تکبیر تحریمہ کے ذریعے داخل ہوتے ہیں اور جس طرح حج سے حلق (سر منڈا کر) خارج ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نماز سے سلام کے ذریعہ نکل جاتے ہیں۔

اس حدیث کی وجہ سے امام شافعیؒ وغیرہ اس کے قائل ہوئے کہ لفظ سلام فرض ہے اور بغیر سلام کے نماز سے نکلے گا تو نماز باطل ہو جائے گی اور پھر سے پڑھنی پڑے گی حالانکہ راوی حدیث مذکور حضرت علیؓ ہی کی دوسری حدیث امام شافعیؒ کی کتاب الام میں اور شرح معانی الآثار طحاوی میں اور سنن دارقطنی و بیہقی میں بھی ہے کہ جب نمازی مقدار تشہد بیٹھ چکے اور پھر وہ بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہو گئی اور قاعدہ یہ ہے کہ جب راوی خود ہی اپنی روایت کے ظاہر کی مخالفت کرے تو اسی کی بات زیادہ قابل قبول ہو گی' پھر جبکہ راوی بھی حضرت علیؓ جیسا عالی قدر امام المحدثین ہو تو ظاہر ہے کہ وہی اپنی روایت کردہ حدیث کے معانی و مطالب سے زیادہ واقف ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حدیث مروی ہے کہ جب نمازی آخر نماز سے سر اٹھائے اور تشہد بھی پڑھ لے۔ پھر بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔ یہ

حدیث[1] بھی ترمذی، طحاوی، طیالسی، دارقطنی اور بیہقی کی ہے۔

حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ جیسے حج میں اپنے اختیارات سے داخل ہوتا ہے اور نکلتا ہے اور شروع کرنے کے بعد جنایات حج اور منافی صلوٰۃ افعال سے اجتناب کرتا ہے۔ پھر حج سے نکلنے اور فارغ ہونے کے وقت منافی حج فعل حلق کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسی طرح نماز سے بھی منافی صلوۃ کسی فعل کے ذریعہ خارج ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فقہ میں حرمت صلوۃ اور حرمت حج یہ دونوں تعبیریں آتی ہیں اور نماز میں آنے جانے، چلنے پھرنے کو حرمت صلوٰۃ کے خلاف بتاتے ہیں الغرض شریعت نے یہ اطلاع دی ہے کہ نماز وحج دونوں کا شروع وآخر کسی فعل کے ذریعے ہونا چاہئے۔

پھر یہ بھی ضرور ہے کہ نماز کے شروع کی ایک خاص صورت و ہیئت رکھی ہے کہ تکبیر کے ساتھ رفع یدین بھی ہو اور یہ حکم وضعی ہے۔ تکلیفی نہیں ہے اور آخر میں سلام کی ہیئت بھی خاص مقرر کی ہے جس کو ہم بھی واجب کا درجہ ضرور دیتے ہیں اور اس کے خلاف ہیئت کو مکروہ تحریمی بھی کہتے ہیں مگر رکن وفرض کے درجے میں قرار نہیں دے سکتے اس کی مفصل بحث ہماری کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت فاروق اعظم وحضرت ابن مسعودؓ بھی امام ابوحنیفہؒ کی طرح یہی سمجھے ہیں کہ جیسے ختم کا فعل مکرر نہیں ہے۔ اسی طرح ابتداء بھی مکرر نہیں ہے اور جس طرح تحلیل مکرر نہیں ہے تحریم میں بھی تکرار نہ چاہئے۔

حضرت ابن مسعود سے یہ اثر بھی مروی ہے "مفتاح الصلوۃ التکبیر" جبکہ کسی اور صحابی سے یہ الفاظ منقول نہیں ہیں۔

صحابہ اور رفع یدین

اصحاب حضرت علی وابن مسعودؓ کے بارے میں مجھے علم قاطع حاصل ہے کہ ان کے متعلق

---

[1] نماز وحج کا باہم مشابہ ہونے کی تفصیل کے لئے فتح الملہم ص ۲/۱۰۲ اور مسلک امام ابوحنیفہؒ کی ترجیح کے لئے العرف الشذی اور معارف السنن ص ۶۸ / ۱۱ اور انوار المحمود بھی قابل ملاحظہ ہے۔ جن سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب کا مسلک اس بارے میں بھی نہایت قوی ہے۔ ہمارے حضرت استاذ الاستاذ شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس مسئلہ میں امام صاحب سب سے الگ اور اکیلے ہوں وہاں آپ کے مذہب کی قوت اور بھی زیادہ ہوتی ہے تاہم یہ بھی واضح ہو کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ حضرت عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب ابراہیم نخعی، قتادہ، محمد بن جریر طبری وغیرہم بھی ہیں۔ (مؤلف)

عدم رفع یدین مشہور تھا۔ اور امام طحاویؒ نے جو کہا ہے کہ حضرت علیؓ سے رفع یدین ثابت نہیں ہے۔ وہ میرے نزدیک بالکل صحیح ہے۔ پھر حضرت علیؓ کی حدیث مسلم اذکار میں ہے، جس میں رفع یدین نہیں ہے۔ دوسری وہ ہے، جس میں رفع یدین ہے اور ان دونوں کو ایک سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ وہ دو مختلف ہیں اور اذکار والی میں نہیں ہے۔ جبکہ دوسری میں ایک راوی ضعیف ہے۔

حضرت علقمہ و اسود نے فاروق اعظمؓ کے ساتھ حج کئے ہیں اور اسود کہتے ہیں کہ میں دو سال فاروق اعظمؓ کی خدمت میں رہا تو ان کو رفع یدین کرتے ہوئے نہ دیکھا، غرض حضرت عمرؓ حضرت علیؓ و حضرت ابن مسعودؓ کا عمل بھی ترک رفع یدین ہی رہا ہے۔

(اس مسئلہ کی مکمل بحث و تحقیق رسالہ نیل الفرقدین اور بسط الیدین میں لائق مطالعہ ہے)

فتح الباری کی غلطی

فتح الباری میں ہے کہ رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرے۔ حالانکہ یہ بات امام شافعی و شریعت دونوں کے خلاف ہے کیونکہ قومہ میں پیچھے کو ہٹنا یا پیچھے کئے ہوئے کی طرف لوٹنا ہے اور نیا عمل جب ہو کہ سجدہ کو جائے گا اور اسی وقت رفع ہونا چاہئے یہی مقصد امام شافعیؒ کا بھی ہے اور میں جزم کرتا ہوں کہ فتح الباری میں غلط ہے امام احمدؒ کے شاگرد ابوداؤد اور ابن اثرم دو بڑے ہیں۔ دونوں امام احمد سے روایت کرتے ہیں اذا استتم قائما رفع یدیہ یعنی رکوع کے بعد جب پورا کھڑا ہو جائے تو رفع یدین کرے اور امام شافعیؒ نے بھی ام میں خود یہی لکھا ہے۔

لہذا غیر مقلدین نے جس طرح پچاس سال سے رفع یدین کیا ہے وہ تو یوں ہی گیا بیکار ہی وہ سمجھے ہی نہیں کہ کس وقت ہے اور کیوں ہے۔

پھر جس وقت دعا کے بعد آمین ہوتی ہے جیسے دعاء قنوت میں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب تسمیع ہو چکے تب تحمید ہونی چاہئے۔ لہذا مقتدی کا سمع اللہ لمن حمدہ کہنا بے محل اور بے سود ہے اور قوم کا قومہ میں رفع یدین بھی خالی جائے گا اور امام احمدؒ کے یہاں لکھا ہوا ہے کہ امام قومہ میں ربنا لک الحمد کہے اور مقتدی رکوع سے اٹھتے ہوئے ربنا لک الحمد کہے اور ساتھ ہی رفع یدین بھی کرے اور قومہ خالی ہے۔

مالکیہ کا ارسال یدین

مالکیہ کے یہاں ارسال یدین ہے۔ عقد یدین نہیں ہے۔ استفتاح بھی نہیں ہے بعد تحریمہ ہی الحمد شریف ہے۔ یہ حدیث کے خلاف ہے تسمیہ اور تعوذ بھی نہیں ہے نہ سراً نہ جہراً۔

مولوی حبیب الرحمٰن صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے مجھ سے دریافت کیا کہ مالکیہ کے ارسال یدین کی کیا اصل ہے؟ اور شیعہ بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کے پاس دو تین اثر ہیں جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہیں اور کچھ نہیں ہے حالانکہ نماز جیسی چیز جو علی رؤس المنابر والمنایر ادا کی گئی ہے۔ اس میں ایسے شواذ آثار سے کیا کام چلے گا؟''

آمین: اس کا محل شریعت نے مرکز اجتماع صلوۃ میں رکھا ہے یعنی جیسے وعظ و بیان میں مجمع بھر جانے کے بعد وعظ و بیان کی روح اور مقصد بیان کرتے ہیں تاکہ سب آگے پیچھے آنے والے اس میں شریک ہو جائیں اسی طرح آمین کا وقت فاتحہ کے بعد رکھا ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی دونوں فاتحہ و تحمید کریں گے۔

میں کہتا ہوں کہ امام شافعیؒ جیسا امت میں نہیں ہے یہ ان کا قول ہے مگر ہم اپنی بساط کے مطابق کلام کرتے ہیں کہ حدیث کا منشا یہ ہے کہ قول غیر المغضوب الخ سبب ہے قول آمین کے لئے اور یہ جواب ہے اس کا کہ جیسے سلام کا جواب ہوتا ہے۔ لہذا امام منفرد ہے فاتحہ کے ساتھ پھر آمین میں ہمارا مخصوص ہونا ضروری نہیں ہے اور جواب میں اگر امام بھی شریک ہو جائے تو حرج نہیں ہے۔

یہ ہے ہمارے نزدیک منشا شریعت کا اسی طرح سمع اللہ لمن حمدہ کہنا سبب ہے ربنا لک الحمد کے لئے لیکن امام بھی ربنا لک الحمد کہے تو حرج نہیں ہے۔

قرأت

میرے نزدیک جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے اور عند الحنفیہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ پس قرأت تو یہاں مجرا ہو چکی اور پھر قیام کے بغیر رکوع نہیں ملتا۔ لہذا قیام باقی رہا۔ اور جب قیام کر کے رکوع میں مل گیا تو رکوع بھی مل گیا۔ یہ تو رکعت کے حق میں ہوا پھر مجموعہ صلوۃ میں سے رکعت رکھی ہے کہ اگر ایک رکعت بھی مل گئی تو نماز مل گئی۔ اور مجمع بھرنے کی

جگہ آمین کی جگہ ہے۔ حدیث میں ہے "من ادرک رکعة فقد ادرک الصلوٰة"

بنیہ صلوٰۃ اور صفت

میں نے یہاں بنیہ صلوٰۃ اور صفت صلوۃ میں بحث کی ہے۔ کیونکہ خارج میں تو ممکن ہے کوئی جزوی چیزیں ہماری بھی نکلیں اس لئے اس میں الجھنا فضول ہے اور یہ بھی اس لئے کہا کہ کوئی دعوے کرے کہ حدیث پر ہم ہی قابض ہیں تو تم بھی کہہ سکو کہ ہم بھی احادیث پر عامل ہیں۔ ورنہ یہ تحقیقات سب بے سود ہی ہیں بغیر عمل کے۔

حدیث طبرانی ہے "الخیر کثیر و قلیل فاعله" یعنی خیر تو بہت ہے مگر اس کو کرنے والے کم ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ جب مصلی نماز کو کھڑا ہوتا ہے تو اس پر خدا کی طرف سے قیام کی حالت میں بر (نیکیوں) کی بارش کرتے ہیں جیسے دولہا پر روپیہ واشرفی کی بکھیر کرتے ہیں اور رکوع کرتے ہوئے گویا رحمت نے دبالیا جس سے پشت جھک گئی اور سجدہ میں سب سے زیادہ قرب خدا سے ہو جاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ رکوع میں ازار عظمت خداوندی پر نظر ہوتی ہے۔ سجدہ میں رب کے قدموں پر اور قیام میں رداء کبریا پر نظر ہوتی ہے اور متفرقات کھپانے کی جگہ بھی قیام ہی ہے چنانچہ شافعیہ کے یہاں طاعون ہو یا جنگ ہو کفار سے تو قیام میں قنوت ہوتی ہے اور حنفیہ کے یہاں رکوع کے بعد قومہ میں قنوت ہوتی ہے جیسے جلسے میں ساری کارروائیاں ہوتی ہیں اور بیچ میں روح ہوتی ہے یہ بھی فرمایا کہ رکوع وہ جگہ ہے جہاں شرکت زیادہ ضروری ہے جیسے جلسے میں دیکھا جاتا ہے کہ فلاں وقت تک شریک جلسہ ہوا یا نہیں خواہ عمدہ وقت میں نہ پہنچے۔

تذکرہ آخرت

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مجلس وعظ کے ختم پر تذکرۂ آخرت کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا اور فرمایا کہ اس کا مضمون بہت عالی ہے۔

شاہراہ عدم چہ ہموار است　　　دیدہ بربستہ مے تواں رفتن

نابودی کی سڑک کتنی ہموار ہے کہ آنکھیں بند ہو کر بھی اس پر بے تکلف چلے جاتے ہیں

پھر دوسرے دو شعر بھی پڑھے۔

دل را اگر تو صاف کنی ہمچو آئینہ　　　　دروے جمال دوست بینی ہر آئینہ

اور در دل من است و من اندر کف دیم　　　　چوں آئینہ بدست من و من در آئینہ

تحقیق سمٰوات اور علاقہ، جہنم و جنات

فرمایا:۔ یورپ جو متشابہ لطیف غیر متناہی مانتا ہے۔ میرے نزدیک یہی درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ غیر متناہی کو ہم بغیر تسلسل علات کے باطل نہیں مانتے پھر اسی جو میں درجات ہوں گے جن کو سمٰوات کہہ سکتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ:۔ ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ماثور ہے کہ ''عرش کے نیچے بھی پانی ہے اور وہ مسیرۃ خمسہ ماۃ عوام ہے''۔ (یعنی اس کا فاصلہ بقدر پانچ سو سال کی مسافت ہے)

میں سمجھتا ہوں کہ عالم علوی ہی (عرش تک) پچاس ہزار سال مسیرۃ کا ہے۔ کیونکہ جنت کے ایک سو[1] درجے ہیں اور ہر درجہ میں مسافت پانچ سو برس کی ہے لہذا پچاس ہزار برس کی مسافت ہوئی (کمافی البخاری) اور دنیا کا تمام علاقہ اس کے علاوہ ہے۔ حضرت امام مالکؒ کا واقعہ ہے کہ ہارون[2] رشید حج کو جانے لگے تو امام صاحب سے کہا کہ میں موطأ سننا چاہتا ہوں فرمایا بہت اچھا۔

اگلے روز خلیفہ منتظر رہے مگر امام صاحب نہ گئے بلا کر پوچھا کیوں نہیں آئے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ''یہ روحانی علوم نبوت عالم ارواح سے پچاس ہزار سال کی مسافت طے کر کے آئے ہیں، ان کا حق یہ ہے کہ ان کے پاس جایا جائے نہ کہ ان کو اپنے پلاس بلایا جائے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ چیز سلف میں مشہور تھی اور اسی لئے میں اس کے لئے متوجہ ہوتا ہوں اور بیان کرتا ہوں۔

ذکر اعمال

فرمایا:۔ حدیث میں ہے کہ دنیا اور تمام معاصی زنا، سرقہ وغیرہ بھی دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور علامہ منذری کی کتاب ''الترغیب والترہیب'' میں حضرت ابوالدرداء سے حدیث مروی ہے کہ حق تعالیٰ محشر میں ندا فرمائیں گے۔ ''جو عمل خدا کے لئے کئے گئے ہیں ان سب کو

---

[1] جمع الفوائد ۳۰۷　[2] یہ واقعہ تفصیل سے ترجمان السنۃ جلد اول ص ۲۴۲ میں ہے

جنت میں لے جاؤ اور جتنے عمل غیر خدا کے لئے کئے گئے ان سب کو جہنم میں لے جاؤ۔" چنانچہ حجر اسود، مقام ابراہیم، کعبہ مکرمہ اور مساجد اور دوسری متبرک اشیاء سب جنت میں پہنچائی جائیں گی۔

علاقۂ آخرت

ایک روز اثنائے درس بخاری شریف میں فرمایا:۔ یہ نہ سمجھنا کہ علاقہ ہی نہیں ہے آخرت کا اور جنت ساتویں آسمان سے اوپر ہے اور پچاس ہزار سال تک کی مسافت تک ہے۔

جنت کا سارا اوپر کا علاقہ بطور چھت ہے اور اس سے نیچے کا سارا علاقہ جہنم کا ہے ہمیں حکم ہے کہ اعمال صالحہ کر کے اس علاقہ سے باہر نکل جائیں ورنہ بداعمالیوں کی وجہ سے یہیں پڑے رہ جائیں گے اور فرمایا کہ:۔

جنت میں عمارت تیار ہوتی ہے، جب وہ مکمل ہوجاتی ہے تو موت آجاتی ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ قبر میں بھی تکمیل ہوتی ہے۔ کیونکہ عمل باقی ہے قبر میں بھی۔

یہ بھی فرمایا کہ جنت کی چھت عرش رحمٰن ہے (جل ذکرہ) اور ہوسکتا ہے کہ عرش رحمٰن تمام درجات جنت کے لئے چھت ہو حالانکہ وہ اوپر نیچے بھی ہوں گے جیسا کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ نے "قیامت نامہ" میں وضاحت کی ہے اور لکھا ہے کہ

"جنت کے سارے طبقوں کا یہ حال ہے کہ کوئی طبقہ کسی طبقہ کی اوٹ نہیں ہے، گھر کی چھتوں کی طرح کھلے ہیں بلکہ عرش الٰہی سبھوں کی چھت ہے اور یہ سب (طبقے) پائیں باغ، اور بلند باغ کی طرح ہیں ایک جنت دوسری جنت کی گود میں ہے"۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مزید فرمایا کہ اس کی مثال شالامار باغ لاہور ہے۔ اور یوں تو عالم آخرت کی چیزیں ہیں۔ خدا ہی خوب جانتا ہے۔

راقم الحروف (جامع ملفوظات) عرض کرتا ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی اسی کے قریب تحقیق فرمائی ہے۔ انہوں نے حجۃ الاسلام میں معجزۂ انشقاق قمر پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

---

[1] بخاری ص ۹۷۰ و مسلم ص ۳۷۸ ج ۲

ذکر حضرت نانوتویؒ وجۃ الاسلام

''اور سنئے حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے آفتاب کا ایک جا قائم رہنا یا حضرت یسعیا کے لئے یا کسی اور کے لئے آفتاب کا غروب ہونے کے بعد لوٹ آنا اگرچہ معجزہ عظیم الشان ہے مگر انشقاق قمر اس سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ اول تو حکمائے انگلینڈ اور فیثا غورسیوں کے مذاہب کے موافق ان دونوں معجزوں میں زمین کا سکون یا کسی قدر اس کا الٹی حرکت کرنا ثابت ہوگا اور میں جانتا ہوں کہ حضرات پادریان انگلستان بپاس وطن اسی مذہب کو قبول فرمائیں گے۔ بطلیموسیوں کے مذہب کو یعنی حرکت افلاک وشمس وقمر کواکب کو تسلیم نہ کریں گے اور اگر دربارۂ افلاک مخالفت کا ہونا باعث عدم قبول ہو تو اس کا یہ جواب ہے کہ حکمائے انگلستان کے موافق آسمانوں کے اثبات کی ضرورت نہیں گو ان کے طور پر انکار بھی ضروری نہیں۔ اگر تمام کواکب کو آسمان سے ورے مانئے اور آفتاب کو مرکز عالم پر تجویز کیجئے تو ان کا کچھ نقصان نہیں نہ ان کی رائے و مذہب میں کچھ خلل آسکتا ہے۔''

اسلام اور جدید سائنس

حضرتؒ کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ جدید سائنس کے نظریات سے اسلام کا نظریہ دربارۂ افلاک مخالف نہیں کیونکہ حکماء یونان اور بطلیموسیوں کے مصطلح افلاک کا اقرار و اثبات ہمارے لئے ضروری نہیں جس طرح سرے سے افلاک وسمٰوات کے وجود ہی سے انکار کرنا بھی ہمارے لئے ضروری نہیں بلکہ جس طرح حضرت شاہ صاحبؒ نے اوپر کی عبارت میں اپنا رجحان ظاہر کیا ہے اس کے لحاظ سے تو جدید سائنس اور اسلام کے نظریوں میں کامل قطابق ہوتا ہے۔ دوسری بات حضرت نانوتوی قدس سرہ کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ پورے نظام شمسی کو بھی ہم آسمانوں سے ورے مان سکتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس نظام شمسی کا پورا کہکشاں بلکہ دوسرے اور کتنے ہی کہکشاں بھی سب آسمانوں سے ورے ہوں اور جس طرح عالم علوی پچاس ہزار سال مسافت کا ہے ایسے ہی ہوسکتا ہے کہ عالم سفلی (یعنی دنیا کا رقبہ جو آسمانوں سے نیچے کا علاقہ ہے) وہ بھی ایسا ہی طویل وعریض ہو

اور اس بات کو شاید پہلے زمانہ میں مستبعد خیال کیا جاتا مگر اب جو کچھ سائنس جدید نے قسم قسم کے نوایجاد آلات اور بڑی بڑی دوربینوں کے ذریعے ریسرچ کی ہے اس سے تو یہ بات قطعاً واضح ہو جاتی ہے کہ ہماری اس زمین کے گرد فضائے لامحدود ہے۔ اربوں اور کھربوں میل تک بے شمار ستاروں اور سیاروں کے لاتعداد کہکشاں سمائے ہوئے ہیں اور کہکشاں کیا ہے؟

صرف اپنے کہکشاں کو لیجئے جس کا تعلق ہماری زمین سے ہے کہ اس کے اندر سورج جیسے تقریباً ایک کھرب ثوابت ستارے ہیں پھر صرف ایک ہمارے سورج کے گرد طواف کرنے والے چالیس سیارے اور ثانوی سیارے ہیں جن کے مجموعے کو ہم نظام شمسی سے تعبیر کرتے ہیں اور جس کے ماتحت چاند زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے اور زمین مع چاند کے سورج کے گرد مشغول طواف ہے اور اس نظام شمسی کا پھیلاؤ اس قدر ہے کہ اس کے بعید ترین سیارے پلوٹو کا فاصلہ سورج سے تین ارب سڑسٹھ کروڑ میل ہے۔ قرآن مجید میں ہے وان یوماً عند ربک کالف سنة مما تعدون کہ خدا کے یہاں کا ایک دن تم دنیا والوں کے دنوں کی گنتی کے حساب ایک ہزار سال کا ہے۔

اور دوسری آیت میں ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا تو اس کی وضاحت مفسرین نے کی ہے اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس طرح ہمارا ایک دن ہماری زمین کے ایک بار سورج کے گرد چکر لگانے سے بنتا ہے جو ایک کہکشاں کے ماتحت ایک نظام شمسی کے اعتبار سے ہوا پھر اگر ہمارے کہکشاں کے تمام سورج جو تقریباً ایک کھرب بتلائے جاتے ہیں چونکہ وہ بھی اپنے کہکشاں کے گرد اپنی دھیمی رفتار سے گھوم رہے ہیں ان کا ایک دور پورا ہونے سے بھی ایک دن بنے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ بمقدار ایک ہزار سال ہو۔

اور اسی طرح فرض کیجئے کہ یہ سب کہکشاں مل کر اپنے بالائی کہکشاں کے گرد بھی گھومتے ہوں اور ان کا ایک چکر پورا ہونے سے جو دن بنے گا وہ بقدر پچاس ہزار سال ہو تو کیا استبعاد ہے اور شاید اس چکر کے پورا ہونے تک اس دنیا کے دن ختم ہو کر آخرت کا دن طلوع ہو جائے اور پھر وہاں کا دن پچاس ہزار سال کا ہی ہوا کرے اور یہ بھی ممکن ہے کہ فران بالائی کہکشانوں کا طواف بھی کسی اور بالا بر بالا کہکشاں کے لئے ثابت ہو جائے اور اس کے مدار کے اعتبار سے

دن کی لڑائی میں مزید اضافہ ہو۔ اور آخر میں اس امر کا مشاہدہ بھی کیوں مستبعد ہو کہ ایک وقت یہ سب لاتعداد کہکشانوں کے نورانی ستارے اور سیارے مع اپنے تمام متعلقات وتابعات کے اس اصلی نور اکمل واعظم کے گرد طواف عبادت میں مشغول نظر آئیں گے (جس کے نور اعظم کے یہ سب انوار پرتو اور ظل ہیں) اور اللہ نور السمٰوات والارض پر علم الیقین کے بعد عین الیقین بھی حاصل ہو جائے کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام کائنات کا اصل اور مبدا نور اللہ تعالیٰ جل ذکرہ کا نور اعظم ہے، اور پھر آخرت کا دن بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہی متعین ہو جائے جو اس طواف اعظم للرب الاعظم کے مدار اعظم کے اعتبار سے ہونا چاہئے۔

یہاں اس مضمون مذکور کی تقریب سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا ایک ملفوظ اور بھی ذکر کردوں جو محترم مولانا جمیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی نائب مفتی دارالعلوم دیوبند نے سنایا کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرتؒ سے دریافت کیا کہ فلسفۂ قدیم اور جدید میں سے اسلام سے کونسا قریب ہے؟ تو فرمایا کہ:۔

فلسفۂ قدیم وجدید

فلسفۂ قدیم ابعد عن الاسلام ہے اور فلسفۂ جدید اقرب الی الاسلام ہے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ کی مشیت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جن عقلاء زمانہ (اہل یورپ) نے اسلامی چیزوں معجزات وروحانیات وغیرہ کا انکار کیا تھا ان ہی کے فلسفہ اور ریسرچ وتحقیقات سے وہ سب چیزیں دنیا والوں کے لئے ثابت ومشاہدہ ہو جائیں۔

چنانچہ روح اور روحانیت کا اقرار وہ کر چکے خوارق عادات بھی تسلیم ہو چکے جن سے معجزات اسلام کا استبعاد عقلی ختم ہوا۔

قرآن مجید میں ہے کہ اہل جنت واہل جہنم آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے پہچانیں گے اور باتیں کریں گے حالانکہ ان کے درمیان بہت غیر معمولی فاصلہ ہوگا۔ تو اب ٹیلی فون، لاسلکی تلغراف، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ایجادات نے اس کو بھی قریب عقل ومشاہدہ کر دیا ہے اصوات واعمال کا ریکارڈ مستبعد سمجھا جاتا تھا مگر گراموفون کی ایجاد نے اس سے بھی مانوس کر دیا کہ حق تعالیٰ نے زمین اور اس کے متعلقات میں بھی اخذ وریکارڈ کا مادہ ودیعت فرما

دیا تھا۔ جس کو ہم یورپ کی ان ایجادات سے پہلے عقل ومشاہدہ کی رو سے نہ سمجھ سکتے تھے۔

اسی طرح چند مثالیں اور ارشاد فرمائیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے مذکورہ بالا ملفوظات مبارک سے ہمیں آج کل کے ماحول میں اسلامیات کے سمجھنے سمجھانے کے لئے بہت بڑی روشنی ملتی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فلسفہ جدید کی طرف توجہ فرمائی خود اس کو پڑھا، سمجھا اور دوسروں کو پڑھایا اور سمجھایا اور عصر حاضر کی تفسیر الجواہر للطنطاوی کے مطالعہ کی طلبہ وعلماء کو تلقین کی تاکہ جدید ریسرچ کے تمام گوشوں سے باخبر رہ کر علی وجہ البصیرت علمی دینی وتبلیغی خدمات انجام دیں۔

حضرت نانوتویؒ

اسی طرح حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہٗ کے اقتباس حجۃ الاسلام سے بھی آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کی نظر کتنی وسیع تھی اور افلاک وسمٰوات نیز زمین وسورج کی گردش کے سلسلہ میں ان کی بالغ نظری نے ان کی موجودہ مشکلات کا کتنا بہتر حل تجویز فرمایا تھا۔

یورپ وامریکہ میں جو اس زمانہ میں تیزی کے ساتھ اسلامی تعلیمات ونظریات کی قبولیت بڑھتی جارہی ہے اور وہاں کے لوگ اسلام بھی قبول کر رہے ہیں۔ اس کی بھی بڑی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس دین کو اور سب ادیان موجودہ میں سے زیادہ سے زیادہ عقل ومشاہد سے قریب سمجھ رہے ہیں اور استبعادِ عقلی کے عنوان سے جتنی چیزیں بھی سامنے لائی گئی

---

[۱] مناسب ہوگا کہ جدید سائنس کے کچھ نظریات بھی بطور اختصار یہاں ذکر کر دیئے جائیں جن سے معلوم ہوگا کہ زمین، شمس وقمر وغیرہ کے سلسلہ میں کیا کیا اکتشافات اس وقت تک ہو چکے ہیں اور ان سے یہ بھی واضح ہوگا کہ اس وقت روس وامریکہ والے جو چاند تک پہنچنے کی بڑی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں اور کروڑوں، اربوں روپیہ، قیمتی اوقات اور بے بہا جانیں اس میں کھپا رہے ہیں ان کی ساری کوششیں اور کامیابیاں خدا کی اس لامحدود کائنات کے لحاظ سے جو عالم علوی اور عالم سفلی کی غیر متناہی پہنائیوں میں پھیلی ہوئی ہیں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت بھی نہیں رکھتیں۔

اور ان کا فائدہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا کے غافل اور سادہ لوح عوام پر اپنی بڑائی وعظمت کا سکہ جما کر ان کو مرعوب ومحکوم اور زیر دست رکھنے کا ایک ذریعہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اخبارات میں جلی جلی سرخیوں سے ان کوششوں کا ذکر آتا رہتا ہے اور کالم کے کالم ان خبروں سے سیاہ کئے جاتے ہیں اور نتیجہ خاک نہیں کسی نے سچ کہا تھا کہ

تو کار زمیں را نکو ساختی — کہ با آسماں نیز پرداختی

اور فرض کرو کہ یہ لوگ اپنی سائنسی مشنری کا پورا زور لگا کر چاند تک پہنچ بھی جائیں تو چاند بے چارہ کیا ہے؟ ہماری زمین کا ایک تابع سیارہ جو زمین سے بھی بہت چھوٹا ہے اور زمین کی خدمت پر مامور ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ

تھیں وہ سب ختم ہوتی جارہی ہیں۔

تحقیقات سائنس جدید و ہیئت جدیدہ

پہلے چند چیزیں بطور تعریفات سمجھ لیجئے تا کہ جدید تحقیقات بسہولت سمجھتے جائیں۔

ستارہ و سیارہ

ستارے وہ ہیں جن میں خود اپنی روشنی ہوتی ہے اور وہ بہ نسبت سیاروں کے ساکن متصور ہوتے ہیں اگر چہ وہ تمام ثوابت بھی مرکز کہکشاں کے گرد گھومتے رہتے ہیں اور سیارہ میں اپنی روشنی نہیں ہوتی اور وہ کسی ستارہ کے گرد گھومتے ہیں۔

کہکشاں

علم فلکیات جدید میں اس سے مراد ثوابت ستاروں کا ایک عدسہ کی شکل کا نظام ہوتا ہے جو زمین کے مرکز سے دور واقع ہے یہ ہمارا کہکشاں ہے جس کا ایک جزو ہمارا نظام شمسی ہے اور اس کی موٹائی یا بلندی ۳۷ ہزار نوری سال ہے۔ یعنی ۳۲ ہزار کھرب میل اور چوڑائی تین لاکھ نوری سال ہے۔

ہمارے اس کہکشاں مذکور کے علاوہ اور بھی کہکشاں ہیں جن میں سے بعض تک نو ایجاد طاقتور دوربینوں کے ذریعہ رسائی ہو رہی ہے۔ مثلاً کہکشاں سیدیم اینڈ رومیدہ جو ہم سے آٹھ لاکھ پچاس ہزار نوری سال دور ہے اور اس کا قطر ۴۵ ہزار نوری سال ہے اور یورپ کے سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ایسے بہت سے کہکشاں مل کر ایک بالائی کہکشاں بناتے ہیں اور اس طرح کے لاتعداد بالائی کہکشاں خلا کی لامتناہی وسعتوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

عدسہ

آسمان پر چوڑا سا راستہ نظر آتا ہے یہ اس عدسہ کا کنارہ ہے جو جہاں لاتعداد ستارے جمع ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آگے بڑھنا ہوگا اور ان ستاروں، سیاروں اور کہکشانوں تک بھی رسائی کی فکر ہوگی اور ہونی چاہئے جن کے حجم اور دوری و بلندی کے تصور سے بھی یقین ہے کہ خود ان فلاسفروں کے بنا سپتی دل بھی کانپ جاتے ہوں گے۔ ان تک پہنچنا بلکہ ان تک پہنچنے کی باتیں کرنا بھی دور کی بات ہے اور فرض کرو کہ وہاں تک بھی کسی وقت رسائی ہو سکی تو پھر شاید کوئی پکار اٹھے کہ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" اور اس طرح یہ بے نتیجہ ریسرچ کی بھوک کبھی ختم نہ ہو سکے گی۔

نوری سال

روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے اس رفتار سے روشنی ایک سال (۳۶۵) دن میں جو فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوری سال کہتے ہیں۔ (LIGHTYEAR)

نظام شمسی

یہ ہمارے کہکشاں کے اندر واقع ہے اور اس کا نہایت حقیر جزو ہے کیونکہ ہمارے سورج کے متعلق کل چالیس سیارے اور ثانوی سیارے ہیں جن کی وجہ سے ''نظام شمسی'' بولا جاتا ہے کیونکہ سورج اپنے نظام شمسی کے تمام سیاروں اور ثانوی سیاروں (چاند وغیرہ) کی حرکات و سکنات پر چھایا ہوا ہے اور ہمارے کہکشاں کے اندر ہمارے سورج کی طرح تقریباً ایک کھرب ثوابت و سیارے اور بھی ہیں (اس سے اندازہ لگایئے کہ ایک کھرب ستاروں سے متعلق بھی کتنے سیارے اور ثانوی سیارے اور ہوں گے) اس کے بعد دوسرے اکتشافات ملاحظہ کیجئے۔

زمین

یہ سورج کا ایک سیارہ ہے اور نظام شمسی کا ایک نہایت حقیر جزو اس کا قطر خط استوا پر ۷۹۲۷ میل ہے اور قطبین پر ۲۷ میل کم یعنی ۷۹ میل کا ہے۔ اس کا محور ۱/۲-۲۳ درجہ جھکا ہوا ہے اسی لئے دن رات برابر نہیں ہوتے۔ ورنہ ہمیشہ ۱۲، ۱۲ گھنٹہ کے دن رات ہوا کرتے اور موسمی تغیرات بھی ایسے نہ ہوتے۔

سورج سے اس کا فاصلہ تقریباً ۹ کروڑ ۲۹ لاکھ میل ہے اپنے مدار پر ۷، ۱۸ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گھومتی ہے سورج کی طرح سے یہ بھی سکڑ رہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرکز تک سکڑ کر رہ جائے گی یہ اسی طرح بے جان کہلائے گی جس طرح اس وقت چاند ہے۔ زمین سے تقریباً ۵۰ میل تک کرۂ ہوا ہم کو ملتا ہے (زمین کی تین حرکتیں ہیں (!) رات دن میں اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ گرد سورج (۲) سالانہ گرد سورج دوری حرکت فی گھنٹہ (۳) اپنے نظام شمسی کے ساتھ فضا لامتناہی میں بحساب فی گھنٹہ چل رہی ہے۔ تفصیل انوار الباری میں کی گئی ہے۔

چاند

زمین کا تابع ہے زمین سے اوسط فاصلہ دو لاکھ چالیس ہزار میل ہے۔ چاند کا جسم زمین سے ۱/۵ ہے۔ زمین کی رفتار دن بدن گھٹ رہی ہے۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کئی کئی سو گھنٹے میں زمین اپنے محور پر ایک چکر لگائے گی۔ یعنی کئی سو گھنٹے کا دن ہوگا اور چاند بھی کافی مدت میں ایک چکر لگائے گا۔

سورج

یہ نظام شمسی کا مرکز ہے اس کا قطر ۸ لاکھ ۶۶ ہزار میل ہے۔ علاوہ حرکت محوری کے اس کی حرکت دوری بھی ہے (جو مرکز کہکشاں کے گرد ہوگی) خود اپنے محور پر ۲۶، ۲۷ دن میں پورا دورہ کر لیتا ہے۔ زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے اور اس میں ذاتی حرارت موجود ہے ایک چیز کا وزن اگر زمین پر ایک پونڈ ہو تو سورج کے قریب اسی کا وزن ۲۷ پونڈ ہوگا سورج سے حرارت برابر نکل رہی ہے اسی لئے اس کا قطر یا جسم سکڑ رہا ہے۔ ۲۵ سال میں ایک میل کے قریب یا ایک صدی میں چار میل اس کا جسم یا قطر سکڑ جاتا ہے۔

سورج میں اس قدر روشنی ہے کہ جس قدر ۵۵۶۳ موم بتیاں ایک مربع فٹ میں جلانے سے حاصل ہو۔ سورج کی روشنی کی رفتار ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے۔ اسی لئے اس کی روشنی بعد طلوع ۸ منٹ میں زمین تک پہنچتی ہے اور غروب کے بعد ۸ منٹ تک دکھائی دیتی ہے۔ اس کے بعد چند دیگر اہم معلومات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ستاروں میں آفتاب سب سے چھوٹا ستارہ ہے اور سب سے نزدیک بھی۔

(۲) ہم سے نزدیک ترین سیارہ سیریس (SIRIUS) یا کوکب سنگ ہم سے آٹھ نوری سال بعید ہے۔ یعنی ۴۸۰ کھرب میل دور ہے اور اس کی روشنی ہم تک چار سال میں پہنچتی ہے۔

(۳) بعض ستارے ایسے ہیں کہ جن کی روشنی دو ہزار برس میں زمین تک پہنچتی ہے۔ یعنی جو روشنی ہمیں اس وقت بعض ستاروں کی نظر آ رہی ہے وہ دو ہزار برس پہلے وہاں سے روانہ ہوئی۔

اور سنیے:۔ بعض ستاروں کی روشنی زمین تک کئی کروڑ برس میں آتی ہے اور ایک ستارہ حال میں دریافت ہوا ہے جس کا فاصلہ زمین سے آٹھ سو مہا سنگ میل ہے اسی سے ستاروں

کی دوری کا اندازہ ہوگا اور ان تمام حیرت انگیز تحقیقات وریسرچ کو اپنے ذہن میں رکھئے اور آگے بڑھئے اور ملاحظہ کیجئے کہ ان جدید فلاسفروں کے دل ودماغ پر دوسرے اثرات کیا پڑ رہے ہیں ایف آر مولٹن کہتے ہیں کہ:۔

''کائنات کا حجم یا لامحدودیت انسان کے لئے اتنی زیادہ اہم نہیں بلکہ جس چیز سے انسان ششدر رہ جاتا ہے وہ کائنات کی مکمل باضابطگی ہے کہ کوئی گڑبڑ نہیں، کوئی چیز خلاف توقع نہیں ہے''۔

دیکھا آپ نے کہ دنیا اور دنیا والے کہاں پہنچ رہے ہیں اور آپ کا اپنا مقام کہاں ہے؟

فان کنت لاتدری فتلک مصیبة وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

اس قسم کا اعتراف بھی اگر صانع عالم اور خدائے برتر جل ذکرہ کا اعتراف نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ سچ کہا تھا اکبر مرحوم نے

نئی میں اور پرانی روشنی میں فرق اتنا ہے انہیں ساحل نہیں ملتا انہیں کشتی نہیں ملتی

یعنی جن کے پاس خدا کی آیات ومظاہر میں غور وفکر کرنے کے لئے آلات واسباب اور دل ودماغ کا سکون مہیا ہیں۔ ان کو تو ساحل مراد اور منزل مقصود کا پتہ نہیں اور جواس سے واقف ہیں۔ ان کے پاس وہ آلات واسباب وغیرہ نہیں ہیں کہ ان کے ذریعہ وہ ایمان ویقین کی دولت میں اضافہ کریں۔

ملفوظ مبارک مذکورہ بالا بابتہ تحقیق سمٰوات نقش میں پڑھ کر جناب محترم مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی دام مجدہم نے ''صدق جدید'' میں اپنے خاص تاثرات کا اظہار فرمایا جو کہ درج ذیل ہے۔

ایک غیر مخفی حقیقت

علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری کا جو درجہ بزرگان دیوبند اور فضلائے عصر میں ہوا ہے محتاج بیان نہیں آپ کے ملفوظات دیوبند ہی کے ایک ماہنامہ میں قسط وار نکل رہے ہیں اس کا ایک تازہ اقتباس:۔

''میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ فلسفۂ قدیم وجدید میں اسلام سے کونسا قریب

ہے؟ تاعلی وجہ البصیرت، علمی، دینی وتبلیغی، خدمات کریں۔

بات ہے صاف اور کھلی ہوئی لیکن صدیوں کے تعصب اور مذاق قدیم کی پاسداری نے پردے بھی اس پر ایسے تہ بہ تہ ڈال دیئے کہ اس حقیقت تک رسائی کے لئے ضرورت انور شاہؒ ہی جیسے علامہ وقت کی بصیرت ربانی کی پڑی۔ کاش ان کے اس قسم کے ملفوظات کی اشاعت اسی وقت ہوگی ہوتی تو اس سے بے زبانوں کے بھی زبان ہو جاتی اور اس سے متاخر نسل میں کم سے کم مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے فاضل یگانہ تو اسی کے سہارے بہت کچھ لکھ ڈالتے۔ (صدق جدید ۲۹ جنوری ۶۰ء)

آج کل اخبارات ورسائل میں یہ بحث بھی چلی ہوئی ہے کہ فضائی سیاروں میں جاندار مخلوق ہے یا نہیں اور اسلامی لٹریچر سے اس بارے میں کیا روشنی ملتی ہے۔ اگرچہ اسلامی تعلیمات کا بنیادی نقطہ "فلاح آخرت" ہے۔ دنیوی زندگی کی مادی ترقیات یا موجودات عالم کے حقائق سے بحث اس کا موضوع نہیں۔ اسلام کسی ترقی یا تحقیق کی راہ میں رکاوٹ بھی نہیں۔ تاہم اس سلسلہ میں جو اشارات حضرات مفسرین قرآن مجید نے اخذ کئے ہیں۔ ان کو مخدوم ومحترم جناب عبدالماجد صاحب دریابادی عم فیضہم نے اپنے مخصوص دل نشین طرز سے جمع کر دیا ہے۔ اس لئے مناسب نظر آیا کہ اس موقع پر اس کو بھی بطور حاشیہ یہاں لے لیا جائے۔

ذی حیات مخلوق سیاروں میں

سورۃ الشوریٰ پارہ ۲۵ میں ایک آیت آئی ہے جو مع ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

ومن اٰیاتہ خلق السمٰوٰت والارض ومابث فیھما من دابۃ وھو علی جمعھم اذایشاء قدیر (آیت ۲۹)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا اور ان جانداروں کا جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھے ہیں اور وہ ان کے جمع کر لینے پر جب وہ چاہے قادر ہے۔

اللہ کے کلام کا حرف حرف برحق لیکن جانور آسمانوں پر کہاں جانوروں کا تعلق بس اسی زمین سے ہے۔ آسمان پر تو انسان بھی نہیں چہ جائیکہ گھوڑے اور اونٹ، شیر اور ہاتھی، ہو نہ ہو

جانوروں کے وجود کا تعلق آسمان وزمین کے مجموعہ سے ہے نہ کہ دونوں جگہوں سے فرداً فرداً مجموعہ کے ایک جز پر بھی جس چیز کا تحقق ہوگا اس کا اطلاق مجموعہ پر بھی درست ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ عام ہے اور خود قرآن مجید ہی میں اس کی نظیر ملتی ہے۔ مثلاً سورۃ الرحمٰن میں البحرین (آب شیریں اور آب شور کے دو ذخیروں) کا ذکر کر کے ارشاد ہوا ہے کہ۔

یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان

دونوں سے موتی اور مونگا نکلتے ہیں۔

حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں صرف سمندر (آب شور) میں پائی جاتی ہیں نہ کہ دریاؤں (آب شیریں) میں۔ تو قرآن نے ان کے وجود کا اطلاق دونوں قسم کے پانیوں کے مجموعہ پر کر دیا۔ بس وہی صورت یہاں بھی ہے کہ جانور صرف پائے تو اسی زمین پر جاتے ہیں اور قرآن نے اس کا اثبات آسمان وزمین کے مجموعہ کے ساتھ کیا ہے۔

الدواب تكون فى الارض وحدها لكن يجوز ان ينسب الشئ الى جميع المذكور وان كان ملتبساً ببعضه (كشاف)

جانور تو اکیلے زمین پر ہی پائے جاتے ہیں لیکن یہ بالکل جائز ہے کہ ایک شئے ایک مجموعہ کی طرف منسوب کر دی جائے حالانکہ اس کا تعلق اس کے صرف ایک جزو سے ہے۔

کشاف کی اسی عبارت کو مدارک میں نقل کر دیا گیا ہے اور قاضی بیضاوی نے بھی اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔

ممايدب على الارض وما يكون فى احدالشيئين يصدق انه فيهما فى الجملة

جو چیزیں زمین پر چلتی ہوں اور کچھ دو چیزوں میں سے ایک میں پایا جائے درست ہے کہ وہ ان کے مجموعہ کے لئے بھی کہہ دیا جائے۔

اور بھی اہل تفسیر اس طرف گئے ہیں لیکن جب تک کوئی خاص قرینہ اس کا مقتضی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ تنگ معنی کیوں لئے جائیں، اور وہی وسیع معنی ظاہر الفاظ سے قریب تر کیوں نہ سمجھے جائیں کہ دابہ (جاندار مخلوق کا) وجود زمین میں بھی ہو اور آسمانوں میں بھی! قدیم مفسرین کو تو یہ دشواری بے شک لاحق تھی کہ اس زمانہ میں جبکہ مہذب دنیا کے علوم وفنون پر

حکومت یونان کی چھائی ہوئی تھی۔ یہ تصور بھی کون لاسکتا تھا کہ آسمانوں پر بھی چلتی پھرتی مخلوق اسی دنیا کی طرح موجود ہے؟ اس وقت علم کی دوستی وروشن خیالی کا عین اقتضا یہی تھا کہ کلام الٰہی کو ایسے محال دعوے کو ہر ممکن تاویل سے بچایا جائے اور ''نقل'' کی وہی تعبیر کی جائے جو معاصر ''عقل'' کے مطابق وماتحت ہو۔ لیکن آج بیسیویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں جب اجرام فلکی میں جاندار مخلوق کے وجود کا عقیدہ عقل حاضر پر بار نہیں رہا ہے اور بجائے محال اور مستبعد ہونے کے اس کا امکان روز بروز قریب تر وروشن ہوتا جارہا ہے کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ قرآن کو اس کے ظاہر پر نہ لیا جائے؟ قرآن مجید کا اعجاز سدا بہار ہے۔ ہر دور ایک نئی دلیل اور نئی شہادت اس کے کلام برحق ہونے کی پیش کرتا رہتا ہے۔ کتنا بے دھڑک اس نے یہ دعویٰ اجرام فلکی میں جاندار آبادی کے موجود ہونے کا کردیا۔ اس وقت جبکہ روئے زمین کے بڑے بڑے عاقلوں، فاضلوں سائنسدانوں میں سے کوئی بھی اس کے ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔

لیکن قرآن مجید کے علاوہ کہ مسلمان کا تو ایمان ہی اس کے حرف حرف کے منزل من اللہ ہونے پر ہے اور اس کا بڑے سے بڑا کمال اور بڑے سے بڑا اعجاز بھی اب مومن کے ایمان میں اضافہ نہیں کرسکتا لیکن قربان جایئے قرآن مجید کے ان مخلص خادموں کے جو ہم ہی آپ کے سے دعویٰ بشری علم وفہم رکھنے والے تھے۔ اسی خدمت قرآن مجید کی برکت سے ان کا ذہن کیسا رسا ہوگیا اور کیسی کیسی پتے کی باتیں ان کے قلم سے بھی نکل گئی ہیں۔

زمخشری پانچویں صدی اور چھٹی صدی ہجری کے شروع کے آدمی ہیں اور اپنے اعتزال کے لئے بدنام بھی۔ دیکھئے کیا کہہ گئے ہیں۔

ولایبعدان یخلق فی السمٰوات حیواناً یمشی فیھامشی الاناسی علی الارض (کشاف)

اس میں کوئی بعد نہیں کہ اللہ نے آسمانوں میں بھی ایسے جانور پیدا کردیئے ہوں جو وہاں اسی طرح چلتے پھرتے ہوں جیسے زمین پر انسان چلتے ہیں۔

اور یہ چلنے پھرنے کی قید اس لئے کہ خود دابہ کے معنی بھی چلنے پھرنے والے کے ہیں۔

زمخشری کی عبارت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ آگے سنئے۔

سبحان الذی خلق مانعلم ومالانعلم من اصناف الخلق

پاک ہے وہ ذات جس نے ایسی مخلوق پیدا کر رکھی ہے جسے ہم جانتے ہیں اور ایسی بھی جسے ہم نہیں جانتے۔

سبحان اللہ و بحمدہ زمخشری معتزلی ہیں۔ کہیں صوفی ہوتے تو بے تامل ان کے لئے کہا جا سکتا تھا کہ فوق العادۃ کشف تکوینی کے مالک تھے اور نگاہ دوربین ملائکہ کی سی رکھتے تھے۔

اور پھر یہ نکتہ رسی زمخشری تک محدود ومخصوص نہ رہی کبیر ومدارک جس پایہ کی تفسیریں ہیں۔ کسی صاحب علم پر مخفی نہیں دونوں نے کشاف کی عبارت کہنا چاہئے کہ لفظ بہ لفظ نقل کر دی ہے۔

لایبعدمایقال انه تعالیٰ خلق فی السمٰوات انواعا من الحیوانات یمشون مشی الاناسی علی الارض

اس میں کوئی بعد نہیں کہ کہا جائے کہ اللہ نے آسمانوں میں بھی بعض قسم کے جانور پیدا کر رکھے ہیں جو ایسے ہی چلتے پھرتے ہیں جیسے انسان زمین پر۔

اور اس سے ملتی جلتی عبارتیں مفسر ابن حیان کی بحر المحیط اور شیخ الاسلام ابوسعود کی تفسیر میں ملتی ہیں اور قمی نیشاپوری کی تفسیر غرائب القرآن نے یوں داد نکتہ سنجی دی ہے۔

ویجوزان یکون فی السمٰوٰت انواع اخرمن الخلائق یدبون کمایدب الحیوان فی الارض

ممکن ہے کہ آسمانوں میں بھی کوئی ایسی مخلوق ہو جو اسی طرح چلتی ہو جیسے حیوان زمین پر چلتے ہیں۔

اور ہمارے علامہ آلوسی بغدادی تو اسی انیسویں صدی عیسوی کے وسط کے آدمی تھے۔ جو عصری تحقیقات اور یورپی انکشافات سے فی الجملہ آشنا ہو چکے تھے۔ ان کے ہاں اگر تصریح اس حد تک پہنچ گئی ہے تو اس میں کچھ زیادہ حیرت کی بھی بات نہیں۔

لایبعدان یکون فی کل سماء حیوانات و مخلوقات علٰے قدرشتی واحوال مختلفة لانعلمها (روح المعانی)

اس میں کچھ بھی بعد نہیں کہ ہر ہر آسمان پر حیوان اور مخلوقات بھانت بھانت کے اور مختلف قسم کے موجود ہوں جو ہمارے دائرہ علم سے باہر ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی آٹھویں صدی ہجری کے مشہور ترین مفسر گزرے ہیں۔ ذرا دیکھئے گا کہ کس صفائی قلب کے ساتھ گویا چودھویں صدی ہجری کو پڑھ لیا تھا لیکن اس کے قبل خود دابة کی تشریح اہل لغت کی زبان سے سن لیجئے۔

کل ماش علی الارض دابة (تاج العروف' لسان العرب)

زمین پر ہر چلنے والا دابہ ہے۔

اور پھر آیات قرآنی کا حوالہ دے کر قول نقل کیا ہے:۔

والمعنی کل نفس دابة (تاج' لسان) مراد یہ ہے کہ ہر نفس پر دابہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور آگے پھر قول نقل کئے ہیں۔

قیل من دابة من الانس والجن و کل مایعقل و قیل انما ارادالعموم (تاج' لسان)

کہا گیا ہے کہ دابہ ہر انس و جن و صاحب عقل مخلوق ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے عموم ہی مقصود ہے۔

دابہ کے اسی وسعت مفہوم کے مدنظر مضمون کے شروع میں آیت قرآنی میں دابہ کا ترجمہ جانور سے نہیں۔ جو ''حیوان'' کا مرادف ہے۔ بلکہ جاندار سے کیا گیا جو اس سے کہیں زیادہ مفہوم رکھتا ہے۔

دابہ کی اسی وسعت و عموم کو پیش نظر رکھنے کے بعد اب مفسر دمشقی کی اس شرح و تفسیر کا لطف اٹھایئے۔

وھذا یشمل الملائکة والانس والجن وسائر الحیوانات علی اختلاف اشکالھم و انھم و طباعھم و اجناسه وانواعھم وقدفرقھم فی اقطار السمٰوات والارض (ابن کثیر)

لفظ دابہ شامل ہے فرشتوں اور انسانوں اور جنات اور سارے حیوانات کو باوجود ان کے شکل رنگ طبیعت جنس و نوع کے سارے اختلاف کے اور اللہ نے انہیں پھیلا رکھا ہے اطراف زمین و آسمان میں۔

اور سب سے بڑھ کر کمال دکھایا ہے تابعی مجاہد بن جبیر نے جو دوسری بھی نہیں۔ بلکہ پہلی صدی ہجری میں گزرے ہیں جب کسی ذہن میں تصور بھی سیاروں میں آبادی کا نہیں ہوا

تھا۔ وہ آیت قرآنی کی بناپر اس وقت بھی آسمانوں میں آبادی کے قائل ہو گئے تھے۔

وظاهر الاٰية وجود ذلك فى السمٰوٰت و فى الارض وبه قال مجاهد (روح)

آیت کے ظاہر الفاظ سے نکلتا ہے کہ دابہ کا وجود آسمانوں میں بھی ہے اور زمین پر بھی اور یہی قول مجاہد کا ہے۔

آخر میں اتنا اور ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید نے لفظ سمٰوات جہاں جہاں استعمال کیا ہے۔ اس کے اسی عموم میں کیا ہے جو لغت عرب میں موجود ہے۔ یعنی ہر بلند شے۔ ہر وہ شے جو زمین سے اوپر کی طرف معلوم ہوتی ہے اور جس کے تحت میں بادل ضبابے اور سارے اجرام فلکی آ جاتے ہیں۔ یونانی فلسفہ کے اصطلاحی فلک اور فلک الافلاک کا مرادف وہ ہرگز نہیں اور سیارے آج جتنے پائے جاتے ہیں بہر حال احاطہ سماوات ہی کے اندر پائے جاتے ہیں۔ ایک مریخ کیا معنیٰ سارے ہی سیاروں میں اگر آبادی کا وجود محقق ہو جائے تو مومن کو اپنے ایمان کی طرف سے مطلق خطرہ نہیں۔ اس کا ایمان صرف قرآن مجید پر ہے اور اس کی ان شرحوں پر جو لغت عرب اور ارشادات رسول معصوم کے مطابق ہوں نہ کہ ان تعبیرات پر جو یونان یا یورپ کہیں کے بھی فلسفہ میں ڈھال کر پیش کی جائیں۔

تائیدی اشارات

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی تھی کہ حکماء یونان اور بطلیموسیوں کے مصطلح افلاک کا اقرار و اثبات ہم پر لازم نہیں اور نظام شمسی اور اس کے متعلقات سب کا وجود آسمانوں کے نیچے تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جنت اور جہنم کے علاقوں کی بھی کسی قدر نشان دہی کی گئی تھی۔ ان کی تائید ملاحظہ ہو:۔

فلک کی تفسیر

(۱) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت مبارکہ **کل فی فلک یسبحون** کا ترجمہ فرماتے ہیں:۔

ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں پھر فائدہ کہ ہر ستارہ ایک ایک گھیرا رکھتا ہے

اسی راہ پر تیرتا ہے۔ معلوم ہوا ستارے آپ چلتے ہیں یہ نہیں کہ آسمان میں گڑھے ہوئے ہیں اور آسمان چلتا ہے نہیں تو پیرنا نہ فرماتے۔ (موضح القرآن)

(۲) فی فلک عن ابن عباسؓ الفلک السماء والجمهور علی ان الفلک موج مکفوف تحت السماء تجری فیه الشمس والقمر والنجوم یسبحون یسیرون ای یدورون (مدارک التنزیل ص۶۰/۳)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ فلک سماء ہے اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ آسمان کے نیچے موج مکفوف (مدور گھری ہوئی فضا) فلک ہے اور اسی میں سورج، چاند، ستارے چکر لگا رہے ہیں (مدارک، روح المعانی وغیرہ)

اکثر مفسرین نے فلک کے بارے میں موج مکفوف تحت السماء ہی کا نظریہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء سلف ہی میں یہ رائے طے شدہ حقیقت کے درجہ میں تھی کہ شمس وقمر و سیارات ونجوم سب اپنے اپنے مدار (افلاک یا موج مکفوف) میں چکر لگا رہے ہیں اور اس موج مکفوف کا علاقہ یا اس کے طبقات کی چوڑائی اور وسعت غیر معمولی ہے کہ لاکھوں نجوم و سیارے اس میں سمائے ہوئے ہیں اور یہ سب آسمانوں کے نیچے ہیں۔

(۲) فلک گول چیز کو کہتے ہیں چونکہ شمس وقمر کی حرکت متدیر ہے اس لئے مدار کو فلک فرما دیا۔ خواہ وہ آسمان ہو فضا بین السمائین یا فضا بین الارض والسما ہو یا ثخن سماء ہو۔ کوئی نص اس میں قطعی نہیں اور سلف سے تفسیریں مختلف ہیں (کما فی الدر المنثور) اس لئے اس کو مبہم ہی رکھنا اقرب الی الاحتیاط ہے۔

اور اگر یہ قول ثابت ہو جائے کہ شمس کی حرکت کسی مدار پر نہیں تو خواہ اس کی حرکت وضعیہ ہو جو محور پر ہے ایک کرۂ متوہمہ پیدا کرتی ہے فلک اس کو بھی عام ہو جائے گا اور اگر اس کی حرکت بھی کسی کوکب کے گرد ہوتی ہو جیسا کہ صاحب روح المعانی نے سورۂ رحمٰن میں آیت الشمس والقمر بحسبان کی تفسیر میں بعض فلاسفہ جدید کا قول نقل کیا ہے تو فلک بمعنی مدار ہی بے تکلف رہے گا۔ واللہ اعلم۔

اور حرکت وضعیہ بھی دال علی القدرۃ ہے کہ اتنے بڑے جسم میں تصرف ہے اور یہی مقصود

مقام ہے۔پس مقصود بالا فادہ یہ دلالت ہو جائے گی۔(بیان القرآن)

علاقہ جہنم

(۱)روح المعانی جلد ۲۷ **والبحر المسجور** کے تحت اور تفسیر ابن جریرؒ وغیرہ میں درج ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی سے سوال کیا کہ تمہاری تورات میں دوزخ کا مقام کہاں ہے؟ اس نے کہا بحر آپ نے فرمایا میں اس کو سچا سمجھتا ہوں اور پھر آپ نے آیت **والبحر المسجور** اور **واذاالبحار سجرت** تلاوت فرمائی۔

(۲)بخاری شریف باب التفسیر میں **والبحرالمسجور** کے تحت درج ہے کہ مسجور کے معنی آگ بھڑ کایا ہوا۔اور حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ سمندروں کو بھڑ کا کر ان کا پانی خشک کر دیا جائے گا کہ ایک قطرہ بھی ان میں نہ رہے گا اور اسی طرح **واذاالبحار سجرت** کے تحت بھی ہے۔

(۳)مختصر تذکرہ القرطبی للشعرانی میں ۔**باب ماجاء ان جھنم فی الارض وان البحر طبقھا** میں ہے۔

(۱)حضرت عبداللہ بن عمرؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ سمندروں کے نیچے نار(جہنم) ہے۔

(۲)حضرت عبداللہ بن عباسؓ آیت **واذاالبحار سجرت** کا مطلب بیان فرماتے تھے۔''جب سمندروں کو بھڑ کا کر نار جہنم[۱] بنایا جائے گا''۔

(۳)حضرت عبداللہ بن عمرؓ سمندروں کو طبقات جہنم میں سے شمار کرتے تھے۔

(۴)مسلم شریف (**باب مواقیت الصلوٰۃ** میں متعدد احادیث ہیں کہ ظہر کی نماز دو پہر کی شدید گرمی کے وقت سے مؤخر کی جائے' کیونکہ دوزخ[۲] کے سال میں دو سانس

---

[۱] مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے یہ الفاظ بھی نقل فرمائے کہ فرمایا ہم سب اس جہنم کے علاقہ میں ہیں اور یہاں کی سب چیزیں جہنم بننے کے لئے مستعد و تیار ہیں۔یہ بھی فرمایا کہ روح یہاں آتی ہے مجھے اس کی تحقیق ہوگئی ہے دوسروں کی رائے پیش کر کے مجھے مرعوب نہ کیا جائے۔

[۲] اس حدیث کی مکمل و مدلل شرح حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دام ظلہم کے قلم سے نقش دیوبند ماہ جولائی اگست دسمبر ۵۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔

جس طرح زمین کا اوپر کا حصہ سرد ہے اور اندر آگ کا مخزن ہے اسی طرح سائنس داں کہتے ہیں کہ سورج کی سطح پر (جو اندرونی حصوں کے مقابلہ میں برف کی مانند سرد ہے) صرف بارہ ہزار درجہ کی حرارت ہے۔جبکہ لوہا اور سخت سے سخت دھات بھی پانچ اور چھ ہزار درجہ حرارت سے پگھل جاتی ہے(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوتے ہیں۔ایک موسم سرما میں دوسرا موسم گرما میں اور جو کچھ تم سخت سردی محسوس کرتے ہو وہ بھی جہنم کے سانس سے ہے اور جو کچھ سخت گرمی ہوتی ہے وہ بھی اسی کے سانس سے ہے۔

سائنس جدید کی بھی تحقیق یہ ہے کہ کرۂ ہوا کے اوپر (جو زمین سے ۶۰ کلومیٹر تک ہے) سخت برودۃ ہے جس کو کرۂ زمہریر کہہ سکتے ہیں اس میں اگر انسان کا سر داخل ہو جائے تو ایک سیکنڈ سے بہت کم میں برف بن جائے اور زمین کے اندر حرارت ہے یہ آگ زمین کے اندر ۹۰ کلومیٹر پر ہے اور یہی مقدار قشر زمین کی موٹائی ہے۔جس کی نسبت پوری زمین سے وہی ہے جو انڈے کے چھلکے کو انڈے سے ہوتی ہے۔لہذا زمہریر ہمارے اوپر ہے اور سعیر نیچے ہے اور دونوں کا تعلق مطابق حدیث مذکور جہنم سے ہے۔

نیز جدید تحقیق یہ بھی ہے کہ زمین سورج کا ہی ایک ٹکڑا ہے جو اس سے الگ ہوکر ایک مدت تک سخت گرم رہا پھر اوپر کا حصہ سرد ہو کر قابل سکونت ہوا کیونکہ سورج کو آگ کا دہکتا ہوا کرہ مانتے ہیں۔

یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ زمین کے تمام حصے زلزلوں کی زد میں ہیں اور سالانہ تیس ہزار اور روزانہ ایک سو زلزلوں کا اوسط مانا گیا ہے اور چونکہ اکثر زلزلے ہلکے ہوتے ہیں یا سمندروں میں ہوتے ہیں اس لئے ہمیں محسوس نہیں ہوتے۔

اور وجہ زلزلوں کی کثرت کی یہ ہے کہ ہم زمین کے کرۂ نار پر رہتے ہیں جو اندر کی آگ کی وجہ سے ہمیشہ مضطرب اور بے قرار رہتا ہے۔

اور ہمارے اور اس آگ کے درمیان زمین کا چھلکا حائل ہے جو ہر وقت حرکت و اضطراب کے لئے آمادہ و مستعد ہے چونکہ نیچے کی آگ کی وجہ سے اس میں سکڑنے اور نشیب و فراز کی کیفیت ہر وقت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

اس انکشاف کے بعد حدیث ان البحر نار یا ان تحت البحر نارا یا ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پھر اس کی کل حرارت جو زمین کو پہنچتی ہے وہ اس حرارت کے مقابلہ میں جو اس کی اندر کی اصلی حرارت ہے کئی اربوں حصہ کم ہے گویا زمین نار جہنم کا چھوٹا حصہ ہے اور سورج بڑا اور اس طرح نہ معلوم کتنے اور ناری کرّے اس دنیا کے جہنمی حصہ میں مستور ہیں اور ان کا ظہور و مظاہرہ یوم تبلی السرآئر تک موخر ہے کہ اس وقت یہ سب جہنم کی قناتیں بن کر دنیا کے حاملین کفر و شرک و معاصی کو گھیر لیں گی اور کوئی مددگار قوت و طاقت اس عذاب محیط سے نجات دلانے والی نہ ہوگی۔ اللهم اعذنامنه بجاه حبيبک سيدالمرسلين صل وسلم عليه كما تحب و ترضى

البحر من جهنم احاط بهم سرادقها کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔

یہ بھی تحقیق کیا گیا ہے کہ اندر جو آگ ہے وہ اوپری زمین کی آگ سے دسیوں گنا زیادہ قوی وشدید ہے اس سے حدیث کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ہماری آگ جہنم کی آگ سے ستر درجہ گرمی میں کم ہے یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مسلم شریف میں ہے۔

علاقہ جنت

فرمایا:۔ساتویں آسمان سے عرش تک جنت کا علاقہ ہے اور نیچے سب دوزخ کا علاقہ ہے لیکن بعض چیزیں جنت کی عاریت آئی ہوئی ہیں۔جیسے حدیث میں ہے ما بین منبری و بیتی روضة الخ یعنی وہ حصہ جنت سے آیا ہوا ہے اور وہیں چلا جائے گا۔

حدیث بخاری میں ہے کہ خدا سے جنت الفردوس مانگو کیونکہ فردوس کی چھت عرش ہے۔

اور عند سدرة المنتهیٰ آیا ہے اور وہ بروئے حدیث ساتویں آسمان پر ہے۔

لا تفتح لهم ابواب السماء کی تفسیر

فرمایا:۔(۱) آیت کریمہ لاتفتح لهم ابواب السماء کے تحت تفسیر خازن اور بغوی اعظم التفاسیر وغیرہ میں ہے کہ کفار کے اعمال وادعیہ ان کی زندگی میں اور موت کے بعد ان کی ارواح آسمانوں پر نہیں جاتیں اور نہ جنت میں داخل ہوں گی اور ان کی ارواح کو سجین کی طرف واپس کر دیا جاتا ہے اور ارواح مومنین کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور حضرت براء بن عازب سے مرفوعاً بھی یہی مضمون مروی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جنت کا علاقہ آسمانوں کے اوپر ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن سلام سے ماثور ہے کہ فرمایا ”جنت آسمان میں ہے اور دوزخ زمین میں“

(۳) علامہ ابن حزم نے فرمایا کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء علیہم السلام سے آسمانوں میں ملاقات کی“ اس سے معلوم ہوا کہ جنت کا علاقہ آسمانوں میں ہے۔

(۴) حضرت ابن مسعودؓ سے ماثور ہے۔فرمایا:۔

''قیامت کے دن ساری زمین دوزخ ہوگی اور اس کے علاوہ جنت کا علاقہ ہے اور اولیاء اللہ عرش کے سایہ میں ہوں گے''۔

(۵) روح المعانی میں آیہ کریم والسقف المرفوع کے تحت حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ سقف مرفوع سے مراد عرش الٰہی ہے وہ جنت کی چھت ہے۔

(۶) قرآن مجید میں متعدد جگہ فی جنة عالیة آیا ہے اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جنتیوں کا مقام ومحل عالم علوی ہے۔

روح کی گرفتاری اور صورت رہائی

یورپ میں علم الارواح ایک مستقل فن کی صورت میں مدون ہو گیا ہے اور اس پر بہت زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ عربی میں بھی علامہ فرید وجدی اور علامہ طنطاوی وغیرہ کی کتابیں قابل مطالعہ ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ و یورپ کے بڑے بڑے عقلاء' حکماء وفلاسفہ کو یقین کے درجہ میں یہ بات محقق ہوگئی ہے کہ ارواح سے ان کا اتصال شک و مغالطہ سے پاک ہے۔ اور جو کچھ معلومات ان کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہیں۔ یا آئندہ ہوں گی وہ صحیح ودرست ہی ہیں۔ ان معلومات میں سے یہ بھی ہے کہ:۔

ارواح زمین سے منتقل ہو کر حسب استعداد فطری عالم بہ عالم اوپر چڑھتی ہیں حتیٰ کہ سب سے اوپر کے عوالم سماویہ تک بھی جاتی ہیں یہ بھی علاقہ جنت کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ جنت کا علاقہ آسمانوں سے اوپر ہے جس کو عالم علوی سے موسوم کرتے ہیں اور نیچے کا سارا علاقہ جہنم کا ہے اور ہمیں حکم الٰہی ہے کہ اعمال صالحہ کر کے اس علاقہ سے نکل جائیں۔

حضرت مجدد کے ارشادات

اس آخری جملہ کی مناسبت سے حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کے دو مکتوب دیکھیے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

(۱) حصہ دوم دفتر اول مکتوبات کے مکتوب شصت و چہارم میں ہے۔

دنیا کے لذت والم کی دو قسمیں ہیں۔ جسمانی اور روحانی، جن چیزوں سے جسم کو لذت حاصل ہوتی ہے روح کو ان سے تکلیف پہنچتی ہے اور جن چیزوں سے جسم کو تکلیف واذیت پہنچتی ہے روح کو ان سے لذت ملتی ہے گویا روح وجسم ایک دوسرے کی نقیض وضد ہیں۔

روح کی پرواز وغیرہ

اور روح عالم بالا سے جسم میں اتر کر جسم وجسمانی علائق میں گرفتار ہوگئی ہے بلکہ بوجہ غایت قرب واتصال جسمانی خواص حاصل کر چکی ہے اسی لئے وہ جسم کے ساتھ ساتھ اسی کی طرح لذت والم سے متاثر ہونے لگتی ہے لیکن یہ بات عوام کالانعام میں ہوتی ہے۔

افسوس ہزار افسوس ہے اگر روح علوی جسم سفلی کی اس گرفتاری سے
خلاصی حاصل کر کے اپنے وطن اصلی کی طرف رجوع نہ کر سکے۔

درحقیقت یہ روح کی بیماری ہے کہ اپنی تکلیف کو لذت اور لذت کو الم سمجھنے لگی ہے۔ جس طرح کی صفراوی بیماری میں مبتلا آدمی شیریں چیزوں کو تلخ سمجھنے لگتا ہے۔

لہذا عقلاء کو چاہئے کہ اپنی روح کو اس بیماری سے نجات دلانے کی پوری فکر کریں تاکہ دنیا کے ظاہری آلام ومصائب اور تکالیف شرعیہ کو بطیب خاطر برداشت کریں۔

اگر اچھی طرح سوچا سمجھا جائے تو یہ بات بے شبہ واضح ہے کہ دنیا کے آلام ومصائب اگر دنیا میں نہ ہوتے تو دنیا ایک جو کے برابر بھی قیمت نہ رکھتی۔ گویا تلخی حوادث دوا کی تلخی کی طرح مفید ونافع ہے کہ اس سے ازالہ مرض ہوتا ہے۔ **الدنیا سجن المؤمن** لہذا یہاں راحتوں، لذتوں اور عیش وعشرت کی تلاش وجستجو عقل ودانش کے خلاف ہے۔

(۲) حصہ دوم دفتر اول کے مکتوب نودونہم۔ بنام ملا حسن صاحب کشمیری میں فرمایا۔

روح انسانی کے لئے ترقیات وعروج کی راہیں اس جسم مادی کے تعلق سے پیشتر مسدود تھیں وہ فرشتوں کی طرح ایک حال ومقام پر قائم تھیں لیکن حق تعالیٰ نے اس جوہر نفیس کی سرشت میں عروج وترقی کی استعداد ودیعت فرمائی تھی اور اسی کی وجہ سے اس کو فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی۔ مگر اس کا ظہور نزول جسمانی پر موقوف کر دیا تھا۔

اور چونکہ روح وجسم ایک دوسرے کی نقیض ومتضاد تھے ایک جوہر نورانی دوسرا پیکر ظلمانی اس لئے ان کا اجتماع پھر باہم وابستگی دشوار تھی۔

اس کی تدبیر حق تعالیٰ نے اپنے بے پایاں کرم اور فضل وحکمت سے یہ کی کہ روح کو نفس کے ساتھ تعلق[1] غایت محبت وعشق کا عطا کیا جس سے ان دونوں کا باہم ربط قائم ہوگیا اور دنیا کی زندگی یکجائی بسر کرنے کا سامان ہوا آیہ کریمہ **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل سافلین** میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے‘ اور یہ تنزل روح اور گرفتاریٔ عشق حقیقت مدح وتعریف بطریق مذمت ہے کہ اسی کے باعث اس کو بام عروج پر پہنچنا ہے۔

غرض روح نے اس تعلق عشق ومحبت کی وجہ سے اپنے آپ کو پوری طرح سپرد نفس کر کے اس کی تابعداری اختیار کر لی۔ اور اپنی ملکوتی حقیقت کو بھلا کر ہم رنگ نفس امارہ بن گئی کیونکہ روح کی سرشت میں اس کے کمال لطافت کے باعث یہ بھی ہے کہ جس کی طرف بھی اس کا میلان ہوتا ہے اسی کے حکم اور احکام کی تعمیل کرنے لگتی ہے۔

پس جب اس کی وارفتگی خود فراموشی کی حد تک پہنچی تو اس کا لازمی اثر ہوا کہ حضرت حق تعالیٰ سے جو سابق تعلق ونسبت آگاہی میسر تھی وہ بھی فراموش ہوگئی اور غفلت نے ظلمت کے حجابات حائل کر دیئے۔

اسی لئے حق تعالیٰ نے اپنے کمال فضل وکرم وبندہ نوازی سے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور ان کے ذریعہ سے اپنی طرف بلایا اور سختی سے احکام دیئے کہ روح اپنی معشوقہ نفس امارہ کی تمام خواہشات کو ٹھکرا دے (اور نفس کو مجبور کرے کہ وہ احکام الٰہی کی فرمانبرداری کر کے نفس مطمئنہ بن جائے)

پس جو روح (عالم علوی کی طرف) واپسی کا سامان کرے گی وہ فائز المرام ہوگی اور جو اپنا سر خیال بلند نہیں کرے گی اور زمینی کثافتوں میں کھوئی ہوئی رہے گی وہ بہت بڑی گمراہی کا شکار ہوئی۔

---

[1] روح علوی اور اس جسم سفلی میں باوجود اس تفاوت زمین وآسمان کے وہ رابطہ ہے جو آہن کو مقناطیس کے ساتھ ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ آنے کے وقت بے تکان آجاتی ہے اور جانے کے وقت بدشواری اور بجبوری جاتی ہے اسی لئے اگر جبر خارجی ہٹ جائے تو پھر وہ بالضرور اپنی جگہ پر آجائے۔ (قبلہ نما ص ۱۳)

جزاء وسزاء عین اعمال ہے

فرمایا:۔ آخرت میں اعمال کا ثمرہ جو ملے گا وہی عمل ہوں گے۔ ان کی ایک صورت ہے عالم دنیا کی اور دوسری عالم آخرت کی۔ عمل ایک ہی ہے لیکن مکان کے اعتبار سے فرق ہے کہ وہی عمل وہاں جزاء کی صورت میں ہوگا اور اس کی دلیل آیت قرآنی **ووجدوا ما عملوا حاضراً** ہے جس کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا لیکن میں کہتا ہوں کہ بعینہ اپنے کئے ہوئے اعمال ہی کو آخرت میں موجود پائیں گے اور یہ مفہوم دوسری آیات واحادیث سے بھی مؤید ہوتا ہے۔

اور فرمایا کہ اسی سے منشق ہو کر تقدیر بھی نکلی ہے۔ یعنی جبر وقدر کا مسئلہ بھی اسی سے حل ہو جاتا ہے کہ جزاء جب عین عمل ٹھیری تو اچھے عمل کا ثمرہ اچھا اور برے کا برا ہونا ہی چاہئے۔

دانہ خلاف تخم نے ہر چہ بود ز جبر وقدر آنچہ کہ کشتۂ در وحطہ ز حطہ جوز جو

یہ بھی واضح ہو کہ افعال عباد بطور شئی واحد ذو وجہین ہیں نہ کہ شئی واحد ذو جزئین کہ خلق و کسب دو چیزیں الگ الگ ہوں اور ان کا فرق کر کے دکھلایا جائے۔

پھر فرمایا کہ امام غزالیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ ایک مخزن ہے آگ کا جس کو تمام عالم میں پھیلا کر دوزخ بنادیا جائے گا۔

اور موجودہ سائنس کا نظریہ یہ ہے کہ پانی وہوا میں بھی بجلی ہے اگرچہ ضعیف ہے اور زمین میں بھی بجلی ہے۔ گویا یہ سب چیزیں نار بننے کے لئے مستعد ہیں۔

پھر اس کے ساتھ میری رائے یہ ہے کہ ہمارے ان اعمال میں بھی نار بننے کی صلاحیت و استعداد موجود ہے۔ لہذا یہ اعمال بد بھی نار بن جائیں گے۔ **ووجدوا ماعملوا حاضراً ولا یظلم ربک احداً** . (کہف)

اس کے بعد فرمایا کہ قبر میں تمام اعمال مصور ہو کر آئیں گے۔ چنانچہ ابوداؤد ومسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ قبر میں ایک شخص حسین وجمیل شکل والا بہترین پاکیزہ لباس میں مردہ کے پاس آئے گا اور وہ عمل صالح ہوگا اور ایک شخص بدصورت، ہیبت ناک شکل میں آئے گا اور وہ عمل بد ہوگا۔

نیز صحیح ابن حبان میں حدیث ہے کہ قبر میں وحشت کے وقت قرآن مجید سر کی طرف سے زکوٰۃ پیروں کی طرف سے، نماز داہنی جانب سے اور روزہ بائیں طرف سے حفاظت کریں گے اور مونس ہوں گے۔

اور ترمذی شریف میں ہے کہ نماز برہان ہے، اس سے میرا ذہن گیا کہ داہنی طرف اس لئے ہے کہ برہان بھی دستاویز ہے جو داہنے ہاتھ میں ہوا کرتی ہے اور روزہ بطور ڈھال ہے کہ بائیں ہاتھ میں ہوا کرتی ہے۔ قرآن مجید سر کی طرف سے اس لئے کہ بادشاہ کا کلام ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے بچہ کو قرآن مجید پڑھائے گا اس شخص کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا۔

اور چونکہ چل پھر کر مال کمایا تھا۔ (جس سے زکوٰۃ دی) اس لئے صدقہ پیروں کی طرف سے حفاظت کرے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ قرآن حجت کرے گا خدا کے سامنے یعنی بخشوانے کے لئے مگر یہ جب ہے کہ اطاعت کی ہوگی اور قرآن کے مطابق عمل کئے ہوں گے ورنہ وہ پیچھے پیچھے ہو گا یعنی مدعا علیہ بنائے گا۔ **والقرآن حجة لک او علیک**

پھر فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا کشف ہے۔ محشر میں پیشی کے وقت داہنی طرف اللہ اکبر بائیں طرف سبحان اللہ پچھلی طرف الحمد للہ اور سامنے سے لا الٰہ الا اللہ یہ چاروں کلمات رفیق ہوں گے۔

یہ ترتیب اسی لئے ہے کہ اللہ اکبر اعلان کی چیز ہے چنانچہ نعرۂ تکبیر جہاد وغیرہ میں ہے اور علم جہاد بھی داہنے ہاتھ میں ہوتا ہے لہٰذا داہنی جانب مناسب ہے۔

سبحان اللہ تسبیح ہے نقائص وعیوب سے اور صفت سلبی ہے۔ لہٰذا ڈھال کی جگہ (بائیں طرف) مناسب ہے۔ الحمد للہ یہ آخر میں اور ہر کام سے پیچھے ہوا کرتا ہے جیسے کھانے کے بعد اور ترازو میں بھی آخر میں ہوگا۔ لہٰذا پیچھے ہونا مناسب ہے۔

اور **لاالٰہ الا اللہ** چونکہ ہادی وراہنما ہے اس کا سامنے ہی ہونا مناسب ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ جس قدر نیکیاں ہیں وہ محشر میں سواریاں ہو جائیں گی اور بدیاں بوجھے ہو جائیں

گے۔ اسی لئے قرآن مجید میں اوزار کا لفظ ہے یعنی بوجھے کیونکہ نیکیوں پر بہ مشکل اپنے آپ کو چڑھایا تھا اور بدیوں پر لذت کی وجہ سے بطوع ورغبت سوار ہوتا تھا۔

راقم الحروف جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ شاید حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا مستدل اس کے لئے حدیث ذیل ہو جو مختصر تذکرۃ القرطبی للشعر انی ص ۳۹ میں ہے۔

حضرت عمر بن قیس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مومن جب روز قیامت میں اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کا نیک عمل بہترین خوشبو سے معطر حسین وجمیل صورت میں استقبال کرے گا اور کہے گا۔ کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔

وہ کہے گا نہیں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شکل وشمائل کو بہت ہی خوب بنایا ہے۔ وہ جواب دے گا در حقیقت تم ہی دنیا میں ایسے اچھے تھے اور میں تمہارا وہی عمل صالح تو ہوں جو دنیا میں تمہارے اوپر بار ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا آج تم مجھ پر سوار ہو کر میدان حشر میں چلو گے۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ **یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفداً** (ترجمہ جس دن ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمان بلائے ہوئے (مریم) یعنی معزز مہمان بن کر پیش ہوں گے۔)

کافر کے سامنے اس کا عمل بدترین شکل میں سخت ترین بدبو لئے ہوئے آئے گا اور سوال کرے گا کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟

وہ کہے گا نہیں البتہ اتنا سمجھ رہا ہوں کہ خدا نے تمہاری شکل وشمائل بدترین بنائی ہے۔ وہ جواب دے گا کہ در حقیقت تم ہی دنیا میں ایسے تھے اور میں تمہارا وہی برا عمل ہوں۔ جس کو تم نے اپنی مرغوب سواری بنایا تھا لہٰذا آج میں تم کو اپنی سواری بنا کر میدان حشر میں لے چلوں گا۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ **وھم یحملون اوزارھم علیٰ ظھورھم الا سآء مایزرون** (انعام) اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر خبردار ہو جاؤ کہ برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھائیں گے۔

سورۂ کہف میں فرمایا:۔ **و قل الحق من ربکم فمن شآء فلیؤمن و من شآء فلیکفر انآ اعتدنا للظالمین ناراً احاط بھم سرادقھا**

آپ کہہ دیجئے سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے ہم نے تیار کر رکھی ہے گناہ گاروں کے واسطے آگ کہ گھیر رہی ہیں ان کو اس کی قناتیں (یعنی وہ بھی آگ کی ہوں گی)

محدث دارمیؒ نے روایت کی ہے کہ سورۂ الم تنزیل السجدہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں مجادلہ کرے گی یعنی اس کو عذاب سے بچانے کی کوشش کرے گی (تذکرۃ الموتیٰ والقبور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ)

محدث ابو نعیمؒ نے حلیہ میں روایت کی ہے کہ جب مسلمان کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے نیک اعمال اس کو گھیر لیتے ہیں اور عذاب کے فرشتوں کو روکتے ہیں۔

صحیحین میں حدیث ہے کہ جس وقت کوئی مرتا ہے تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں۔ گھر کے لوگ، مال اور اعمال، ان میں سے پہلی دو چیزیں واپس آ جاتی ہیں اور عمل اس کے پاس باقی رہ جاتا ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ نے روایت کی ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اس کی موت کے وقت جب عذاب کے فرشتے اس کے پاس قبض روح کے لئے آتے ہیں تو قرآن مجید آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے پروردگار یہ شخص میرا مسکن ہے کہ آپ نے مجھ کو اس میں ٹھہرایا تھا حق تعالیٰ فرمائے گا کہ اچھا قرآن کے مسکن کو اس کے لئے چھوڑ دو۔

محدث اصفہانیؒ راوی ہیں کہ قبر میں مردہ کے لئے کوئی چیز کثرت استغفار سے زیادہ محبوب وپسندیدہ نہیں ہے۔

اسی طرح بہ کثرت آیات واحادیث ایسی ہیں جن سے حضرت شاہ صاحبؒ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حیات انبیاء علیہم السلام

درس بخاری شریف میں باب نفقۃ نساء النبی صلے اللہ علیہ وسلم بعد وفات پر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں احیاء ہیں اس لئے لامحالہ ازواج مطہرات کو نفقہ خدا کے مال یعنی بیت المال سے جاری رہا اور چاہو تو یوں سمجھ کہ جب انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرلیا تو ان کا نفقہ بھی خدا کے مال سے متعلق ہوگیا۔

پھر یہ آیۂ قرآنی ''ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا'' کے ضمن میں حیات انبیاء علیہم السلام اور حیات شہداء کی تحقیق فرماتے ہوئے فرمایا کہ حیات بمعنی افعال حیات ہے ورنہ ارواح سب ہی مومنوں کی ہوں یا کفار کی زندہ ہیں۔ البتہ کفار کی ارواح معطل ہیں۔ افعال حیات ان میں نہیں پائے جاتے۔

اسی لئے قرآن مجید اور حدیث شریف میں جہاں بھی حیات کا ذکر آیا ہے اس کے ساتھ کوئی فعل بھی افعال حیات سے ضرور ذکر کردیا گیا ہے۔ مثلاً ''بل احیاء عند ربھم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کے مذکورہ بالا نظریہ کی تقویت ہوتی ہے اور یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ عالم مجازات اسی عالم شہادت میں مستور ہے۔

اس مقام کی مناسبت سے حضرت الاستاذ العلام کشمیری قدس سرہ کی اس مشہور عربی نظم میں سے تین شعر پیش کرتا ہوں جس میں حضرتؒ نے مسئلہ تقدیر و مسئلہ مجازات کو حل فرمایا ہے اور ان کا ترجمہ اپنے مخدوم و محترم علامہ مولانا محمد بدر عالم صاحب مرحومؒ کا نقل کرتا ہوں جو آپ نے اپنی گراں قدر علمی و حدیثی تالیف ''ترجمان السنۃ'' جلد سوم میں کیا ہے۔

و یثمر شر ما ینبغی لہ   فیز عمہ الظلم الصریح جھول

(ترجمہ) رہا جزاوسزا کا مسئلہ تو وہ واضح ہے کہ شر سے شر ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ جاہل آدمی اس کو ظلم سمجھنے لگتا ہے۔

کایرات خبث البذر خبث نباتہ طباعاً ولا یاتیہ قال یقول

(ترجمہ) دیکھو اگر خراب درخت کا تخم ہو تو کیا اس سے ویسا ہی درخت طبعًا پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہاں کون سوال و جواب کرتا ہے کہ اس تخم سے خراب درخت ہی کیوں پیدا ہوا؟

ولیس جزاء ذاک عین فعالنا   ولکن ستراحال سوف یزول

ترجمہ (اگر غور کرو تو جس کو تم جزا سمجھ بیٹھے ہو' یہ جزا نہیں' وہی دنیا میں کئے ہوئے تمہارے اچھے برے اعمال ہیں جو دوزخ اور جنت میں عذاب و ثواب کی شکل میں نظر آئیں گے)

جو حجاب یہاں ہماری آنکھوں پر اس حقیقت کے دیکھنے سے مانع ہو رہا ہے۔ قیامت میں وہ اٹھ کر رہے گا اس وقت یہ بات صاف صاف نظر آجائے گی اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا اور دنیا میں ناواقف لوگ ہی خدا کی تقدیر کو ظلم وغیرہ سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

یرزقون ‘‘ میں ان کا مرزوق ہونا ذکر فرمایا جو زندوں کا فعل ہے یعنی اگرچہ دوسرے بھی زندہ ہیں مگر ان لوگوں کو رزق بھی دیا جاتا ہے یہ زندوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور اسی لئے ان کو زندہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔

حدیث میں ہے کہ شہداء سبز پرندوں کے جوف میں ہو کر داخل جنت ہوں گے۔ لیکن حدیث موطا کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ سبز پرندوں سے مشابہ ہوں گے۔ نہ یہ کہ سبز پرندے۔ ان کے لئے بطور ظرف ہوں گے۔

نیز موطا مالک باب الشہید میں یہ بھی حدیث ہے کہ مومن کی نسمہ ایک پرندہ ہوتی ہے کہ جنت کے باغوں میں کھاتی پیتی پھرتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سواء شہداء کے عام مومنوں کا حال بھی ایسا ہوگا۔ یہ واضح ہو کہ یہ ان کے مثالی ابدان ہوں گے صرف ارواح نہیں اور شاید ان کے جنتی ارزاق حشر سے پہلے ہی ان کو عطا فرما دیئے گئے اور باقی لوگوں کے لئے اپنے جنتی ارزاق سے متمتع ہونا یوم قیامت تک مؤخر کر دیا گیا۔

پھر فرمایا کہ حدیث میں اکل و شرب کو نسمہ کی طرف منسوب کیا ہے نہ کہ بدن یا جسد کی طرف اس لئے کہ وہ مدفون ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ نسمہ جسد اور ارواح کے علاوہ چیز ہے کیونکہ روح کی طرف بھی بغیر اتصال جسد مادی یا مثالی کے اکل و شرب کی نسبت نہیں ہوتی۔

الحاصل یہ بات واضح ہوگئی کہ آیت مذکورہ بالا کی غرض و غایت صرف ان کی زندگی بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ افعال حیات کے ساتھ تعلق بتلانا ہے۔ لہذا یرزقون فرمایا اور حدیث میں **یعلق فی الجنۃ** فرمایا۔

پھر انبیاء علیہم السلام کے احوال میں نماز کا ذکر فرمادیا کہ وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں ’’اور شرح الصدور فی حوال الموتی والقبور‘‘ میں ہے کہ انبیاء حج بھی کرتے ہیں اور انبیاء کے تذکرہ میں نماز[۱] و حج کا ذکر آیا اور تلاوت قرآن مجید کا دوسروں کے لئے۔

پس ان سب اقسام افعال کے ذکر سے یہی بتلانا ہے کہ انبیاء شہداء اور مومنین کی زندگی

---

[۱] بعض اولیاء کے حالات میں نظر سے گزرا کہ وہ اپنی زندگی میں تمنا اور دعائیں کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد قبور میں بھی ان کو نماز پڑھنے کی توفیق ملے چنانچہ ان کی دعائیں قبول ہوئیں اور ان کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا یہ شاید اسی لئے ہوا کہ عام حالات میں غیر انبیاء کے لئے نماز حج وغیرہ نہیں ہے۔

موت ظاہری کے بعد بھی افعال حیات کی وجہ سے دوسرے انسانوں کی زندگی سے ممتاز ہوگی۔

آیت قرآنی واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا (زخرف) کے ضمن میں فرمایا کہ اس سے حیات انبیاء علیہم السلام پر استدلال کیا گیا ہے۔

چنانچہ مشہور و مستند تفاسیر میں اس کا ذکر ہے۔

فرمایا کہ بیہقی کی حدیث "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" صحیح ہے حافظ ابن حجرؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ یہ روایت حضرت انسؓ سے بھی ہے اور صحیح ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ مسئلہ ادیان سماویہ کا ہے کہ ارواح سب باقی رہتی ہیں کافر و مسلم کی اور قبر میں تعطیل محض باطل ہے۔ قبر ثمرہ ہے حیات دنیا کا پس جو یہاں ذکر اللہ میں مشغول رہا ہوگا وہ وہاں بھی رہے گا۔

روح جو بدن مثالی ہے وہ تو خود ہی نماز پڑھ سکتی ہے پھر احیاء الخ سے کیا مراد ہے؟ میں تو کہتا ہوں کہ شریعت عرف عام پر چلتی ہے لہذا روح مع جسد مبارک مراد ہے۔

نیز حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے "خاتم النبیین" میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہمیشہ کے لئے جاری ہے جبکہ مورث خود موجود ہے کوئی نبوت کا وارث نہیں ہوسکتا[۱]۔

سردست حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے مذکورہ بالا ارشادات کی تائید میں چند ارشادات درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) بخاری شریف میں حضرت صدیق اکبر کا قول "لایذیقک اللہ الموتتین ابداً منقول ہے اور حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس قول سے منکرین حیات نے استدلال کیا ہے۔ پھر مثبتین حیات کو اہل سنت کا لقب دے کر ان کی طرف سے جوابات تحریر کئے ہیں اور اس قول ابی بکر رضی اللہ عنہ کی شرح فرما کر ثابت کیا ہے کہ انبیاء کو ارواح کے اعادہ کے بعد پھر سے اذاقہ موت سے دوچار ہونا نہیں ہے۔ (فتح الباری ابواب مناقب ابی بکرؓ وابواب الجنائز) لہذا حضرت صدیق اکبر بھی مثبتین حیات میں سے ہیں۔

---

[۱] اس کے علاوہ عقیدۃ الاسلام تحیۃ الاسلام وغیرہ میں بھی حضرتؒ سے بہ کثرت ایسے ارشادات ملتے ہیں جن سے انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ کا مسئلہ واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی بیشتر نقول حوالوں کے ساتھ انشاء اللہ "آب حیات" (مؤلفہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ) کے مقدمہ میں پیش کی جائیں گی۔

(۲) علمائے شافعیہ میں سے صاحب تلخیصؒ کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مال چھوڑا وہ حضور کی ملکیت پر اسی طرح باقی رہا جس طرح حالت حیات دنیا میں تھا اور وہ ملک ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوا جبکہ اموات کا ہوتا ہے (مدارج النبوۃ)

(۳) امام الحرمین شافعیؒ نے بھی قول مذکور ہی کی تائید کی ہے اور فرمایا کہ یہ تحقیق حضرت صدیق اکبرؓ کے اس عمل کے موافق ہے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اموال میں اختیار فرمایا۔

(۴) حافظ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں حیات انبیاء علیہم السلام کو دائمی قرار دیا ہے۔

(۵) حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ ''حیات انبیاء علیہم السلام'' میں تالیف کیا جو مشہور ومتداول ہے۔

(۶) علامہ سیوطیؒ نے ''خصائص کبریٰ'' میں اور ''حیات الانبیاء'' میں حیات کا اثبات فرمایا ہے۔

(۷) قاضی عیاضؒ نے ''شفاء'' میں حیات ثابت فرمائی۔

(۸) علامہ تقی الدین سبکیؒ نے ''شفاء السقام'' میں اثبات حیات کیا۔

(۹) علامہ ملا علی قاریؒ نے ''شرح الشفاء'' جلد دوم میں حیات انبیاء علیہم السلام کو معتقد و معتمد فرمایا۔ اور جمع الرسائل میں بھی ثابت کیا ہے۔

(۱۰) علامہ شوکانی نے ''تحفۃ الذاکرین'' شرح حصن حصین'' میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ثابت کی ہے۔

(۱۱) حضرت علامہ قرطبیؒ نے اپنے شیخ احمد بن عمرو سے نقل کیا ہے کہ یہ بات قطعی و یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت صرف یہ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں کہ ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں۔ جیسے ملائکہ کو باوجود زندہ موجود ہونے کے ہم نہیں دیکھ سکتے (کتاب الروح لابن القیم)

(۱۲) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''مدارج النبوۃ'' جلد دوم میں فرمایا کہ ''حیات انبیاء علیہم السلام'' متفق علیہ ہے۔ علمائے امت میں سے کسی نے اس سے اختلاف

نہیں کیا۔ اور حیات انبیاء حیات حسی دنیاوی ہے پھر احادیث و آثار سے اس پر کافی وشافی دلائل بیان فرمائے اور دوسری تصانیف میں بھی اس مسئلہ کو مشرح و مدلل فرمایا۔

(۱۳) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "فیوض الحرمین" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار بجسد عنصری دیکھنے کا ذکر فرمایا اور اس سے انبیاء علیہم السلام کی حیات قبور اور نماز پڑھنے وغیرہ کا اثبات فرمایا۔

(۱۴) حضرت بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب مفسر و محدث پانی پتیؒ نے آیہ **ولاان تنکحوا ازواجه ابدا** کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات قبر کا ذکر فرمایا اور آیہ **ولاتقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات** کے تحت میں حیات انبیاء علیہم السلام کا اثبات فرمایا۔

(۱۵) حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام پر اپنی متعدد تصانیف میں بحث فرمائی ہے۔ مثلاً مکتوب پنجم فیوض قاسمیہ مکتوب ۱۵ فیوض قاسمیہ، مکتوب ۵۶ فیوض قاسمیہ، جمال قاسمی، اجوبہ اربعین جلد دوم، تحذیر الناس اور لطائف قاسمیہ میں۔

لیکن سب سے زیادہ مکمل، مدلل، مشرح اور مبسوط بحث "آب حیات" میں ہے جو اپنے موضوع اور تحقیقات عالیہ کے اعتبار سے بے نظیر کتاب ہے۔ جس کے مضامین کی توثیق و تصویب حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمائی اور حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "آب حیات" میں "بمالامزید علیہ" ثابت کیا ہے۔

راقم الحروف نے حضرت نانوتوی قدس سرہ کے مضامین آب حیات کی تائید میں متقدمین و متاخرین کے ارشادات جمع کئے ہیں جو کسی دوسری فرصت میں پیش کئے جائیں گے۔

(۱۶) حضرت گنگوہیؒ نے "ہدایۃ الشیعہ میں" حیات انبیاء علیہم السلام کو ثابت کیا ہے۔

(۱۷) حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے بذل المجہود اور عقائد علماء دیوبند میں حیات دنیاوی فی القبور ثابت کی۔ اور اس کی توثیق علماء دیوبند و حرمین سے کرائی۔

(۱۸) حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نشر الطیب میں حیات قبر شریف اور

مشاغل مثلاً اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا۔ نماز پڑھنا' سلام سننا' سلام کا جواب دینا ثابت فرمائے۔

(۱۹) حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے مکتوب ۱۳۰ جلد اول میں فرمایا کہ

''آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ سب عام مومنین کی ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے''۔

(۲۰) حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم ص ۲/۴۴۱ میں فرمایا کہ:۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ سب مانتے ہیں زندہ ہیں' اور آپ اپنی قبر مبارک میں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں''۔

سماع موتیٰ وبقیہ مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام

فرمایا کہ قرآن مجید کی آیت "**انک لا تسمع الموتی** اور **وما انت بمسمع من فی القبور** میں نفی وجود سماع نہیں ہے بلکہ نفی انتفاع ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے اپنے منظومہ میں فرمایا:۔ ''وآیۃ النفی معناہا سماع ہدی'' الخ اور میں نے اس طرح ادا کیا ہے:۔ ''وآیۃ النفی فی نفی انتفاعہم (ای اجابتہم[۱])

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے ''تذکرۃ الموتیٰ والقبور'' میں امام احمد وغیرہ سے

---

[۱] مقبولین اور اولیاء اللہ سے تلاوت قرآن مجید اور نماز وغیرہ قبور میں ثابت ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے اس قول کی تائید حدیث ابی داؤد سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پر تشریف لائے اور دفن کے بعد فرمایا کہ اپنے بھائی (مردہ) کے لئے تثبیت کا سوال کرو کیونکہ اس سے اب سوال ہوگا۔ تو حضور نے خبر دی کہ اب اس سے سوال ہوگا اور وقت سوال وہ تلقین کو سنے گا۔ (الروح لابن القیم ص ۱۳)

اسی طرح یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ میت کو دفن کرنے والوں کے جوتوں کی آواز سنائی دیتی ہے جب وہ لوٹتے ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ بدر کے شہیدوں نے آپ کا کلام وخطاب سنا نیز مردوں پر بصیغۂ خطاب سلام عرض کرنا مشروع ہوا۔ جس طرح سننے والے حاضر کے لئے ہے اور حضور نے خبر دی کہ جو اپنے مومن بھائی پر سلام پیش کرتا ہے وہ اس کا جواب دیتا ہے۔ (الروح ص ۴۵)

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ''الروح'' میں ایک مستقل باب اس امر پر بھی قائم کیا کہ ارواح اموات آپس میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ جمع ہوتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں بلکہ وہ ارواح احیاء سے بھی ملتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں البتہ ان لوگوں کی ارواح بات کرنے سے قاصر رہتی ہیں جن کو کوئی وصیت کرنی چاہئے تھی لیکن وہ بغیر وصیت کئے مرگئے ہوں اور اس کے شواہد وواقعات ذکر کئے ہیں اور ایسی ہی تحقیق علامہ سیوطیؒ نے ''شرح الصدور'' میں کی ہے اور امام سیوطیؒ نے رسالہ حیاۃ الانبیاء میں ابوالشیخ سے ایک حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے کہ جو وصیت نہ کرے گا اس کو دوسرے مردوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

حدیث انسؓ نقل کی ہے کہ زندوں کے اعمال مردہ اقربا پر پیش ہوتے ہیں۔ اگر اچھے اعمال ہوتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں برے ہوتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ان کو ہدایت کر اور ہدایت کے بغیر ان کو موت نہ دے۔

حضرت گنگوہیؒ کے ''فتاویٰ رشیدیہ'' میں ہے کہ سماع موتی کے مسئلہ میں اختلاف عام مومنین کے بارے میں ہے ورنہ سماع انبیاء میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی لئے فقہاء نے قبر مبارک پر سلام عرض کرتے وقت شفاعت کا سوال کرنے کو لکھا ہے۔

سماع کے علاوہ مردوں کے کلام سننے کے بھی صحیح واقعات ملتے ہیں۔ ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک جگہ خیمہ لگایا اور تھوڑی دیر بعد اس جگہ اندر سے سورۂ ملک پڑھنے کی آواز آئی۔ وہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ سنایا تو آپ نے تصویب فرمائی۔ اسی طرح زید بن خارجہ صحابی کی وفات کا واقعہ ہے جو حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں پیش آیا کہ انتقال سے کافی دیر کے بعد کفن منہ سے ہٹایا اور باتیں کیں (تہذیب، عمدۃ الاخبار اکفار الملحدین)

چونکہ اس سے پہلے ملفوظ مبارک میں حیات انبیاء علیہم السلام کا ذکر مبارک ہو چکا ہے اس لئے حیات خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چند چیزیں مزید تشریح وتوضیح اور تائید کے لئے پیش کرتا ہوں امید ہے کہ علماء اور ارباب ذوق وشوق محظوظ ہوں گے۔

(۱) جس طرح ابھی عام مومنوں پر ''عرض اعمال'' کا ذکر ہوا سرور کائنات (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بھی ان کی امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے رسالہ ''حیات الانبیاء'' میں نقل کیا کہ استاذ ا کبر منصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادی شیخ الشافعیہ نے فرمایا:۔ ہمارے محققین متکلمین کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات کے زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کے نیک اعمال پر مطلع ہو کر خوش ہوتے ہیں اور برے اعمال سے محزون ہوتے ہیں۔ پھر ''رد روح'' کے معانی بیان فرماتے ہوئے ایک جواب یہ بھی دیا کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرے مشاغل مبارکہ اعمال امت کا ملاحظہ، برائیوں سے ان کے لئے استغفار، مصائب کے زوال کی دعا وغیرہ سے توجہ ہٹا کر

سلام پڑھنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے۔ کیونکہ سلام افضل اعمال اور اجل قربات ہے۔

جامع صغیر میں حدیث ہے کہ جمعہ کے روز انبیاء علیہم السلام اور والدین پر اعمال پیش ہوتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام پر آپ کی امت کے اعمال روزانہ صبح و شام پیش ہوتے ہیں۔ مسند بزار میں سند جید کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری زندگی تمہارے لئے بہت بہتر ہے کہ براہ راست تمہاری باتیں مجھ تک اور میری باتیں تم تک پہنچتی رہتی ہیں اور میری وفات بھی تمہارے واسطے بہتر ہی ہوگی کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے تو تمہاری نیکیوں پر میں خدا کا شکر ادا کروں گا اور برائیوں پر خدا سے تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ (شرح المواہب)

حضرت اقدس شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے عرض اعمال کی یہ حدیث ''عقیدۃ الاسلام'' میں ذکر فرما کر ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حافظؒ نے فتح الباری باب ''البکاء'' عند قراۃ القرآن'' میں ذکر کی ہے۔

حافظؒ فرماتے ہیں کہ:۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا کہ "**اقرأ علی**" مجھے پڑھ کر سناؤ۔ یہ تو روایت علی بن مسہر عن الاعمش میں ہے۔ اس کے علاوہ دوسری روایت بھی ہے جو محمد بن فضالۃ الظفری سے ابن ابی حاتم اور طبرانی وغیرہ نے نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:۔

میں نے اپنے والد سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی ظفر میں حضرت ابن مسعودؓ اور چند دوسرے صحابہ کو ساتھ لے کر تشریف لائے اور قرأت قرآن کے لئے ایک قاری کو حکم فرمایا اس نے پڑھا اور جب وہ اس آیت پر پہنچا **فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھؤلاء شھیداً** تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت روئے اور فرمایا:۔

جن لوگوں میں میں موجود ہوں ان پر تو میں شہادت دے سکتا ہوں لیکن جن لوگوں کو دیکھا بھی نہیں ان پر کس طرح شہادت دے سکوں گا؟

حضرت ابن مبارک نے زہد میں سعید بن المسیب کے طریقے سے ایک روایت نکالی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی امت صبح و شام

پیش نہ ہوتی ہو لہذا آپ ان کو ان کے خاص نشانات و اعمال سے پہچانتے ہیں اور اسی لئے آپ ان پر شہادت دیں گے۔

اس کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ اس مرسل سے حدیث ابن فضالہ کا اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ ابن بطال نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت کے وقت اس لئے روئے کہ آپ کے سامنے اس وقت روز قیامت کی ہولناکیاں اور وہ غیر معمولی صورتحال متمثل ہوگئی تھی جس کی وجہ سے آپ کو اپنی امت کے اعمال کی تصدیق کرنی پڑے گی اور سب لوگوں کے واسطے شفاعت کرنی ہوگی اور یہ ایسا امر ہے کہ اس کے لئے آپ کا دیر تک گریہ بکا مناسب تھا۔ حافظؒ اس توجیہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گریہ اپنی امت پر رحمت و شفقت کے باعث تھا کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ آپ ان پر ان کے اعمال کی شہادت دیں گے اور ان کے اعمال وہ بھی ہوں گے جو نافرمانی کی وجہ سے ان کو مستحق عذاب ٹھہرائیں گے واللہ اعلم (فتح الباری ص ۹/۸۵، ۹/۸۶)

(۳) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں درود وسلام کا پیش ہونا اور قریب والوں سے خود سننا اور جواب دینا اس کے بارے میں بہ کثرت احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں جن سے مسئلہ حیات پر روشنی پڑتی ہے۔

(۳) اور آیت "**واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا**" کو بڑے بڑے مفسروں نے واقعۂ اسراء پر محمول کیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا ہے۔

(۴) عدم توریث مال سے بھی حیات انور پر استدلال ہوا ہے چنانچہ حضرت امام الحرمین وغیرہ کے اقوال پیش ہو چکے ہیں اور حضرت گنگوہیؒ نے ہدایۃ الشیعہ میں ص ۱۶ پر فرمایا:۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ (فدک وغیرہ جائیداد) حضور کی ملک نہ تھا بلکہ وہ ملک بیت المال تھا۔ پھر میراث کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ملک تھی تب بھی آیت میں حکم میراث دوسروں کے لئے ہے حضور کے لئے نہیں کیونکہ دوسرے احکام مذکورۂ آیات مثلاً چار سے زائد نکاح وغیرہ کا عدم جواز وغیرہ بھی دوسروں کے لئے ہیں تو اب ترکہ تقسیم نہ ہونا اس لئے ہے کہ آپ اپنی قبر

شریف میں زندہ ہیں۔" ونبی اللہ حی یرزق"

اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آب حیات میں بمالامزید علیہ ثابت کیا ہے۔

۳۔ تیسرے اگر تسلیم کرلیں کہ آیات مذکورہ کے احکام عام ہیں آپ کے لئے بھی تو نحن معاشر الانبیاء حدیث مشہور ہے۔ اس سے ان کی تخصیص کریں گے۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہونا بھی حیات پر دال ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب تفسیر مظہری ص ۴۰۸ میں آیت وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا (احزاب) کے ضمن میں فرماتے ہیں:۔

"اور یہ بھی درست ہے کہ یہ حکم اس لئے ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اسی وجہ سے حضور کا ترکہ مورث نہیں ہوا اور نہ آپ کی ازواج مطہرات بیوہ ہوئیں"۔

(۶) سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر احکام بیوگی عدت وغیرہ بھی طاری نہیں ہوئے جیسا کہ اوپر حضرت قاضی صاحب اور دوسرے اکابر نے تصریح کی ہے لہذا یہ امر بھی دلیل حیات ہے۔

(۷) ازواج مطہرات کا نفقہ اور خدام کے مصارف حضرت صدیقؓ نے آپ کے مال یا بیت المال سے ادا کئے جس کی وجہ سے امام الحرمین وغیرہ نے تصریح کی کہ حضور کا سب ترکہ آپ کی حیات کی وجہ سے بدستور سابق رہا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کو اسی طرح صرف بھی کرتے رہے جس طرح آپ کی دنیا کی موجودگی میں ہوتا تھا۔ علامہ سبکیؒ نے اس موقع پر فرمایا کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی حیات مبارکہ کے اثرات احکام دنیوی میں بھی ہیں اور اس سے انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۴۲)

(۸) آیت "انک میت و انھم میتون سے استدلال کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت دوسروں کی موت سے ممتاز ہے جس طرح آپ کی قوم دوسروں کی قوم سے ممتاز تھی حالانکہ النوم اخ الموت صحیح ہے جس طرح نوم کے اثرات آپ پر وہ نہیں تھے جو دوسروں پر ہوتے ہیں اور اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔ یعنی غفلت نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے نوم انبیاء کو ناقض وضو نہیں قرار دیا گیا اسی طرح موت کے اثرات بھی

انبیاء علیہم السلام پر وہ نہیں ہوتے جو دوسروں پر ہوتے ہیں۔ اس بحث کو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بہت ہی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو علماء کے لئے عجیب و غریب علمی تحفہ ہے۔ اور اس سے علوم نبوت کے کمالات کا ایک نمونہ سامنے آجاتا ہے۔

سلامت اجساد انبیاء علیہم السلام سے بھی جو احادیث کثیرہ سے ثابت ہے حیات خاصہ انبیاء پر بڑا استدلال کیا گیا ہے کیونکہ سلامت اجساد کی خصوصیت عام و خاص مومنین بلکہ شہداء کے لئے بھی ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا انبیاء کی موت نہ صرف مومنین کی موت سے ممتاز ہے بلکہ موت شہداء سے بھی ممتاز ہوئی اور اس طرح موت کے درجات تین ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ حضرت نانوتویؒ اس کے قائل ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر موت واقع نہیں ہوئی یہ غلط ہے وہ اس کو مانتے ہیں مگر آپ کی موت کو مزیل حیات نہیں مانتے۔ ہم یہاں حضرتؒ کی تحقیق کا خلاصہ لکھتے ہیں۔

۱۔ (آب حیات میں ص ۱۵۵ تک حضرتؒ نے ضرورت و دوام حیات روحانی حبیب ربانی صلے اللہ علیہ وسلم ثابت کی ہے۔

۲۔ (پھر فرمایا:۔ کہ موت و حیات میں اگر چہ تقابل عدم و ملکہ بھی ہوسکتا ہے مگر حق یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقابل تضاد ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے **خلق الموت والحیاۃ**

اور آخرت میں ذبح ہونا موت کا بصورت (مینڈھا) کبش حدیث سے ثابت ہے۔ ان دونوں سے موت کا وجودی شئے ہونا واضح ہوتا ہے۔

۳۔ علاقہ روح و جسد نبوی علاقہ فعلی و فاعلی ہے اور یہ علاقہ ناقابل انقطاع ہوتا ہے لہٰذا مابین روح اطہر سرور عالم اور جسد مبارک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کسی حائل و حاجب کی مداخلت کی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کی موت بمعنی انقطاع علاقہ حیات متصور نہیں۔

۴۔ لہٰذا موت جسمانی حضرت حبیب ربانی جو کسی طرح قابل انکار نہیں بجز اس کے متصور نہیں کہ حیات جسمانی حبیب ربانی پردۂ موت کے نیچے مستور ہو جائے۔

فرق حیات نبوی و حیات مؤمنین

۵۔ ''حیات نبوی'' اور ''حیات مومنین'' میں فرق ہے کہ ثانی الذکر بوجہ عرضیت قابل

زوال ہے اور اول بوجہ ذاتیت نا قابل زوال۔ اسی لئے وقت موت حیات نبوی زائل نہ ہوگی ہاں مستور ہو جائے گی اور حیات مومنین ساری یا آدھی زائل ہو جائے گی۔ حضرت نے ان امور مذکورہ بالا کو ادلہ و امثلہ سے واضح فرمایا۔ (ص ۱۶۰/۱۶۴)

۶۔ حیات روح مبارک کا تعلق خود آپ کے بدن اطہر کے ساتھ تعلق فعلی و فاعلی ہے اور ابدان مومنین کے ساتھ تعلق انفعالی و منفعلی ہے اور بناء حیات قوت عملیہ پر ہے اور وہ قوت آپ کے اندر ذاتی اور دوسروں کے اندر عرضی ہے ص ۱۶۵۔

۷۔ علاقۂ روح و جسد نبوی بھی ممکن الانقطاع ضرور ہے۔ مگر مشیت الٰہی یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ منقطع نہ ہوگا جس کی طرف آیت **ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ...... ابداً** (۵۳ احزاب) کہ حرمت نکاح **الی الابد** فرمائی گئی ہے۔

۸۔ حیات انبیاء علیہم السلام اور حیات شہداء میں فرق باعتبار حرمت نکاح ازواج سلامت اجساد و عدم میراث وغیرہ ہے۔ ص ۱۶۸

۹۔ جس کی نوم کے وقت استتار حیات ہوگا اس کی موت کے وقت بھی استتار ہی ہوگا کیونکہ نوم موت کی بہن ہے۔ فرق ہوگا تو شدت وضعف استتار کا ہوگا۔

۱۰۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی خواب اور وحی بیداری میں کچھ فرق نہ ہونا بھی اسی طرح مشیر ہے کہ آپ کی نوم دوسروں کی نوم سے ممتاز تھی اور اسی طرح موت بھی الگ ہوگی ص ۱۶۹۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے جو ضرورت و دوام حیات روحانی حبیب ربانی صلے اللہ علیہ وسلم پر مفصل و مشرح تحقیق فرمائی ہے اور ارواح مومنین کا تعلق روح اطہر سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے روحانی ابوت و بنوت اور جزئیت کا اثبات فرمایا ہے وہی درحقیقت ''آب حیات'' ہے۔

۹۔ اس مضمون کی تائید سلف سے بھی ملتی ہے۔ مثلاً سیدنا الشیخ عبدالعزیز دباغ کی ''ابریز'' وغیرہ سے۔

ایک اشکال اور جواب

یہاں ایک مختصر ضروری اشارہ یہ بھی کر دینا مناسب ہے کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ

نے جب صاحب تلخیص اور امام الحرمین کی یہ تحقیق نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مال بوجہ حیات بدستور آپ کی ملک میں رہا اور دوسری طرف موت کو بھی ماننا ضروری ہے بوجہ نصوص قرآنی واحادیث تو اشکال پیش آیا کہ موت تسلیم کر لینے پر تو انتقال ملک وغیرہ احکام ثابت ہوں گے۔

تو علامہ موصوف نے اس اشکال کو اس طرح رفع کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت غیر مستمر ہے اور انتقال ملک وغیرہ کے احکام مشروط ہیں موت مستمر کے ساتھ۔ (نہ موت آنی کے ساتھ)

اسی طرح ''مدارج النبوت'' میں حضرت شیخ المشائخ مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے ذکر کیا کہ علامہ نووی نے امام الحرمین پر اعتراض کیا کہ یہ عجیب بات ہے کہ امام الحرمین یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور نے موت کے وقت اتنی بیویاں چھوڑیں اور حضور بوقت موت عشرہ مبشرہ سے راضی تھے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موت کی نسبت بھی کرتے ہیں اور حیات بھی ثابت کرتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

تو اس کا جواب علامہ زرکشی نے دیا ہے کہ یہاں کوئی تعجب کا موقع نہیں کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر موت طاری ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا۔ گویا وہ موت آنی تھی۔ زمانی نہ تھی واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظاہر ہے کہ حضرت اقدس نانوتویؒ نے جس طرح اس پوری بحث کو لکھا ہے اس کے اعتبار سے کوئی اشکال ہی اس قسم کا نہیں رہ جاتا۔ اور مسئلہ آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

حق یہ ہے کہ وقت واحد میں موت وحیات کے اجتماع کو حضرتؒ نے ایسی خوبی سے بہ دلائل عقلی ونقلی ثابت کیا ہے کہ دوسروں سے اس کا عشر عشیر بھی نہ ہوسکا۔

اس سلسلہ میں جن دشوار گزار وادیوں کو انہوں نے طے کیا' مشکلات مسائل حل کئے کتنے ہی سربستہ رازوں کا انکشاف کیا اور کتنی ہی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا یہ صرف آپ ہی کا حق وحصہ تھا۔

۱۰۔ آخر میں مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کی عبارت بابت حیات سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم درج کرتا ہوں جو نہایت واضح وصاف ہے اور اس کی تصدیق وتصویب حضرات اکابر علمائے دیوبند حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ حضرت مولانا احمد حسن

صاحب امروہویؒ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ حضرت مولانا تھانویؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ وغیرہ اور دوسرے اکابر حضرات علماء کرام حرمین شریفین وعلمائے مصر وشام نے کی تھی جو طبع ہو کر بار بار شائع بھی ہو چکی ہے۔

سوال یہ تھا کہ آیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں کوئی خاص حیات حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی ہے؟

جواب: ''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے۔ بلا مکلّف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ''انباء الاذکیاء بحیواۃ الانبیاء'' میں بہ تصریح لکھا ہے کہ:۔ علامہ تقی الدین سبکی نے فرمایا۔

انبیاء وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت کی حیات دنیوی ہے ایک معنی کر برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے نہایت دقیق اور اچھوتے طرز کا بے مثل جو شائع ہو چکا ہے اس کا نام ''آب حیات'' ہے۔

مسئلہ حیات میں وجہ تردد

نوٹ:۔ مسئلہ حیات میں ایک وجہ تردد تذبذب کی یہ بھی ہے کہ خصائص نبوت اور خصائص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا باب پیش نظر نہیں ہوتا۔ شرح المواہب کے باب الخصائص میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس میں تھوڑے تھوڑے لوگوں نے داخل ہو کر بغیر جماعت کے نماز ادا کی یہ خصوصیت بھی آپ کی موت کو دوسروں کی موت سے ممتاز کرتی ہے۔

شمائل ترمذی میں ہے کہ لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ سے سوال کیا کہ کیا ہم آپ کی نماز جنازہ پڑھیں؟ فرمایا ہاں! پوچھا کس طرح؟ فرمایا کچھ لوگ داخل ہوں۔ بغیر امام کے نماز پڑھیں اور دعا کریں اور اسی طرح پھر دوسرے نوبت بہ نوبت کریں۔

طبقات ابن سعد ص ۲/۷۰ میں ہے کہ حضرت علیؓ مواجہہ شریفہ میں کھڑے ہو کر دعائیں مانگتے رہے اور لوگ آمین کہتے رہے اور آپ نے فرمایا کہ کوئی آگے ہو کر امامت نہ کرے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی حالت حیات وموت میں تمہارے امام ہیں چنانچہ تھوڑے تھوڑے آدمی داخل ہو کر بغیر امام کے نماز ادا کرتے رہے۔ واللہ اعلم۔

امام اعظمؒ اور امام بخاریؒ

اثنائے درس بخاری شریف نویں پارہ ص ۳۰۶ میں ''قال حماد'' پر فرمایا کہ حماد استاد ہیں۔ امام اعظم کے، بلکہ امام ابوحنیفہ ان کی زبان ہیں اگرچہ کہنے والوں نے حماد کو بھی مرجیٔ کہہ دیا ہے ۔ پس حماد اور ابراہیم نخعی کے اقوال کو تو امام بخاری ذکر کرتے ہیں۔ لیکن امام صاحب کے اقوال نہیں لاتے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہؒ کے عقائد تو سب حماد علقمہ اور ابراہیم نخعی ہی سے ماخوذ ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حماد سے تو دوستی ہو اور ابوحنیفہ سے دشمنی ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ اعمال کو ایمان وعقائد میں کیسے داخل کیا جا سکتا ہے۔ یوں ہی گھر میں بیٹھ کر جو چاہو اعتراض کئے جاؤ۔ اور اپنا دین علیحدہ علیحدہ بنائے جاؤ مگر دین تو وہی ہوگا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

امام بخاری نے پہلے پارے میں کتاب الایمان کے ص ۹ پر کفر دون کفر کا باب قائم کیا اور خوب زور لگایا کہ عمل ذرا بھی کم ہوا تو کفر ہو گیا۔ اور وہاں کوئی بھی نرمی اختیار نہیں کی کہ اعتدال کی صورت پیدا ہو جاتی۔ پھر ستائیسویں پارہ میں جا کر ۱۰۰۲ پر باب ''مایکرہ من لعن شارب الخمر قائم کر دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عقیدہ درست ہو تو کبائر گناہوں، شراب خمر وغیرہ کی وجہ سے بھی ملت سے خارج نہ ہوگا کتاب الایمان میں اس کو نہیں لائے تھے۔ فرمایا:۔

مقبلی یمنی محدث نے کہا ہے کہ امام بخاری حنفیہ سے حدیثیں نہیں لیتے۔ اگرچہ بہت کم درجہ کے لوگوں سے لے لیتے ہیں۔ چنانچہ مثال دی ہے کہ امام محمد سے نہیں لیں اور مروان سے لیں جس کی کسی نے بھی توثیق نہیں کی رجال میں بلکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ مروان فتنہ پرداز خونریزیوں کا باعث اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث ہوا ہے اس کی غرض ہر جنگ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تا کہ ہم صاحب حکومت بنیں۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:۔

کون ہے جو حرم نبی پر دست درازی کرتا ہے؟ (مراد اپنے بھانجے ابن زبیر تھے) یہ سن کر اشتر نخعی چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر کوئی آیا اور اونٹ کے تلوار ماری جس سے عماری گرنے لگی اور حضرت علیؓ نے دیکھا تو فوراً وہاں پہنچ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گرنے سے بچالیا اور جنگ ختم ہوگئی۔

اسی طرح حضرت طلحہ و زبیر حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر جنگ سے واپس ہونے لگے تو مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہ کو تیر مار کر زخمی کر دیا کیونکہ اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے۔ اس میں حکومت کی طمع اور فتنہ پردازی کا مادہ غیر معمولی تھا۔

وزیر زیدی نے مستقل کتاب لکھی ہے جس میں امام بخاری پر اعتراضات کئے اور کہا کہ امام محمد سے روایات نہیں لیں اور پھر معمولی رواۃ دکھلائے جو بخاری میں آئے اور کسی نے ان کی توثیق نہیں کی۔ یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔

فرمایا:۔ ابن ابی اویس اور نعیم بن حماد کو بخاری میں کیوں لائے؟ شاید ان کے نزدیک کذاب نہ ہوں۔ پھر واقعہ کا علم خدا کو ہے ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اب جتنی جرحیں بھی سامنے آئیں گی امام ابوحنیفہ کے متعلق خواہ امام بخاری ہی سے آئیں وہ کسی درجہ میں بھی قابل قبول نہیں ہوں گی کیونکہ مخالفین پر ان کی جرحیں صحیح نہیں ہوتیں کمالا یخفی۔

نعیم سے کئی جگہ بخاری میں اصول میں روایات موجود ہیں اور پھر تعلیق ہی کاذبوں سے لینا کب درست ہوسکتا ہے؟

فرمایا:۔ جہم بن صفوان اواخر عہد تابعین میں پیدا ہوا تھا۔ صفات الٰہیہ کا منکر تھا امام صاحب سے اس کا مناظرہ ہوا اور امام صاحب نے آخر میں اس سے فرمایا کہ اے کافر میرے پاس سے چلا جا! مسامرہ میں یہ واقعہ موجود ہے میں نے اس کو ''اکفار الملحدین'' میں بھی ذکر کیا ہے کہ امام صاحب ایسے جلد باز نہ تھے کہ بغیر اتمام حجت ہی کے کافر کہہ دیتے۔

اسی طرح امام محمدؒ سے بھی جہمیہ کی مخالفت منقول ہے جو سب کو معلوم ہے مگر باوجود اس کے بھی امام بخاری نے امام محمدؒ کو خلق افعال کے مسئلہ میں جہمی کہہ دیا ہے۔

فرمایا:۔ میری نظر میں بخاری کے رواۃ کی ایک سو سے زیادہ غلطیاں ہیں۔ اور ایک راوی کئی جگہ باہم متعارض و متخالف روایات کرتا ہے۔ ایسا بھی بہت ہے جس کو میں درس میں اپنے

موقع پر بتلا دیا کرتا ہوں اور اس پر بھی متنبہ کرتا ہوں کہ کہاں نئی چیز آئی اور اس کا کیا فائدہ ہے؟
الحمدللہ میرا مطالعہ ونظر بہت سے شارحین حدیث سے زیادہ ہے اور حافظ ابن حجر سے تتبع طرق واسانید میں تو کم لیکن معنیٰ میں زیادہ ہی کلام کرسکتا ہوں۔
پس جن پر کلام کرنے کی ضرورت ہے ان سے زیادہ جانتا ہوں۔ معنی حدیث ان کا موضوع ہی نہیں ہے اس لئے ہر جگہ ان سے بڑھ جاؤں گا۔
حافظ نے بھی حوالوں وغیرہ میں بہت سی غلطیاں کی ہیں ان کو بعض اوقات قیود حدیث محفوظ نہ رہیں اور میں نے ان ہی قیود سے جوابدہی کی ہے۔
حقائق ومعارف کو سوائے شیخ اکبر کے سب سے زیادہ واضح کرسکتا ہوں اور وہ نصوص سے ثابت نہیں کرتے۔ میں نصوص سے منوا سکتا ہوں۔
فرمایا:۔ امام بخاری اپنی صحیح میں تو کف لسان کرتے ہیں لیکن باہر خوب تیز لسانی کرتے ہیں یہ کیا چیز ہے؟ دیکھو جزء القراۃ خلف الامام اور جزء رفع الیدین۔
اسی موقع پر ص ۹۱ بخاری میں فرمایا کہ یہاں امام بخاری سے دو غلطیاں ہوئی ہیں ایک تو یہ کہ روایت عبداللہ کی ہے جو صحابی ہیں نہ مالک کی کہ وہ مسلمان بھی نہیں ہوا تھا دوسری یہ کہ بحینہ عبداللہ کی ماں ہیں نہ مالک کی۔ لہٰذا مالک بن بحینہ کہنا بھی غلط ہے۔
فرمایا:۔ کتاب الحیل میں امام بخاری نے حنفیہ کے خلاف بہت زور لگایا ہے اور ایک اعتراض کو بار بار دہرایا ہے۔ حالانکہ خود ہمارے یہاں بھی امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا کہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا کسی صورت سے جائز نہیں۔ لہٰذا جو لوگ حیلہ کے مسائل لکھیں ان کو امام ابو یوسف کی یہ عبارت بھی ضرور نقل کرنی چاہئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دفع حقوق یا اثبات باطل کے لئے حیلہ جائز نہیں۔ البتہ اثبات حق یا دفع باطل کے لئے درست ہے یا مثلاً کوئی شخص اس طرح مبتلا ہو جائے کہ واجبات سے اس کی کمر ٹوٹ رہی ہو اور ان کی وجہ سے قریب ہلاکت ہو اور مجبوراً ناداری کی وجہ سے اپنی گردن ان واجبات خداوندی سے چھڑانا چاہے تو اس کے لئے ہمارے یہاں حیلہ کی گنجائش ہے اور ایسی صورتوں کا جواز سب کے یہاں ملے گا اور امام محمد سے بھی عینی وغیرہ

نے ابطال حق کے لئے حیلہ کو ممنوع ہی لکھا ہے۔ جس سے حیلہ پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔

دوسرے یہ کہ جواز حیلہ اور نفاذ حیلہ دو چیزیں الگ الگ ہیں اور ہم دونوں میں فرق کرتے ہیں امام بخاری نے چونکہ دونوں میں فرق نہیں سمجھا۔ اعتراض کر دیا۔ حالانکہ یہ بات ابتدائی کتابوں میں ہوتی ہے کہ کسی فعل کا عدم جواز اور ہے اور نفاذ اور شے۔

فقہ میں تو سقوط زکوٰۃ ہی کا ذکر ہوگا باقی اس کا یہ فعل دیانۃً ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ پھر کیا اعتراض رہا؟

اسی طرح امام بخاری نے اعتراض کر دیا کہ بعض الناس تعجیل زکوٰۃ کے بھی قائل ہیں حالانکہ اس بات کا تعلق بھی فقہ سے ہے اور شارح وقایہ نے تفصیل کی ہے کہ ذمہ مشغول ہو حق سے تو نفس وجوب ہے اور فارغ کرنا ہو ذمہ کو تو وجوب اداء ہے تو ہمارے یہاں سبب وجوب ہونے پر نفس وجوب ہو جانے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا جواز ہے نہ کہ وجوب سے بھی قبل کہ تعجیل کا اعتراض درست ہو۔

امام بخاری سے نقل ہے کہ ان کو فقہ حنفی سے معرفت حاصل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کی کتاب سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو فقہ حنفی سے سنی سنائی معرفت ہے۔ صفت نفس نہیں بنی ہے اور بہت کم چیزیں صحیح پہنچی ہیں۔ ہمارے یہاں اکراہ کی صورت یہ ہے کہ اپنی ذات یا قریبی رشتہ دار پر واردات گزرتی ہو۔ مثلاً قتل نفس، قطع عضو، ضرب مبرح وغیرہ کی دھمکی اور بخاری یہ سمجھے کہ دوسرے پر گزرے تب بھی یہ مکرہ ہے حالانکہ کوئی ذی فہم بھی اس کو اس حالت میں مکرہ نہ کہے گا۔ یہ بات اور ہے کہ دین وشریعت کی رو سے دوسرے کی جان و مال کو بھی بچانا ضروری ہے۔ **یوم المهاجرين الاولين** بخاری ص۱۰۶۴ پارہ ۲۹ باب "**استقضاء الموالي واستعمالهم**" پر فرمایا کہ دیکھئے یہ امامت صلوٰۃ ہے اس کا یہاں کیا تعلق تھا؟ بخاری کا بھی یہ حال ہے کہ "زور والا مارے اور رونے نہ دے" پھر مسکرا کر فرمایا:۔ "اب چونکہ وقت کم رہ گیا ہے اس لئے ادب چھوٹ گیا"۔

ایک روز درس ہی میں فرمایا کہ حافظ کی زیادتیوں پر ہمیشہ کلام کرنے کی عادت رہی لیکن امام بخاری کا ادب مانع رہا۔ اس لئے ہم نے اتنے دن تک حنفیہ کی نمک حرامی کی۔ اب

چونکہ آخر وقت ہے اس لئے کچھ کہہ دیتا ہوں اور اب صبر وضبط یوں بھی ضعف پیری کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے مگر اس سے یہ ہرگز ہرگز مت سمجھنا کہ بخاری کی احادیث بھی چند راویوں کے ضعف وغیرہ کی وجہ سے گر گئیں۔ اس لئے کہ ان کے متابعات دوسری کتب حدیث میں عمدہ راویوں سے موجود ہیں۔ اس لئے یہ ان کی وجہ سے قوی ہو گئیں۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس روز درس بخاری شریف میں حضرت مخدوم ومحترم مولانا مفتی سید محمد مہدی حسن صاحب مدظلہ مفتی راندیر وسورت بھی موجود تھے جو آج کل صدر مفتی دار العلوم دیوبند ہیں۔

''وھو تزویج صحیح'' ص ۱۰۳۰ پارہ ۲۸ بخاری پر فرمایا کہ امام بخاری کو جو ہم سے قضائے قاضی کے ظاہراً وباطناً نافذ ہونے کے مسئلہ میں اختلاف ہے اس لئے اعتراض کو ہیر پھیر کر بار بار لا رہے ہیں۔ اور مقصود دل ٹھنڈا کرنا۔ اور مخالفت کا حق ادا کرنا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی وہی فقہ حنفی سے پوری طرح واقف نہ ہونے کی وجہ کارفرما ہے۔ کیونکہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ یوں ہی مطلق نہیں ہے بلکہ اس کے قیود وشروط ہیں دوسرے وہ عقود وفسوخ میں ہے۔ املاک مرسلہ میں نہیں۔ اور اس محل میں بھی انشاء حکم کی صلاحیت موجود ہونا شرط ہے وغیرہ۔ جس کی تفصیل مبسوط میں سب سے بہتر ہے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے یہ بھی فرمایا کہ امام احمدؒ کے ابتلاء سے قبل تک ائمہ حنفیہ پر ردوقدح نہ تھی اس فتنہ کے بعد سے یہ چیزیں پیدا ہوئیں اور یہ بھی فرمایا کہ جو خالص محدث یا فقہ سے کم مناسبت والے تھے انہوں نے اس میں زیادہ حصہ لیا ہے لیکن جو محدث فقیہ بھی تھے وہ محتاط رہے اور بہت سے حضرات نے دفاع بھی کیا ہے بلکہ مناقب ائمہ پر کتابیں لکھیں[1]۔

---

[1] راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے جو کچھ امام بخاری کے بارے میں حضرت امام اعظم قدس سرہ کے سلسلہ میں مختلف اوقات میں سنا تھا اور قلم بند کیا تھا وہ یہاں ایک جگہ کرنے کی سعی کی ہے اور خیال یہ ہے کہ کچھ اجزاء اور بھی ہیں جو اس وقت ملفوظات کی ترتیب کے وقت عجلت میں نہ مل سکے۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ کافی حصہ آ گیا ہے اور یہ بطور متن ہے جس کی شرح بہت طویل ہے اس کو خدا نے توفیق بخشی تو ناظرین شرح بخاری (انوار الباری) کے مقدمہ میں ملاحظہ کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تاہم اس کی کچھ ضروری وضاحت حصہ دوم میں ہوگی اور وہاں دوسرے محدثین کے طرز عمل کا بھی بیان ہوگا۔

مندرجہ بالا مضمون پڑھ کر مولانا عبد الماجد صاحب دریابادیؒ نے جو تبصرہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ائمہ حنفیہ اور محدثین

حافظ ابن حجر عسقلانی کا مستقل شیوہ ہے کہ وہ حنفیہ کے عیوب نکالتے ہیں اور مناقب چھپاتے ہیں اور شوافع کے ساتھ معاملہ برعکس کرتے ہیں ایک جگہ حافظ نے ابن عبداللہ کی طرف اختیار رفع یدین کی نسبت کی ہے حالانکہ وہ قول ابن عبدالحکم کا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل میں نے رفع یدین: کے رسالہ میں کی ہے اسی طرح اور جگہ بھی حافظ نے نقل میں غلطی کی ہے یہ رجال حدیث کی غلطیاں ہیں۔

پھر فرمایا کہ محمد بن جعفر (غندر) نے امام زفرؒ کی کتابیں دیکھ کر فقہ حاصل کیا ہے ان کی عبادت وزہد کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے' محدثین نے ان کا حال بھی چھپایا ہے بصرہ والے امام ابوحنیفہ سے متنفر تھے لیکن جب یہ گئے تو لوگ ان کی طرف بہت مائل ہوئے اور دوسرے محدثین کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

حدیثیں اور مسائل تحقیقی سنا کر کہہ دیتے تھے کہ یہ سب امام ابوحنیفہ سے ہیں۔ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) "صدق جدید" مورخہ ۴نومبر ۶۰ء میں کیا درج کیا جاتا ہے۔ تبصرہ: (از صدق ۴نومبر ۶۰ء ص ۲)

تقلید جامد: ماضی قریب میں علامہ انورشاہ صاحب کشمیری دیوبندی جس پایہ کے فاضل جلیل گزرے ہیں کسی پر مخفی نہیں۔ ان کے ملفوظات درس ان کے شاگرد خصوصی مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کے قلم سے دیوبند کے ماہنامہ نقش میں شائع ہوئے ہیں۔ اس کے ایک تازہ نمبر سے جستہ جستہ۔

اثنائے درس بخاری فرمایا کہ حماد استاد ہیں امام اعظم کے حماد اور ابراہیم نخعی کے اقوال کو تو امام بخاری ذکر کرتے ہیں (تا یہ کیا چیز ہے)

اور اس رنگ کی عبارتیں اور (بھی متعدد ہیں یہ سب آخر کیا ہے؟ علامہ کشمیری امام بخاریؒ کے منکر یا مخالف ہیں؟ یا ان کی کتاب کا شمار صحیح ترین و مستند کتابوں میں نہیں کرتے؟ یہ کچھ نہیں' علامہ ان کے پوری طرح معتقد ہیں ان کی اور ان کی کتاب کی عظمت کے ہر طرح قائل ہیں۔

لیکن علم کا حق اور سچائی کا حق ان کی ذات سے بھی بڑھ کر اپنے اوپر سمجھتے ہیں۔ اس لئے جہاں کہیں اپنی بصیرت کے مطابق انہیں ان کی علمی تحقیق میں کوئی خامی یا کوئی کوتاہی نظر آئی اس کا اظہار بھی برملا اور بے تکلف ان کی ذات کے ساتھ ہر رشتہ احترام کو چھوڑے بغیر کر دیتے ہیں۔

اور خود امام بخاری کا بھی یہی طرز عمل اپنے معاصرین اور بزرگوں کے ساتھ تھا جیسا کہ ایک حد تک اوپر کے حوالوں سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

یہی مسلک صحیح و صائب ہے کل بھی یہی صحیح تھا اور آج بھی یہی صحیح ہے۔ یہ تقلید جامد کہ جو کچھ ہم سے پیشتر کے بزرگ فرما گئے ہیں یہی پتھر کی لکیر ہے۔ ہر حال میں اس پر ایمان رکھنا واجب نہ مقتضائے عقل ہے نہ مطلوب شریعت۔ بڑے سے بڑا فاضل و محقق بھی بہر حال ایک غیر معصوم بشر ہی ہوتا ہے"۔

طریقہ کی وجہ سے لوگ بہت مانوس ہوئے۔ فرمایا کہ بخاری و مسلم میں تو غزوۂ خندق میں صرف ایک نماز عصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے۔ مگر امام طحاوی نے معانی الآ ثار میں امام شافعی سے روایت کیا کہ ظہر، عصر و مغرب تین نمازیں فوت ہوئی تھیں اور اس کی سند قوی ہے اس پر فرمایا کہ حافظ ابن حجرؒ نے رجال میں حنفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ حتیٰ کہ امام طحاوی کے عیوب بھی نکالے ہیں حالانکہ امام طحاوی جب تک مصر میں رہے کوئی محدث نہیں پہنچتا تھا جو ان سے حدیث کی اجازت نہ لیتا ہو اور وہ حدیث کے مسلم امام ہیں۔ امام طحاوی کا سوواں حصہ رکھنے والوں کی بھی حافظ نے تعریف کی ہے۔

حافظ عینی حافظ ابن حجر سے عمر میں بڑے تھے اور بعد تک زندہ رہے ہیں۔ حافظ نے حافظ عینی سے ایک حدیث صحیح مسلم کی اور دو حدیثیں مسند احمد کی سنی ہیں یعنی اجازت حاصل کی ہے۔

ایک دفعہ فرمایا:۔ حافظ کی عادت ہے کہ جہاں رجال پر بحث کرتے ہیں کہیں حنفیہ کی منقبت نکلتی ہو تو وہاں سے کترا جاتے ہیں۔ دسیوں بیسیوں جگہ پر یہی دیکھا ایک روز فرمایا کہ ہمارے یہاں حافظ زیلعی سب سے زیادہ متیقظ ہیں۔ حتیٰ کہ حافظ ابن حجر سے بھی زیادہ ہیں مگر کاتبوں کی غلطیوں سے وہ بھی مجبور ہیں۔

ایک دفعہ دوسرے محدثین کے تذکرہ میں فرمایا کہ ابوداؤد امام صاحب کی دل بھر کر تعظیم کرتے ہیں۔ امام بخاری مخالف ہیں۔ امام ترمذی معتدل ہیں۔ ان کے یہاں نہ تحقیر ہے نہ تعظیم۔

امام نسائی بھی حنفیہ کے خلاف ہیں۔ امام مسلم کا حال معلوم نہیں ہوا۔ ان کے شافعی ہونے کی بھی نقل موجود نہیں ہے۔ صرف ان کے ایک رسالہ سے استنباط کیا گیا ہے کہ شافعی ہیں۔

ابونعیم صاحب حلیہ بھی امام ابوحنیفہ کے مخالف نہیں ہیں۔ اور ایک روایت بھی امام صاحب کی سند سے لائے ہیں امام صاحب کا مسند بھی مرتب کیا ہے۔ خطیب بغدادی ائمہ حنفیہ کے مخالف ہیں۔

راقم الحروف مندرجہ بالا تصریحات کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہے یہ بات سب کو معلوم ہے کہ امام صاحبؒ تمام ائمہ متبوعین میں علم و فضل کے اعتبار سے مقدم اور افضل ہیں جیسا کہ کتب تاریخ و مناقب سے ثابت ہے کہ امام مالک سے عمر میں بڑے تھے۔ امام

صاحب نے متعدد صحابہ کو دیکھا مگر امام مالک کو باوجود مدینہ طیبہ میں ولادت وسکونت کے یہ شرف حاصل نہیں۔ جب امام صاحب مدینہ طیبہ حاضر ہوتے تھے امام مالک ان سے علمی مذاکرات کرتے تھے۔ متعدد دفعہ پوری پوری رات اسی میں گزر جاتی تھی اور امام مالک ان کے علم وفضل کے بے حد معترف ومداح ہیں۔ امام مالک نے امام صاحب سے روایت بھی کی ہیں اور اسی لئے علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے ان کو امام صاحب کے تلامذہ میں شمار کیا ہے اور اس میں تو شک نہیں کہ غیر معمولی استفادہ کیا ہے۔

امام شافعیؒ امام محمدؒ کے شاگرد تھے اور امام صاحب کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ سب لوگ فقہ میں امام صاحب کے خوشہ چیں ہیں۔ امام احمدؒ امام ابو یوسف کے شاگرد اور امام محمد سے مستفید ہیں۔

پھر امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی وغیرہ سب امام صاحب کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری نے بہت بڑا علم اسحاق بن راہو یہ سے حاصل کیا ہے جو عبداللہ بن مبارک کے خاص تلمیذ ہیں اور عبداللہ بن مبارک امام صاحب کے خاص تلمیذ ہیں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو بہت زیادہ حقیر وبے بضاعت بجز ابن مدینی کے اور کسی کے سامنے نہیں پایا مگر یہ ابن مدینی مع امام احمد اور یحییٰ بن معین تینوں یحییٰ بن سعید القطان کے شاگرد ہیں اور اس شان سے کہ وہ عصر سے مغرب تک پڑھایا کرتے تھے۔ مسجد کے ایک ستون سے کمر لگا کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ یہ تینوں سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر ان کا درس سنتے اور احادیث ومسائل کے اشکالات حل کرتے تھے۔

مورخین نے لکھا کہ یحییٰ القطان کے علم وفضل کا رعب وجلال اس قدر تھا کہ نہ وہ خود ان تینوں کو بیٹھنے کے لئے فرماتے تھے اور نہ یہ خود بیٹھتے تھے۔

پھر دیکھئے یحییٰ القطان کو علامہ کردری نے امام صاحب کے اصحاب میں اور امام صاحب کے مذہب کے اہل شوریٰ میں ذکر کیا ہے۔ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور استفادہ کرتے تھے اور امام صاحب ہی کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ تاریخ رجال کے سب سے پہلے منصف ہیں۔ امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''خدا گواہ ہے کہ ہم جھوٹ نہیں بول سکتے، ہم نے امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ کسی کو صائب الرائے نہیں پایا اور ہم نے اکثر اقوال ان کے اختیار کیے ہیں''۔

حافظ حدیث مکی بن ابراہیم بلخ کے امام المحدثین اور امام بخاریؒ کے استاد ہیں۔ اور بخاری شریف میں ان کی روایات سے امام بخاری نے بہت سی روایات لی ہیں۔ حتیٰ کہ بخاری شریف میں سب سے اعلیٰ درجہ کی ۲۲ احادیث جو ثلاثیات ہیں۔ ان میں سے بیس حدیثوں کے راوی حنفی ہیں اور گیارہ تو صرف مکی بن ابراہیم کی ہیں۔ گویا بخاری شریف کی اس بہت بڑی فضیلت کا باعث اکثر حنفی رواۃ ہیں۔

یہ بھی امام صاحب کے ان شاگردوں میں سے ہیں جو امام صاحب کی خدمت میں رہ پڑے تھے اور رات دن استفادہ کرتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور عالم کی اصطلاح محدثین کے یہاں یہ ہے کہ اس کو احادیث کے متون واسناد دونوں پوری طرح یاد ہوں۔

مناقب کردری میں اسماعیل بن بشر سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ہم امام مکی کی مجلس میں حدیث کا درس لے رہے تھے۔ امام نے فرمانا شروع کیا یہ حدیث روایت کی ہم سے امام ابوحنیفہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک مسافر اجنبی شخص چیخ پڑا کہ ہم سے ابن جریج[1] کی حدیث بیان کرو ابوحنیفہ سے روایت مت کرو۔

محدث مکی نے جواب دیا کہ ''ہم بیوقوفوں کو حدیث سنانا نہیں چاہتے۔ میں ہدایت کرتا ہوں کہ تم میری حدیث مت سنو اور میری مجلس سے نکل جاؤ''۔

چنانچہ جب تک وہ شخص اٹھ کر نہیں چلا گیا۔ شیخ نے حدیث کی روایت نہیں کی اس کے جانے کے بعد پھر امام ابوحنیفہ سے ہی روایت بیان کی۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینی مناسب ہے کہ امام بخاری اور دوسرے بعد کے محدثین کے یہاں ثلاثیات بہت کم ہیں اور اس سے اندازہ کر لیجئے کہ امام بخاری کی ساری بخاری میں ۲۰، ۲۲ سے زیادہ نہیں اور امام صاحبؒ چونکہ متقدم اور تابعین سے ہیں۔ ان کی اکثر روایات ثلاثی

---

[1] واضح ہو کہ یہ محدث ابن جریج امام صاحب کے بڑے مداح اور معترف علم وفضل تھے۔ ان کو جب امام صاحب کی خبر وفات پہنچی تو نہایت غمگین ہوئے اور فرمایا کہ: ''کیسا بڑا علم جاتا رہا''۔

ہیں بلکہ ثنائیات بھی ہیں۔ اسی لئے علامہ شعرانی شافعیؒ نے لکھا ہے کہ ''میں نے امام ابوحنیفہ کی مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا جن پر حفاظ حدیث کی تصدیق تھی میں نے دیکھا کہ ہر حدیث بہترین عدول وثقات تابعین سے مروی ہے مثلاً اسود، علقمہ، عطا، عکرمہ، مجاہد، مکحول، حسن بصری وغیرہ سے۔ پس امام صاحب اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تمام راوی عادل، ثقہ عالم اور بہترین بزرگ جن میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب نہیں۔

اور اسی لئے ائمہ حدیث اور علماء نے فیصلہ کیا ہے کہ ائمہ متبوعین مجتہدین نے جن احادیث سے فقہ مرتب کی ہے وہ بعد کی احادیث سے زیادہ اوثق ومعتمد تھیں۔

کیونکہ اول تو وہ حضرات ان سب محدثین، متاخرین کے اساتذہ تھے پھر عہد رسالت و صحابہ سے زیادہ قریب تھے۔ جھوٹ کا شیوع بھی خیر القرون میں نہیں تھا۔ اس لئے جو کچھ ضعف رواۃ کی وجہ سے پیدا ہوا وہ بعد کی پیداوار ہے۔

(۸۱) اسی پر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ تعجب کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اگر امام بخاری کو امام صاحب کے عقائد کے بارے میں کچھ تشفی نہیں تھی تو یہ کیا بات ہے کہ امام صاحب نے جن حضرات سے علم حاصل کیا جنہوں نے ان کو خود جانشین کیا تھا۔ مثلاً حماد نے اور پھر حماد کے بعد سب ہی نے متفقہ طور پر سے امام صاحب ہی کو ان کی مسند کا مستحق قرار دیا ہے ان سے تو امام بخاری روایت کرتے ہیں اور امام صاحب سے نہیں کرتے امام صاحب کے عقائد وہی تھے جو ان کے استاد حماد، علقمہ، ابراہیم نخعی وغیرہ کے تھے۔ مگر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الضعفاء میں امام صاحب کے مرجئ کہہ دیا ہے اور باقی سب اساتذہ وتلامذہ امام صاحب کے جن سے وہ روایت کرتے ہیں ان کے نزدیک وہ اچھے تھے۔

امام اعظمؒ مرجئ نہیں تھے

کہا جاتا ہے کہ امام بخاری کو جو رنجش امام صاحب کے متبعین سے پہنچی تھی اس کی وجہ سے امام صاحب پر مرجئہ میں سے ہونے کی تہمت لگا دی مگر ہم امام بخاری کی جلالت قدر سے اس کی توقع بھی نہیں کرتے اور اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ان کو کسی غلط فہمی کی بناء پر ایسا خیال ہوا۔

یہ بھی خیال رہے کہ اس قسم کی سختی امام بخاری کے مزاج میں اپنے بعض شیوخ حمیدی

وغیرہ کی صحبت میں رہ کر پیدا ہوئی کیونکہ شیخ حمیدی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فقہائے عراق کے بارے میں شدت وعصبیت سے کام لیتے تھے۔ پھر یوں بھی مزاج میں بہت سختی تھی۔ اگر کوئی شخص ان کی مرضی کے خلاف بات کہہ دیتا تو سخت کلامی پر اتر آتے تھے۔ اس کو بے آبرو کر دیتے تھے اور غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو نہ رکھتے تھے۔

طبقات سبکی میں ہے کہ ایک دفعہ امام شافعی کی مجلس میں ابن عبدالحکم اور بویطی کا جھگڑا ہوا۔ امام شافعی نے بویطی کی حمایت کی۔ ابن عبدالحکم نے کہا کہ آپ نے جھوٹ کہا اس پر حمیدی بولے ''کہ تم بھی جھوٹے اور تمہارے باپ اور ماں بھی''۔

امام احمد نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حمیدی، بشر بن السری سے ناراض ہو گئے اور کہا کہ ''جہمی'' ہے۔ اس سے حدیث لینا جائز نہیں، بشر نے حلف اٹھا کر حمیدی کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ وہ جہمی عقیدہ نہیں رکھتے تب بھی ان سے صاف نہ ہوئے اور وہی بات کہتے رہے۔

یحیٰی بن معین کا بیان ہے کہ میں نے خود بشر کو دیکھا کہ بیت اللہ کا استقبال کئے ہوئے ان لوگوں کے لئے بددعا کیا کرتے تھے۔ جنہوں نے ان کو جہمی کہہ کر بدنام کیا تھا اور کہتے تھے کہ خدا کی پناہ اس سے کہ میں جہمی ہوں۔

چنانچہ دوسرے ائمہ نے حمیدی کے خلاف بشر کی توثیق کی ہے اور احادیث بھی ان سے روایت کی ہیں امام بخاری نے فقہ شیخ حمیدی سے پڑھی ہے جو امام صاحب کی جلالت قدر سے ناواقف تھے۔ یا جان بوجھ کر امام صاحب کی تنقیص کیا کرتے تھے۔

علامہ قسطلانی اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بخاری میں کسی ایسے شخص سے روایت نہیں لی جس کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ ''ایمان قول وعمل دونوں کا نام ہے''۔

حالانکہ اس کی وجہ سے بخاری میں روایات نہ لینا بڑا ہی کمزور پہلو تھا۔ جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ملفوظات بالا میں بھی فرمایا کہ امام بخاری بھی اس کو احادیث صحیحہ قویہ کے پیش نظر قائم نہ رکھ سکے۔ اگرچہ کتاب الایمان میں ان کو نہ لائے اور دوسری جگہ ان کو لانا پڑا۔

پھر یہ کہ اعمال کو عقائد کا درجہ دینا یا ان کو جزو ایمان بتانا یوں بھی کسی طرح درست نہیں ہو

سکتا۔ احناف سے قطع نظر شوافع اور دوسرے محققین ائمہ وسلف کا بھی یہ مسلک نہیں۔

امام رازی شافعی نے کتاب ''مناقب الشافعی'' میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ پر بھی ایمان کے بارے میں متناقض باتوں کے قائل ہونے کا اعتراض ہوا ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ ایمان کو تصدیق وعمل کا مجموعہ کہتے ہیں اور دوسری طرف اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مرکب چیز کا ایک جزو نہ رہا تو وہ مرکب بھی من حیث المرکب باقی نہ رہا۔ اسی لئے معتزلہ جس عمل کو جزو ایمان کہتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں۔ پھر امام شافعیؒ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اصل ایمان تو اعتقاد و اقرار ہی ہے باقی اعمال وہ ایمان کے توابع وثمرات ہیں۔ لیکن امام رازی اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور کہا کہ اس جواب سے تو امام شافعی کا نظریہ باقی نہیں رہ سکتا۔

امام الحرمین جوینی شافعی نے اپنی عقائد وکلام کی مشہور تصنیف ''کتاب الارشاد الی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد'' کے صفحہ ۳۹۶ سے صفحہ ۳۹۸ تک ایمان کی تحقیق کی ہے اور دوسرے نظریات کے ساتھ اصحاب حدیث کا نظریہ۔ ایمان مجموعہ معرفت قلب اقرار لسان اور عمل بالارکان بتلا کر اس کی غلطی بتلائی ہے اور مذہب اہل حق یہی بتلایا ہے کہ حقیقۃ الایمان تو صرف تصدیق قلبی ہی ہے۔ لیکن تصدیق چونکہ کلام نفسی ہے اس لئے جب تک اس کا اظہار لسان سے نہ ہو اس کا علم نہیں ہو سکتا اس لئے وہ بھی ضروری ہوا لیکن اعمال وعبادات کو جزء الایمان کسی طرح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پھر دوسروں کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

اور یہی امام صاحب اور دوسرے ائمہ احناف کا بھی مسلک ہے۔ جیسا کہ تمام کتب عقائد وکلام میں مشرح ہے اس بحث کے متعلق امام اعظمؒ کی ایک تحریر موجود ہے۔ جو عثمان بتی کے خط کا جواب ہے اس سے امام صاحب کی دقت نظر اور ان کے مدارج اجتہاد کی برتری معلوم کی جا سکتی ہے۔ ہم نے اس قسم کے ابحاث ''انوار الباری'' کے مقدمہ میں نقل کر دیئے ہیں۔

امام اعظمؒ نے فقہ اکبر میں مرجئہ فرقہ کی تردید کی ہے تمام علماء نے لکھا ہے کہ حنفیہ مرجئہ کو ناری کہتے ہیں' ان کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے۔

لیکن امام بخاری اپنے شیخ حمیدی کی طرح ان کو مرجئہ میں سے ہی کہے جا رہے ہیں۔ امام یحیٰ

بن معین (امام بخاری کے استاد) سے امام صاحب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ:۔
ثقہ ہیں۔ میں نے کسی ایک شخص کو بھی انہیں ضعیف کہتے نہیں سنا (الخیرات الحسان)
غرض جس طرح کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام احمدؒ کے ابتلاء سے قبل ائمہ حنفیہ پر کوئی جرح نہیں تھی۔ دوسری صدی کے آخر تک جتنے بھی بڑے بڑے حضرات تھے۔ سب ہی امام صاحب کی مدح وتوصیف کرتے ہیں پھر قرون مشہور لہا بالخیر کے گزر جانے پر کذب وافتراء اور غلط وجھوٹے پروپیگنڈے کے دور کا آغاز ہوا تو ایسے لوگ نکل آئے جو ائمہ متبوعین پر بھی افتراء کر کے ان کو مجروح کرنے کی سعی کرتے رہے اور اس سے ہمارے اکابر محدثین امام بخاری وغیرہ بھی متاثر ہو گئے۔

خود حافظ ابن حجر نے باوجود تعصب حنفیت وشافعیت کے مقدمہ فتح الباری میں امام صاحب کی توثیق کی ہے اور اسی طرح کتب رجال میں بھی اگرچہ اصحاب امام کے حالات میں اس اعتدال کو باقی نہیں رکھا۔ جس کی تفصیل مقدمہ انوار الباری میں پیش ہو چکی ہے۔

کتب اصول حدیث، کتاب المغنی شیخ محمد طاہر صاحب مجمع البحار الکفایہ فی علم الروایہ خطیب شافعی التقریب نووی شافعی، مقدمہ ابن صلاح شافعی اور طبقات الشافعیہ علامہ سبکی شافعی میں جو اصول جرح وتعدیل بیان ہوئے ہیں۔ ان کو ہر وقت دیکھا جا سکتا ہے۔

ان کی رو سے امام صاحب پر جرح صحیح نہیں اور صاحب مجمع البحار نے تو پوری صراحت کے ساتھ امام صاحب کی طرف منسوب شدہ اقوال کی تردید کی ہے اور عقل ونقل سے ان کا غلط ہونا ثابت کیا ہے۔ اسی طرح کتب رجال ومناقب میں امام ذہبی شافعی امام نووی شافعی، حافظ صفی الدین خزرجی، امام یافعی شافعی، فقیہ ابن العماد حنبلی، حافظ ابن عبدالبر مالکی، شیخ ابن حجر مکی شافعی، امام سیوطی شافعی وغیرہ نے بھی امام صاحب کے صرف مناقب لکھے ہیں کوئی جرح نقل نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بروئے اصول روایت امام صاحب ہر طرح ثقہ ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی جرح لائق اعتبار نہیں۔

اس قسم کی اہم نقول بھی ہم انوار الباری کے مقدمہ میں شائع کر چکے ہیں۔ اس کے بعد عقلی طور سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ جرح کا بڑا سبب امام صاحب کے کمالات کی وجہ سے حسد تھا جس کا

کچھ علاج نہیں تھا یا جہل تھا کہ امام صاحب کے صحیح نظریات سے واقفیت نہ ہوئی جیسا کہ امام اوزاعی (شام کے محدث اعظم) کو غلط فہمی ہوئی اور جب حضرت عبداللہ بن مبارک (شاگرد امام صاحب) کے ذریعہ صحیح حالات کا علم ہوا تو وہ نادم ہوئے اور معذرت کی۔

اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امام صاحب کے مدارک اجتہاد معاصرین کی فہم سے بالاتر تھے۔ لہذا فہم کی نارسائی اختلاف کا سبب بن گئی پھر اختلاف نے جرح کا رنگ لے لیا۔ واضح ہو کہ امام صاحب کی غیر معمولی دقت نظر و بلندی فکر اور آپ کے مدارک اجتہاد کی برتری و تقوی کا اعتراف اس زمانہ کے اجلہ معاصرین و محدثین امام اعمش، شعبہ ابوسلیمان ابن مبارک، خارجہ بن معصب وغیرہ نے کیا ہے۔ اس کی تفصیل بھی ہم انوار الباری شرح بخاری میں کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حسن بن صالح کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ ناسخ و منسوخ احادیث کا سختی سے تفحص کرنے والے تھے اور اس میں وہ لائق اتباع و پیروی تھے اس لئے جس بات تک اہل کوفہ نہیں پہنچ سکتے تھے۔ امام صاحب اسے معلوم کر لیتے تھے۔

امام اعظمؒ کی عقل کامل تھی

علی بن عاصم کا قول ہے کہ آدھی دنیا کی عقل ترازو کے ایک پلہ میں اور امام ابوحنیفہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو امام صاحب کا پلہ بھاری ہوتا۔

خارجہ بن مصعب کا قول ہے کہ میں کم و بیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں ان میں صاحب عقل صرف تین چار دیکھے۔ ایک ان میں امام ابوحنیفہ تھے۔

محمد انصاری کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں بھی دانشمندی کا اثر پایا جاتا ہے۔

درحقیقت امام عالی مقام کی انتہائی دانش مندی یہی تھی کہ اپنے سینکڑوں فضلائے نامدار شاگردوں سے چالیس اجلہ فقہاء و محدثین کی ایک مجلس بنا کر تیس سال مسلسل لگے۔ رہ کر ایک ایسی فقہ مرتب کر گئے جو دوسری تمام فقہوں پر ہزار بار فائق ہے۔ جس کا ہر ہر مسئلہ قرآن مجید، احادیث، آثار اور اجماع و قیاس صحیح پر مبنی ہے اور اس کی مقبولیت عنداللہ و عندالناس کا

ثبوت اس سے زیادہ کیا کہ ہر دور میں نصف یا دوثلث امت محمدیہ اس کا متبع رہا۔

امام صاحب نے اپنے زمانہ میں سیاسی وعلمی فتنوں کی روک تھام بھی صرف اپنی عقل خداداد کی جواس زمانہ میں انتہائی دشوار مرحلہ تھا۔

امام اعظمؒ اور مسئلہ خلق قرآن

دیکھئے خلق قرآن کا مسئلہ کس قدر نازک تھا۔ اور امام صاحب کی کمال فراست کہ اپنے ہزار ہا تلامذہ پر ایسا کنٹرول کیا کہ کسی نے بھی ایسی بات نہ کہی جس سے فتنہ ہو۔

علامہ ابن عبدالبر مالکی نے اپنی کتاب ''الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء'' میں ص ۱۶۵ وص ۱۶۶ پر امام ابو یوسف سے واقعہ نقل کیا ہے کہ امام صاحب مکہ معظمہ تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص جمعہ کے روز کوفہ کی مسجد میں ہمارے پاس آیا اور سب حلقوں میں چکر لگا کر قرآن مجید کے بارے میں سوال کرنے لگا اور ان لوگوں نے مختلف جوابات دیئے میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی صورت میں مجسم شیطان تھا وہ پھر ہمارے حلقہ میں بھی آیا اور سوالات کئے ہم سب نے جواب دیا کہ ہمارے شیخ واستاد موجود نہیں ہیں اور ہم بغیر ان کے ان سے پہلے کوئی جواب دینا پسند نہیں کرتے۔

پھر جب امام صاحب واپس ہوئے تو ہم نے قادسیہ جا کر ان کا استقبال کیا۔ امام صاحب نے شہر کوفہ اور لوگوں کے حالات پوچھے ہم نے بتائے پھر دوسرے وقت اطمینان و سکون سے ہم نے عرض کیا کہ ہم سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تھا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ ابھی وہ مسئلہ ہم نے ان سے بیان بھی نہیں کیا تھا اور دل ہی میں تھا کہ امام صاحب کے چہرۂ مبارک پر ناخوشی کے آثار دیکھے۔

آپ سمجھ گئے کہ کوئی خاص مسئلہ موجب فتنہ سامنے آیا ہے اور خیال کیا کہ ہم اس کا جواب دے چکے ہیں۔ یہی خیال برہمی کا سبب بنا۔ فرمایا:۔ وہ مسئلہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اس طرح ہے اس کو سن کر امام صاحب کچھ دیر کے لئے خاموش ہوئے۔ پھر فرمایا:۔ تم نے کیا جواب دیا؟ عرض کیا:۔ ہم نے کچھ جواب نہیں دیا اور ہم اس سے ڈرتے تھے۔ کوئی جواب دیدیں جو آپ کو پسند نہ ہو۔

اتنا سن کر امام صاحب پر مسرت و بشاشت کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ میری وصیت یاد رکھو اس بارے میں ہرگز کوئی بات نہ کہنا اور نہ دوسروں سے اس کے بارے میں سوال و جواب کرنا بس اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے اس پر ایک حرف بھی نہ بڑھانا میرا خیال ہے کہ اس مسئلہ کی وجہ سے اہل اسلام سخت فتنہ میں پڑیں گے کہ ان کے لئے نہ جاء رفتن نہ پائے ماندن کی صورت ہو جائے گی۔

خدا ہمیں اور تمہیں شیطان رجیم کے مکائد سے محفوظ رکھے۔

امام صاحبؒ کے اس قسم کی پیش بینی دور بینی اور دینی و دنیاوی معاملات میں غیر معمولی احتیاط کے واقعات بہت ہیں ایک دفعہ امام صاحب کی وفات کے بعد امام ابو یوسف کے سامنے خلیفہ ہارون رشید نے بھی اعتراف کیا کہ امام صاحب پر اللہ رحمت کرے وہ عقل کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہر آنکھوں سے ہم کو نظر نہیں آتا۔

خلق قرآن کے مسئلہ سے جو فتنہ عظیم آئندہ رونما ہونے والا تھا اس کو بھی امام صاحب نے مدت پہلے دیکھ لیا تھا اور خود کو اور نیز اپنے سب اصحاب کو اس فتنہ سے بچالے گئے۔ اگر چہ معاندین نے پھر بھی بدنام کرنا چاہا کہ امام صاحب خلق قرآن کے قائل تھے مگر امام احمد وغیرہ نے ہی اس کی صفائی بھی امام صاحب اور ان کے اصحاب کی طرف سے کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں معاندین و حاسدین نے امام صاحب پر جو الزامات و اتہامات گھڑے ہیں اور جھوٹی سندیں تک بنائی ہیں ان کی شیخ کوثریؒ نے ''تانیب الخطیب اور حاشیہ ''الاختلاف فی اللفظ'' میں پوری طرح قلعی کھول دی ہے جو قابل دید ہے۔ ہم ان سے بھی ضروری نقول مقدمہ شرح بخاری اردو میں پیش کریں گے۔

مگر یہی مسئلہ امام احمد کے سامنے آیا۔ اور اس وقت چونکہ حکومت نے بزور ایک غلط چیز کو منوانا چاہا اس کو امام احمد کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ پھر یہی مسئلہ امام بخاری کے سامنے آیا اور امام بخاری کے سامنے اس مسئلہ کی ساری نزاکتیں امام احمد کے ابتلاء کی وجہ سے پیش آ چکی تھیں۔ جب وہ ۲۵۰ھ میں نیشا پور پہنچے ہیں تو شہر سے باہر جا کر امام ذہلی نے بڑی کثیر تعداد علماء صلحاء و عوام کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور امام بخاری کو دار البخاریین میں ٹھہرایا۔

امام ذہلی نے اسی وقت لوگوں سے کہا کہ مسائل کلام میں سے کوئی مسئلہ ان سے نہ پوچھنا۔

اس پر اگر لوگ احتیاط نہ کرتے تو خود امام بخاری کو محتاط رہنا چاہئے تھا۔ مگر منقول ہے کہ دوسرے یا تیسرے ہی روز ایک شخص نے لفظ "بالقرآن" کے بارے میں سوال کیا امام بخاری نے جواب دیا۔

"ہمارے افعال مخلوق ہیں اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال سے ہیں"۔

فوراً اسی جگہ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ بعضوں نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں کہا' یہاں تک کہ لوگوں میں اس سے کافی جدال ونزاع پھیل گیا اور گھر کے مالکوں نے آ کر لوگوں کو نکالا۔ تاہم یہ قضیہ بڑھتا رہا اور امام ذہلی نے اعلان کر دیا کہ "قرآن خدا کا کلام غیر مخلوق ہے اور جو شخص کہے کہ میرا لفظ بالقرآن مخلوق ہے' وہ مبتدع ہے اس کے پاس بیٹھنا اور اس سے بات کرنا درست نہیں اور جو شخص اس کے بعد امام بخاری کے پاس جائے اس کو بھی متہم سمجھا جائے گا کیونکہ وہی شخص وہاں جائے گا جو ان کے عقیدہ کا ہوگا"۔

چنانچہ سوا ایک دو آدمیوں کے سب نے امام بخاری کے پاس جانا چھوڑ دیا اور وہ تنگ ہو کر نیشا پور سے چلے گئے اور خرتنگ جا کر مقیم ہوئے اور وہیں ۲۵۶ھ میں وفات پائی زیادہ تحقیقی بات یہ ہے کہ امام بخاری کو پہلی بار بخارا سے مسئلہ حرمت رضاع بلبن شاہ کی وجہ سے نکلنا پڑا۔ دوسری بار مسئلہ خلق قرآن کی وجہ سے بخارا سے نکلے تیسری بار نیشا پور سے امام ذہلی کی وجہ سے مسئلہ مذکور میں اور چوتھی بار امیر بخارا کی وجہ سے نکلنا پڑا جس کا قصہ مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

دارالحرب میں جواز عقود فاسدہ و باطلہ

ماہ شوال ۱۳۴۹ھ تبلیغ کالج کرنال جاتے ہوئے احقر دیوبند حاضر خدمت اقدس ہوا اور بموجودگی مولانا محمود الرحمان صاحب جالویؒ احقر نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے تو کیا کفار سے سود لینا جائز ہوگا؟ فرمایا جائز ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ عقود فاسدہ کے ذریعہ جو روپیہ حاصل ہو وہ بھی جائز ہے؟ "جی ہاں" عقود فاسدہ بلکہ عقود باطلہ سے بھی جائز ہے مگر فتویٰ اس لئے نہیں دیتے کہ خطرہ ہے پھر لوگ یہ بھی نہ جانیں کہ شریعت میں سود حرام ہے"۔

اس کے بعد جب احقر مجلس علمی کے سلسلہ میں ڈابھیل پہنچا اور درس بخاری میں دو سال

تک شرکت کا موقع ملا تو ۲ شعبان ۱۳۵۱ھ کو بخاری شریف کے درس ص ۴۲۳ میں "باب هل للاسيران يقتل اويخدع الذين اسروه حتى ينجومن الكفرة' پر تقریر فرماتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے۔

اسیر معاہد نہیں ہے

"حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ اسیر معاہد نہیں ہے' سواء فروج نساء کے کہ اس کو مستاسر (قید کرنے والے) کا مال وجان وغیرہ سب جائز و مباح ہے کیونکہ جو امور حرمت و عفت نساء کی ہتک سے متعلق ہیں وہ ہر حال میں معصیت ہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے زمانہ میں علماء وقت نے فتویٰ تیار کیا تھا کہ ہندوستان دارالحرب ہو گیا ہے۔ جس پر حضرت شاہ صاحب موصوف نے بھی دستخط کئے تھے (یہ کمپنی کا زمانہ تھا اور بہادر شاہ تخت پر موجود تھا) پھر ایک سال بعد کچھ علماء نے معاہدہ کی آڑ لے کر ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ تیار کرنا چاہا جس پر حضرت موصوف نے سخت نکیر کی اور فرمایا کہ "علماء کو کیا ہو گیا ہے جو اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں' یہاں معاہدہ وغیرہ کچھ نہیں ہے' یہاں کے لوگ تو اسیر ہیں پھر کوئی جدید معاہدہ بھی نہیں ہوا۔ اور دربار میں چند نواب و رئیس ہوتے ہیں عام لوگوں کو تو کوئی پوچھتا بھی نہیں"۔

ہندوستان انگریزی دور میں

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ میری تحقیق یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کا اگرچہ حکومت وقت کے ساتھ کوئی معاہدہ حقیقۃً نہیں ہے مگر عملاً معاہدہ کی صورت ضرور ہے کیونکہ حکومت کی طرف اپنے اموال وانفس کے معاملات و جھگڑوں کے فیصلوں کے لئے رجوع کرنا اور اس سے مدد لینا یہ حکماً معاہدہ ہے یہ میری رائے ہے اگرچہ اس کو فقہا میں سے کسی نے نہیں لکھا لہذا اس کی روشنی میں فقہی تفریعات بدل جائیں گے اور ہمارے لئے محض قیدیوں کے سے احکام نہ ہوں گے البتہ اتنی بات اور ہے کہ یہ حکمی معاہدہ پہلے اموال وانفس دونوں میں تھا لیکن اب انفس کے بارے میں ختم ہو گیا ہے کہ وہ (اہل حکومت) ہماری جانوں کی کوئی قیمت نہیں سمجھتے) اور اموال کے حق میں اب بھی معاہدہ باقی

ہے لہذا ان کے اموال کا سرقہ جائز نہیں ہے۔ تاہم اگر ان کے اموال بھی ان مالی حقوق کے عوض کے طور پر ہم حاصل کرسکیں جوان پر ہمارے واجب ہیں تو درست ہے۔ مگر اس میں کوئی ذلت آمیز یا دناءت کا طریقہ اختیار کرنا دین اسلام کی عزت وسربلندی کے شایان شان نہیں ہے۔ اسی طرح قانون وقت کی گرفت سے بھی بچاؤ کرلینا ضروری ہے اور عام اموال کے بارے میں جب تک ہم مجبور ہوکر ان سے امن اٹھادینے کا کھلا اعلان نہ کردیں اس وقت تک ان کا احترام معاہدہ کی طرح ہی کرنا چاہئے تاکہ اہل اسلام پر غدر وبدعہدی کا الزام نہ آئے حدیث میں ہے کہ اگر کوئی کافر بدوں معاہدہ کے بھی کسی مسلمان پر اطمینان و اعتماد کرلے تو مسلمان کو اس کے قتل وایذا وغیرہ سے احتراز کرنا چاہئے اور بوقت مجبوری اس کے امن واعتماد کو علانیہ ختم کردینا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا مسئلہ ہی سے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک عبارت یہاں آپ کے خطبہ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ علماء ہند منعقدہ پشاور دسمبر ۲۷ء سے نقل کرتے ہیں:۔

"ہمارے علمائے احنافؒ نے اس معاہدہ متبرکہ (معاہدۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم با یہود مدینہ) کو سامنے رکھ کر دارالحرب اور دارالامان کے بہت سے احکام ومسائل اخذ کئے ہیں۔

دارالاسلام ودارالحرب کا شرعی فرق

فقہائے احنافؒ نے دارالحرب میں عقود فاسدہ کے جواز کا حکم دے کر یہ ظاہر کردیا ہے کہ دارالحرب اور دارالاسلام کے احکام میں بہت فرق ہے۔ عقود فاسدہ کے جواز کی اصل ان کے نزدیک یہ آیت کریمہ ہے۔ **فان کان من قوم عدولکم وھو مؤمن فتحریر رقبة مؤمنة** (یعنی اگر کسی مسلمان مہاجر کے ہاتھ سے کوئی ایسا مسلمان مقتول ہو جائے جو دارالحرب میں رہتا تھا اور اس نے ہجرت نہ کی تھی تو اس قتل پر کفارہ واجب ہوگا نہ دیت)

عصمت کی دو قسمیں

اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اسلام کی وجہ سے اسلام لانے والے کی جان معصوم ومحفوظ ہو جاتی ہے مگر عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عصمت موثمہ، یعنی ایسی عصمت جس کے توڑنے

والے پر گناہ تو ہوتا ہے مگر کوئی بدل واجب نہیں ہوتا۔ دوسری عصمت مقومہ جس کے توڑنے پر اس نفس معصومہ کا بدل بھی واجب ہوتا ہے۔

ہر مسلمان کی جان اسلام لاتے ہی معصوم اور واجب الحفظ ہو جاتی ہے اور مسلمان کو قتل کرنے والے کے لئے حضرت حق تعالیٰ نے نہایت صاف وصریح حکم نازل فرمایا ہے:۔

و من یقتل مؤمنا متعمداً فجزاء ہ جھنم

(جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کردے گا اس کی جزا جہنم ہے) اس آیت کریمہ میں جزاء سے جزائے اخروی مراد ہے جو عصمت مؤثمہ کے توڑنے پر واجب ہوتی ہے اور قتل پر مقتول کی جان کا بدلہ (دیت یا قصاص) بھی واجب ہوتا ہے جو مقتول کی جان کی عصمت مقومہ توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتا ہے۔ پس اگر مقتول مسلمان دارالاسلام کا رہنے والا تھا تو اس کو عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ دونوں حاصل تھیں۔ اس لئے اس کا اخروی بدلہ جہنم ہے اور دنیوی جزا قصاص یا دیت ہے لیکن اگر یہی مقتول مسلمان دارالحرب کا رہنے والا تھا تو شریعت مطہرہ نے اس کے قتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں کی بلکہ صرف کفارہ واجب کیا جس سے معلوم ہوا کہ دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانیں عصمت مقومہ نہیں رکھتیں۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمت مؤثمہ تو صرف اسلام لے آنے سے حاصل ہو جاتی ہے مگر عصمت مقومہ کے لئے دارالاسلام اور حکومت وشوکت اسلامیہ ہونا شرط ہے۔

میرا مقصود اس بحث کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کے احکام کا فرق واضح ہو جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے ہم وطن غیر مسلموں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کتنی مذہبی رواداری اور تمدنی ومعاشرتی شرائط پر صلح ومعاہدہ کر سکتے ہیں"۔ (مطبوعہ خطبۂ صدارت ص ۲۶، ۲۷)

تنقیح مذاہب

حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات گرامی کی توضیح وتنقیح کرتے ہوئے چند اہم وضروری گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔ واللہ الموفق۔

ہدایہ ص ۳/۹۴ کے متن میں "لاربوابین المسلم والحربی فی دار الحرب" پر صرف امام ابو یوسف و شافعیؒ کا خلاف ظاہر کیا ہے لیکن اس کے حاشیہ میں اس مسئلہ کو طرفین (امام اعظم وامام محمد) کا لکھ کر امام ابو یوسف وائمہ ثلاثہ کا خلاف بتلایا ہے الدر المنتقی ص ۲/۹ میں بھی امام ابو یوسف کے ساتھ ائمہ ثلاثہ کو لکھا ہے۔ نیز کنز الدقائق للحافظ المحدث العینی ص ۲۲۶ کتاب البیوع میں بھی اسی طرح ہے حالانکہ امام مالکؒ بھی اس مسئلہ میں پوری طرح طرفین کے ساتھ ہیں۔ بجز اس صورت کے کہ اس دار الحرب اور دار الاسلام میں کوئی معاہدۂ صلح موجود ہو ملاحظہ ہو المدونۃ الکبری ص ۱۸۱۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جس دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مسئلہ کی توضیح وتقویت کے لئے کافی ہے اور دوسرے دلائل نیز اس مسئلہ کے مالہ و ما علیہ کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ انوار الباری میں ذکر کریں گے۔

مولانا گیلانی کا مضمون

اس سلسلہ میں ایک مفصل مضمون "مسئلہ سود اور دار الحرب" کے عنوان سے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ کا نظر سے گزرا جو مولانا مودودی کی کتاب "سود" حصہ اول میں ص ۸۷ سے ص ۱۳۵ تک درج ہے اور اس پر ص ۱۳۶ سے ۲۰۶ تک مولانا مودودی کی تنقید چھپی ہے۔ مولانا گیلانی نے کافی حد تک مسئلہ کو سلجھا کر پیش کیا ہے۔ مگر ان کی بعض تعبیرات مسامحت سے خالی نہیں۔

مولانا مودودی کا مضمون

مولانا مودودی نے مسئلہ کے بعض پہلوؤں پر نہایت عمدہ اور دل نشین طرز میں لکھا ہے مگر چند غلطیاں ان سے بھی ہوئی ہیں جن کو ہم غلط فہمی کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں۔ ص ۲۰۳ میں عنوان "قول فیصل" کے تحت ان کا یہ دعویٰ بھی محل نظر ہو جاتا ہے کہ "مولانا گیلانی کے استدلال کی پوری بنیاد منہدم ہو جاتی ہے" ہم مولانا مودودی کی وسعت نظر' کثرت مطالعہ اور جدید مسائل کو سلجھے ہوئے دل نشین اور مدلل طرز میں لکھنے کے امتیازات کی بڑی قدر کرتے ہیں مگر جن مسائل میں وہ صرف اپنی دھنتے ہیں اور دوسروں کی نہیں سنتے یا کسی غلط فہمی کے تحت دوسروں کو

بھی مغالطہ میں ڈال دیتے ہیں اس طرز فکر یا انداز تحریر کی داد دینے سے ہم قاصر ہیں۔ مسح جوربین، بندوق کے شکار کے بغیر ذبح مسنون حلت غلاف کعبہ کی تعظیم کے لئے جلسوں جلوسوں کی مشروعیت، امارت نسواں کی شرعی حیثیت وغیرہ اور مسئلہ زیر بحث میں ہمیں ان سے ایسا ہی اختلاف ہے یہاں ہم اسی مسئلہ پر مختصر کچھ لکھتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

دارالحرب یا دارالکفر میں جواز وعدم جواز عقود فاسدہ کے مسئلہ میں اگر وہ امام ابو یوسف وغیرہ کے مسلک کو ترجیح دے کر عدم جواز کی شق کو ترجیح دیتے تو کوئی حرج نہ تھا۔ ہمارے بعض اکابر دیوبند نے بھی ایسا کیا ہے جیسا کہ مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۶/ ۱۱ اور ص ۱۲۳/ ۲ میں بھی اس کی تصریح ہے۔ لیکن مولانا مودودی نے ص ۱۶۵ میں اس مسئلہ میں امام اعظم کے مسلک کو دوسرے ائمہ کے مسلک پر نہایت زوردار الفاظ میں ترجیح بھی دی ہے۔ انہوں نے لکھا:۔

"اس طرح قرآن وحدیث نے خود ہی دنیوی عصمت کو دینی عصمت سے الگ کر دیا ہے اور دونوں کے حدود بتا دیئے ہیں۔ تمام فقہاء اسلام میں صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی ایسے فقیہ ہیں جنہوں نے اس نازک اور پیچیدہ قانونی مسئلہ کو ٹھیک سمجھا ہے امام ابو یوسف امام محمد، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر مجتہدین بھی ان دونوں قسم کی عصمتوں میں پوری پوری تمیز نہ کر سکے"[1]۔

اس کے بعد مولانا نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ فقہ حنفی کے متاخر شارحین کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بات سمجھنے میں خلط پیش آیا ہے کہ وہ دارالحرب اور دارالکفر کا اصطلاحی فرق نہ کر سکے اور

---

[1] امام محمدؒ پر بے محل تنقید: مولانا مودودی نے یہاں تو صرف متاخر شارحین فقہاء پر نقد کیا ہے لیکن دوسری جگہ امام محمد ایسے جلیل القدر امام مجتہد کو بھی مجروح کر دیا ہے مولانا گیلانی نے ص ۹۶/ ا پر بحوالہ شامی ص ۲۱۰/ ۴ مطبوعہ مصر امام محمدؒ کا قول سیر کبیر سے نقل کیا تھا جو درحقیقت امام اعظم کے ارشاد وفتویٰ کی ترجمانی تھی۔ مگر مولانا مودودی نے اس پر حاشیہ لکھا:۔ "ان الفاظ کی عمومیت محل نظر ہے۔ اگرچہ امام محمدؒ ہی نے لکھا ہو مگر اس کو بلا کسی قید وشرط کے نہیں مانا جا سکتا۔ ورنہ جائز ہوگا کہ مسلمان دارالحرب میں جا کر شراب فروشی کرے یا قحبہ خانے کھول دے یا کوئی مسلمان عورت قحبہ گری کا پیشہ شروع کر دے۔ (۹۷/ اسود) ہم حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات میں نقل کر چکے ہیں کہ عقود فاسدہ کا جواز تراضی طرفین کی شرط کے ساتھ صرف مالی معاملات بیع وشراء وغیرہ سے متعلق ہے اور دوسرے ذلت آمیز یا دناءت کے تمام طریقوں یا پیشوں کو جن سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت وسربلندی کو حرف آئے وہ سب ممنوع ہیں پھر بار بار ایسی چیزوں کو زیر بحث لانے کا کیا حاصل ہے؟

نیز خود مولانا مودودی نے بھی ص ۱۳۹/ ا پر یہ امر تسلیم کیا ہے کہ ائمہ مجتہدین (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مولانا نے اپنے اسی خیال کے تحت یہ نظریہ قائم کرلیا ہے کہ امام صاحبؒ کے جواز عقود فاسدہ کے فیصلہ کا تعلق صرف دارالحرب سے ہے اور دارالحرب سے مراد صرف وہ دارالکفر ہے۔ جس سے بالفعل جنگ برپا ہو اور جن دیار کفر سے بالفعل جنگ برپا نہیں ہے وہ سب نہ دارالحرب ہیں اور نہ ان میں جواز مذکور کا مسئلہ جاری ہوسکتا ہے۔

فقہاء کے یہاں دارالحرب ودارالکفر کی تفریق نہیں ہے

مولانا مودودی کے نظریہ واستدلال کا محور یہی تفریق مذکور ہے جس کے لئے وہ کوئی نقلی استدلال پیش نہیں کرسکے اس کے برخلاف ہم سمجھتے ہیں کہ فقہاء ومجتہدین کے یہاں اس تفریق کا کوئی وجود نہیں ہے امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ کوئی مسلمان دارالحرب میں جائے تو کیا اس کے اور حربی کے درمیان ربوا ہوگا؟ امام نے دریافت فرمایا:۔ کیا تمہارے اوران کے درمیان کوئی معاہدۂ صلح ہے؟ سوال کرنے والوں نے کہا کہ نہیں اس پر امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس صورت میں ربوی معاملات جائز ہیں۔ (المدونۃ الکبریٰ)

دیکھئے امام مالکؒ نے دارالحرب اور دارالکفر کا کوئی فرق نہیں کیا بلکہ اگر دارالحرب کی وہ اصطلاح ہوتی جو مولانا مودودی سمجھے ہیں تو امام مالکؒ کا سوال ہی بے محل ہوجاتا کما لا یخفی۔

اس کے بعد ائمہ مجتہدین کے جہاں اختلاف کا ذکر ہوا ہے وہاں بھی حالت جنگ اور زمانۂ صلح کا کوئی فرق نہیں کیا گیا پھر عصمت موثمہ وعصمت مقومہ کی جو بحث ہوئی ہے اور اس پر مولانا مودودی کی بھی نظر ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسئلہ کا اصل مدار صرف اسی پر ہے نہ کہ دیار کفر کی تفریق مذکور پر۔

طرفین وامام مالک کے مذہب کا فرق

واضح ہو کہ امام مالک اور طرفین (امام اعظم وامام محمد) کے مذہب میں اتنا ہی فرق ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کے زمانہ میں تمام دستوری قوانین واحکام کتاب وسنت کی روشنی میں مدون ہوئے تھے اور اس زمانہ کے فقہاء صرف مدارس کے اساتذہ نہ تھے۔ بلکہ وہی اسلامی سلطنتوں کی رعایا اور غیر مسلم سلطنتوں کی رعایا کے درمیان معاملات وتعلقات کی گوناگوں صورتوں اور قانونی مسائل کے تصفیے بھی کرتے تھے جب اس دور کے عام فقہاء کے لئے بھی اتنی بڑی اعتماد کی سند دی جاسکتی ہے تو امام محمدؒ ایسے جلیل القدر فقیہ ومجتہد کی نقل وتشریح کو نظر انداز کردینا کیا موزوں ہے؟

کہ طرفین دارالحرب و دارالاسلام کی صلح کی صورت میں بھی اس قسم کے معاملات کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ شرح السیر الکبیر ص ۲۲۸/۳ میں اس کی وجہ بھی لکھی ہے کہ ''صلح کی وجہ سے دارالحرب دارالاسلام نہیں بن جاتا' مسلمانوں کے لئے بھی دارالحرب والوں کا مال ان کی خوشی و رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے کیونکہ اس میں عذر پایا جاتا ہے البتہ ان کی خوشی سے یہ معاملہ ہو تو غدر (دھوکہ) نہ ہوگا اور ان سے لیا ہوا مال مباح ہو جائے گا۔''

دارالحرب کے کفار مباح الدم نہیں ہیں

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مطلق طور سے قائلین جواز کو یہ طعنہ دینا کہ انہوں نے غیر ذمی کفار کو مباح الدم والاموال قرار دے دیا ہے صحیح نہیں ہے اور اس قسم کی تیز قلم تعبیرات سے اپنے نظریہ کو قوت پہنچانا اور دوسروں کے استدلال کو گرانے کی سعی محمود نہیں ہے۔

ہمیں مولانا مودودی صاحب کی اس تعبیر سے بھی اختلاف ہے کہ ہندوستان ایک وقت میں افغانستان کے مسلمانوں کے لئے دارالحرب تھا۔ ایک زمانہ میں ترکوں کے لئے دارالحرب ہوا مگر اب یہ تمام مسلمان حکومتوں کے لئے ''دارالصلح'' ہے اول تو ''دارالصلح'' کی اصطلاح نئی ہے اور شاید دارالحرب کے مقابلے میں بنانے کی ضرورت ہوئی۔ کیونکہ لغوی معنی حرب پر پوری توجہ صرف ہو گئی ہے ورنہ جیسا کہ ہم نے بتلایا فقہی اصطلاح کی رو سے دارالحرب و دارالکفر میں کوئی فرق نہیں ہے پھر کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک دارالحرب والوں کی دو اسلامی ملکوں سے تو مثلاً صلح ہو اور چالیس دوسرے اسلامی ملکوں سے صلح کا کوئی معاہدہ و میثاق نہ ہو اور اس صورت میں اگر دارالحرب کے مسلمان اسلامی ملکوں سے استنصار فی الدین کریں تو کیا مذکورہ بالا دو ملکوں کے سوا کہ وہ میثاق کی وجہ سے مجبور ہوں گے۔ دوسرے چالیس اسلامی ملک بھی ان مظلوم مسلمانوں کی ہمہ قسم امداد و اعانت سے دست بردار ہو جائیں گے غرض محض حالت حرب بالفعل ختم ہو جانے سے کسی دارالحرب کو ایسے دارالصلح کی حیثیت دے دینا جس سے وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کی حکومتوں کے لئے بطور معاہد و مصالح ملک کے ہو جائے ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

دارالحرب میں مسلمانوں کی سکونت

رہا یہ کہ دارالحرب میں مسلمانوں کے قیام کی مدت سال دو سال سے زیادہ نہیں ہوسکتی یا نہ ہونی چاہئے۔ یہ تحقیق بھی محل نظر ہے کیونکہ دارالحرب یا دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت ضرور مطلوب شرعی ہے اور قرآن مجید و احادیث صحیحہ میں اس کی ضرورت و اہمیت واضح کرنے کے لئے بہ کثرت ارشادات ملتے ہیں مگر اس کے لئے بقول حضرت شاہ صاحبؒ کے ٹھکانہ کا دارالاسلام میسر ہونا بھی ایک شرط ہے اور جب تک ایسا نہ ہو تو دارالحرب میں رہ کر ہی مسلمانوں کا اپنے انفرادی اجتماعی و مذہبی حقوق کیلئے پوری ہمت و جرأت کے ساتھ سعی کرنا فرض ہے اگر وہ مظلوم ہوں اور کوئی اسلامی حکومت ان کی مدد نہ کر سکے تب بھی بین الاقوامی قوانین اور ان کو ماننے و منوانے والی دنیا کی چھوٹی و بڑی طاقتیں تو ان کی مدد کر سکتی ہیں۔ ع ہمت مرداں مدد خدا

بالفرض کسی دارالحرب میں اگر مسلمانوں کو اپنے دین پر قائم رہنا ہی ناممکن ہو جائے یا ان کی جان و مال مسلسل خطرات ہی کی نذر ہوتے رہیں تو وہاں سے ہجرت ضرور واجب ہو جائے گی۔ (اگرچہ یہ شرط پھر بھی باقی رہے گی کہ وہ دارالجرت ٹھکانہ کا ہو)

غرض ہجرت خود ایک بہت بڑا جہاد ہے اس کے مصائب و آلام اور تکالیف شاقہ کا تحمل آسان نہیں۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے **"ویحک ان شان الھجرۃ شدید"** فرمایا (بخاری باب زکوٰۃ الابل)

اس لئے حالات و اسباب کے تحت ہجرت کے درجات استحباب، سنیت و وجوب کا فیصلہ علماء وقت ہی کر سکتے ہیں۔ کوئی ایک حکم دیار کفر کے سب مقامات و حالات کے لئے نہیں کیا جا سکتا واللہ تعالیٰ اعلم۔

دارالحرب کی بسنے والی قوموں کا باہمی معاہدہ ضروری ہے

حضرت شاہ صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں یہ بات بھی صاف کر دی ہے کہ اگر ہندوستان میں بسنے والی ہندو مسلمان دونوں قومیں ایک منصفانہ معاہدہ کر لیں تا کہ کسی کے

دل میں کوئی خطرہ باقی نہ رہے کہ آزادی کے زمانے میں کثیر التعداد قوم قلیل التعداد کو نقصان پہنچا سکے۔ اور اس منصفانہ معاہدہ کے ذریعے مسلمانوں کو مطمئن کر دیا جائے تو پھر ان کے لئے کوئی وجہ تشویش باقی نہیں رہتی۔ وہ حب وطن اور حب مذہب کے دلدادہ ہیں اور معاہدہ کی پابندی اور رواداری ان کا شعار ہے اگر ان کو آج کثرت کی تعدی و ظلم کے خطرہ سے محفوظ کر دیا جائے تو وہ ہندوستان کی جانب سے ایسی ہی مدافعانہ طاقت ثابت ہوں گے۔ جس طرح اپنے وطن سے کوئی مدافعت کرتا ہے۔

دفاع وطن میں مسلمانوں کا حصہ

لہذا یہ خطرہ کہ آزادی کے وقت میں اگر کسی مسلمان حکومت نے ہندوستان پر حملہ کیا تو مسلمانوں کا رویہ کیا ہوگا۔ نہایت پست خیالی ہے اور اس کا نہایت سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے ہمسایوں کی طرف سے کسی معاہدہ کی وجہ سے مطمئن ہوں گے اور ہمسایوں کی تعدی اور ظلم کا شکار نہ ہوں گے تو ان کا رویہ اس وقت وہی ہوگا جو کسی شخص کا اس کے گھر پر حملہ کرنے کی حالت میں ہو اگرچہ حملہ آور اس کا ہم قوم اور ہم مذہب ہی ہو اس سے زیادہ ایک بات اور بھی قابل لحاظ ہے کہ جب مسلمانان ہندوستان اپنے معاہدہ کی وجہ سے پابند ہوں اور غیر مسلم اقوام سے ان کا معاہدانہ برتاؤ واجب ہو تو ایسی حالت میں کسی مسلمان بادشاہ کو مذہباً اس کی اجازت بھی نہیں کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے معاہدہ کو توڑے اور ہندوستان پر حملہ آور ہو بلکہ اس پر واجب ہوگا کہ وہ مسلمانان ہند کے اس معاہدہ کا پورا احترام کرے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ **ذمة المسلمين واحدة يسعى بها ادناهم** (کہ مسلمانوں کا عہد اور ذمہ داری ایک ہے ان میں سے ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی کوئی عہد کرے تو دوسروں پر اس کا احترام لازم ہے)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد ہے فرمایا: **كل صلح جائز الا صلحا احل حراماً او حرم حلالا** (سوائے اس صلح کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے ہر قسم کی صلح جائز و درست ہے)

مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ ومخلصانہ معاہدہ کی ضرورت

میں نہایت بلند آہنگی کے ساتھ برادران وطن کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ معاہدہ کرلیں اور اس معاہدہ کو دیانتداری اور خلوص کے ساتھ پورا کریں۔ سیاسی چالوں اور نمائش پالیسی سے کام نہ لیں تو مسلمانوں کو پورا وفادار مخلص ہمسایہ پائیں گے کیونکہ مسلمان بحیثیت مذہب کے قرآن پاک کے حکم کے بموجب معاہدہ کو پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ (خطبہ صدارت ص۲۰ و ص۲۱)

دارالحرب ودارالاسلام کی تشریح

ان دونوں کی تفریق وتشریح ہم حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے ارشادات کی روشنی میں انوارالباری ص ۱۹۹ ج ۱ میں درج کر چکے ہیں مختصر یہ کہ جس ملک میں اسلام کی شان وشوکت اور حکومت ہو اور وہاں کے حکام وولاۃ سلاطین وملوک مسلمان ہوں وہ دارالاسلام ہے خواہ وہاں کسی وجہ سے شرعی قوانین کا نفاذ نہ ہو۔ شامی[1] ص ۲/۲۷۷ میں اس کا فتویٰ موجود ہے کہ اگر سلاطین اسلام اپنے ممالک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی قوت رکھتے ہیں اور باوجود اس کے نافذ نہیں کرتے تو ایسا ملک دارالا[2]سلام ہی رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر

---

[1] وبهذا ظهر ان ما فی الشام من جبل یتم الله اس سے بظاہر یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی اسلامی ملک یا ریاست کسی غیر مسلم حکومت کے زیر اقتدار وانتداب ہے [2] بعض لوگ ان دیار اسلام کی کوئی وقعت نہیں سمجھتے جہاں کسی وجہ سے قوانین اسلام کا نفاذ نہیں ہے بلکہ دیار کفر کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں یہ ان کی بڑی غلطی ہے دیار اسلام یا مسلم حکومتیں باوجود ہزار نقائص کے بھی اسلامی شوکت وسطوت کے عظیم القدر نشان ہیں اور ان کی عظمت وبرتری سے انکار جائز نہیں ہے۔ والحق یعلو ولا یعلی۔

اس موقع کی مناسبت سے حضرت علامہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی دام ظلہم (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حال مفتی اعظم پاکستان) کے ارشادات رسالہ ''بینات'' کراچی ماہ فروری ۱۹۶۶ء کے ص ۲۵ سے نقل کئے جاتے ہیں۔ ''یہاں بعض مرتبہ یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں چونکہ اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں اس لئے وہ دارالاسلام نہیں ہے۔ اور اس کی طرف سے جو جنگ کی جائے وہ جہاد نہیں ہے لیکن یہ اعتراض اسلامی احکام سے سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے اس لئے کہ اسلامی فقہ میں یہ بات مسلمہ ہے کہ دارالاسلام ہونے کا مدار اس بات پر ہے کہ ملک میں اقتدار کس کا ہے؟ اگر اقتدار مسلمانوں کا ہے تو ہو دارالاسلام ہے اور اگر اقتدار کافروں کے ہاتھ میں ہے تو وہ دارالحرب ہے۔ پاکستان میں اگر اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں تو یہ ہماری زبردست کوتاہی ہے جس کی وجہ سے ہم اللہ کے نزدیک مجرم ہیں۔ مگر اس کی وجہ سے پاکستان کو دارالاسلام سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ کسی غیر مسلم اقتدار کے ماتحت ہونے کی وجہ سے تنفیذ احکام پر قادر بھی نہ ہوں تب وہ ملک دارالاسلام نہ رہے گا۔ واللہ اعلم۔

اور وہاں کا امیر مسلمان ہے اور ملک میں اسلامی شوکت کارفرما ہو نیز اس امیر کو اندرون ریاست و ملک تنفیذ احکام وغیرہ کی پوری پوری آزادی ہو تو وہ ملک بھی دارالاسلام ہوگا جیسے انگریزوں کے دور حکومت میں ریاست ہائے' حیدرآباد' ٹونک و بھوپال وغیرہ تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اس کے برخلاف جس ملک میں کفر کی شوکت ہو ملک کا بڑا سربراہ غیر مسلم ہو اور وہاں تنفیذ احکام اسلامیہ کی کوئی بھی صورت ممکن نہ ہو وہ دارالحرب ہے خواہ وہاں مسلمانوں کو اداء احکام شرعیہ کی اجازت ہو جیسے انگریزی دور میں تھی۔

دارالامان و دارالخوف کی تشریح

اس کے بعد دارالحرب کی دو قسم ہیں[۱]۔ دارالامان اور دارالخوف' جہاں مسلمانوں کو پوری طرح جان و مال کا امن قانوناً و عملاً حاصل ہو وہ دارالامان ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ دارالخوف ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) خارج نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی مسجد میں لوگ نماز پڑھنا چھوڑ دیں تو ان کو تو مجرم کہا جائے گا لیکن اس کی وجہ سے مسجد کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مسجد نہیں رہی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ جنگ عظیم کے موقع پر جب انگریز ترکی حکومت کے خلاف جنگ کر رہے تھے تو ہندوستان کے تمام مشاہیر علماء حضرت شیخ الہندؒ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ وغیرہ نے بھی ترکی حکومت کی جنگ کو جہاد قرار دے کر اس کے لئے چندے کئے تھے۔ اور یہ کہا تھا کہ جو لوگ انگریزوں کی فوج میں شامل ہو کر ترکی کے خلاف لڑتے ہوئے مارے جائیں گے۔ وہ کتے کی موت مریں گے حالانکہ ترکی حکومت اس وقت دینی اعتبار سے پاکستان سے کہیں بدتر تھی۔

[۱] عالمگیری کتاب السیر "فصل دخول المسلم فی دار الحرب یامان" میں ہے کہ اگر کوئی مسلم تاجر امان لے کہ دارالحرب میں جائے تو اس پر حرام ہے کہ دارالحرب باشندوں کے جان و مال کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے الا یہ کہ وہاں کا بادشاہ ہی اس تاجر کے ساتھ بدعہدی کرے مثلاً اس کا مال غصب کر لے یا اس کو قید کر دے وغیرہ یا اس کی رعایا میں سے دوسرے لوگ اس تاجر کے ساتھ بدسلوکی کریں یعنی اس کی جان و مال و آبرو کو نقصان پہنچائیں اور بادشاہ وقت و حکام ان کو ایسی زیادتی سے نہ روکیں تو اس وقت اس تاجر مستامن کو بھی کفار کے اموال و انفس سے تعرض کرنا جائز ہوگا۔ ص ۱۴۶/۳ مطبوعہ مصطفائی لکھنؤ) اس سے معلوم ہوا کہ دارالامان میں مسلمانوں کے لئے صرف قانونی و دستوری عہد امان کافی نہیں ہے بلکہ اس کا عملی نفاذ بھی نہایت ضروری و اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

مستضعفین کے لئے عتاب اخروی کا خوف

ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی مہذب حکومت اپنے ملک کو کسی قوم یا اقلیت کے لئے دارالخوف کی پوزیشن میں رکھنا پسند نہیں کر سکتی۔ تاہم اگر ایسا کہیں ہو تو مسلمانوں کو وہاں کی خلاف آئین باتوں کو روکنے کے لئے کسی آئینی جدوجہد میں پس پیش نہیں کرنا چاہئے اور نہ اپنے کو مستضعفین فی الارض (دنیا کی بے یارومددگار قوم) سمجھ کر خاموش بیٹھنا چاہئے ورنہ وہ افلم تکن ارض اللہ واسعة فتھا جروافیھا؟ کے عتاب اخروی سے نہ بچ سکیں گے اور بظاہر یہاں ہجرت کا مفہوم متعارف معنی میں منحصر ومحدود نہیں ہے کہ ساری قوم ہی ہجرت کر جائے بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے تھوڑے تھوڑے آدمی دنیا کے دوسرے حصوں میں جائیں اور اپنے حالات بتلا کر سمجھا کر بین الاقوامی رائے عامہ کی مدد و نصرت حاصل کریں اس سے حالات سدھرنے کی بہت جلد سبیل نکل سکتی ہے۔ واللہ المعین۔

بحالت موجودہ دارالحرب کے مسلمانوں کیلئے جواز سود

جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا فقہ حنفی کا مسئلہ تو دارالحرب میں عقود فاسدہ ومعاملات ربویہ کے جواز ہی کا ہے لیکن اس پر فتویٰ دینے سے ہمارے اکابر نے ہمیشہ احتراز کیا ہے بلکہ بعض اکابر نے براہ احتیاط وتقویٰ امام ابو یوسف کے مسلک کو ترجیح دی ہے تاکہ اسلامی احکام و اقدار کی بے قدری یا ان سے عام ناواقفیت کی نوبت نہ آجائے۔ اس لئے دارالحرب میں بھی بغرض جلب منفعت یا بطور پیشہ یا کسب معاش کے لئے سودی کاروبار بیمہ لاٹری وغیرہ کو اختیار کرنا درست نہ ہوگا۔ البتہ املاک وغیرہ کے تحفظ کے لئے مخصوص حالات میں بیمہ کرانا ناگزیر ہو۔ یا مروجہ مغربی اقتصادی نظام کے تحت کاروباری مخصوص ضرورتوں کے تحت بینکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں سے کم سے کم شرح سود پر روپیہ لے کر اس کے ذریعہ زیادہ منافع و تکمیل ضرورت کی سبیل ہوسکتی ہے تو ایسا کرنا درست ہوگا۔ اور اس طرح بھی اگر اپنی مخصوص ضروریات سے منافع ورقوم زیادہ حاصل ہوں تو ایسی رقوم کو ضرورت مند مسلمانوں کی

اجتماعی[1] ضروریات پر خرچ کرنا چاہئے۔ اور ایسی رقوم سے ہر مرکزی جگہ پر بیت المال قائم کئے جائیں تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ اکثر دیار کفر کے مسلمانوں کے حالات نہایت پست ہوتے ہیں خصوصاً ایسے ملک میں جہاں وہ دوسری اکثریت والی قوموں کے بے جا تعصب و تنگ نظری کے شکار ہوتے ہیں اور باہمی نزاعات کے سبب اموال و انفس کے نقصانات اٹھانے پر مجبور ہوتے رہتے ہیں اور حکومت وقت بھی ان کے نقصانات کی تلافی نہیں کرتی۔ بعض دیار کفر میں تو مسلمانوں کو جگہ جگہ اور پے در پے مسلسل جانی و مالی نقصانات سے دوچار ہونا پڑا ہے اور فسادات کے وقت میں صرف مسلمانوں کے مکانوں دوکانوں اور جانوں کو غیر معمولی نقصانات پہنچے ہیں تو ایسے حالات میں اگر تحفظ اموال و انفس و املاک کی غرض سے بیمہ کرایا جائے تو دارالحرب کی رخصتوں کا یہ استعمال بے محل نہ ہوگا جیسا کہ ابھی حال میں ''مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ'' نے بھی مخصوص حالات میں جواز کا فیصلہ کیا ہے۔ اور مخدوم محترم جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دام ظلہم نے روز نامۂ دعوت مورخہ ۱۰ فروری ۶۶ء میں اس فیصلہ کے پس منظر اور وجوہ و اسباب پر کافی و شافی بیان شائع کر دیا ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء

اس ضمن میں اور بھی بہت سے اہم مسائل زیر بحث آ سکتے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات کا حل دیار کفر کے مسلمان باشندوں کی پسماندگی و لاچاریوں کا علاج موجودہ دور میں ہجرت کی شرعی حیثیت دنیا کے مختلف حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کے اسلامی و شرعی تعلقات کی نوعیت غیر مسلموں سے مسلمانوں کے تعلقات و مراسم کی شرعی حدود اور ان کے ساتھ برادرانہ رواداری اور انسانی رشتہ سے زیادہ سے زیادہ علاقہ کی نوعیت کا تعین و نشان دہی جس کی طرف حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اپنے خطبہ صدارت میں ارشادات کئے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے موقع پر ہم ان سب مسائل پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ واللہ الموفق۔

مزید افادہ اور ضروری تشریح

دارالحرب (دارالکفر) اور دارالاسلام کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے کچھ

---

[1] شرح السیر الکبیر اور شامی و عالمگیری میں ہے کہ مسلمانوں کے جو اموال اہل حرب سے بغیر قتال کے دوسری جائز صورتوں سے حاصل ہوں ان کو مصالح مسلمین پر صرف کرنا چاہئے۔ ''مولف''

مزید ارشارات انوار الباری ص ۱۴۵/ ۱۶ میں بھی درج ہوئے ہیں ان کے علاوہ ملاحظہ ہو
''مشکل الآ ثار امام طحاوی ص ۲۴۱/ ۴ جس میں امام محمدؒ کا استدلال حدیث سے بابتہ جواز ربوا
دارالحرب موجود ہے اور العرف الشذی ص ۳۰۳' ص ۴۸۹ وص ۵۳۲ بھی دیکھی جائے اور
ان کی تائید مندرجہ ذیل دوسرے ارشادات اکابر سے بھی لائق مطالعہ ہے:۔

رائے حضرت گنگوہیؒ درج شدہ آپ بیتی ص ۳۶۷/ ۶ نقل شدہ از افاضات ۹/ ۲ ص
۳۰۶ حضرت تھانویؒ نے فرمایا:۔

(۱) ''میں نے تو حضرت گنگوہیؒ سے بھی بعض مسائل میں اختلاف کیا اور اس اختلاف کا
علم بھی حضرت مولانا کو میں نے کرادیا لیکن شفقت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ بلکہ جب
میں نے والد صاحب مرحوم کی بینک کی رقم کے منافع کا حصہ ترکہ میں نہیں لیا اور اپنی رائے
حرمت کی اطلاع بھی کردی تھی اور مولانا کے نزدیک اس میں تنگی نہ تھی تو مولوی محمد یحییٰ صاحب
نے عرض کیا کہ ''پھر آپ اس سے (یعنی مجھ سے) لے لینے کو کیوں نہیں فرمادیتے''؟

اس پر حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا ''سبحان اللہ ایک شخص اپنی ہمت سے تقویٰ اختیار
کرنا چاہتا ہے کیا میں اس کو تقوے سے روکوں؟'' تو دیکھئے مولانا اس اختلاف سے ناراض تو
کیا ہوتے اس کا نام تقویٰ قرار دے کر الٹے خوش ہوئے۔

غرض اگر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف نیک نیتی کے ساتھ اور محض دین کے لئے ہو تو
کچھ مضائقہ نہیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک حضرت تھانویؒ کی نظر میں رجحان امام ابو یوسفؒ کے
قول کی طرف تھا اور احتیاط و تقوے پر ہی عمل تھا۔

حضرت تھانویؒ کی رائے اور ارشادات

(۲) حضرت تھانویؒ کا دوسرا ملفوظ بابتہ رمضان المبارک ۳۶ھ ص ۱۲۶ بھی ملاحظہ ہو۔
''ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟''

ارشاد: عموماً دارالحرب کے معنی غلطی سے یہ سمجھے جاتے ہیں کہ جہاں حرب واجب ہو

سو اس معنی کر تو ہندوستان دار الحرب نہیں ہے کیونکہ یہاں بوجہ معاہدہ کے حرب درست نہیں مگر شرعی اصطلاح میں تعریف دار الحرب کی یہ ہے کہ جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو تعریف تو یہی ہے آگے جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ امارات ہیں اور ہندوستان میں غیر مسلم کا پورا تسلط ہونا ظاہر ہے۔ مگر چونکہ دار الحرب کے نام سے پہلے غلط نام کا شبہ ہوتا ہے اس لئے غیر دار الاسلام کہنا زیادہ اچھا ہے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک دار الامن دوسرے دار الخوف۔ دار الخوف وہ ہے جہاں مسلمان خوفزدہ ہوں اور دار الامن وہ ہے جہاں مسلمان خوف زدہ نہ ہوں سو ہندوستان دار الامن ہے کیونکہ باوجود غیر مسلم کے پورے تسلط کے مسلمان خوفزدہ نہیں اور حرب بھی درست نہیں کیونکہ باہم معاہدہ ہے۔

اعتراض: حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ غیر دار اسلام میں عقد ربوا کو جائز کہتے ہیں دلیل یہ ہے کہ **لا ربوا بین المسلم والحربی الخ**

جواب: میری تحقیق یہ ہے کہ عقد جائز نہیں اور بعض اکابر جائز فرماتے تھے۔ اس پر مجھ پر اعتراض ہوا تھا کہ آپ نے بڑوں کی مخالفت کی میں نے جواب دیا مخالفت نہیں خلاف تو جب ہوتا کہ وہ ناجائز کہتے اور میں جائز کہتا میں نے تو احتیاط کو لیا اگر کوئی احتیاط کرے تو ان کا کیا حرج؟ احتیاط تو اور اچھی ہے وہ بھی یہی فرماتے کہ احتیاط پر عمل کرنے میں کیا حرج ہے اور وہ حضرات وجوب تو نہیں کہتے کہ لینا ربوا کا ضروری ہے جائز کہتے ہیں میں نے جو رسالہ اس میں لکھا ہے وہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو دکھا دیا تھا اس کی تعریف کی مگر خلاف مشہور ہونے کے سبب سے دستخط نہیں فرمائے اس کا نام ''تحذیر الاخوان فی تحقیق الربوا فی الہندوستان'' ہے۔ اس کے بعد آخری ارشاد حضرت تھانویؒ ملاحظہ ہو۔

حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری کا ارشاد

فتح پور میں ایک وکیل صاحب کے یہاں دعوت مع احباب تھی جو حضرتؒ نے قبول فرمائی تھی۔ اس بارے میں حضرتؒ نے شب کے وقت اپنے ہمراہیان احباب سے فرمایا۔

''ان کے یہاں کھانے کو دل تو گوارا نہیں کرتا مگر انہوں نے اعانت کی ہے (یعنی اہلیہ کے)

بیماری کے علاج کے سلسلہ میں) اس لئے میں نے دعوت قبول کر لی ہے ورنہ قبول بھی نہ کرتا بات یہ ہے کہ وکالت کی آمدنی میں فقہاء کو کلام ہے' خواہ مقدمات سچے ہوں اور جھوٹے مقدمات میں تو کسی کو اس کے ناجائز ہونے میں کلام ہی نہیں ہے مگر ہندوؤں سے آمدنی کا حصہ زیادہ آتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کافر غیر ذمی سے اس کی رضا سے اس کا مال لینا درست ہے۔ اس لئے امام صاحبؒ کے اس قول پر فتوے کی رو سے کھانا جائز ہے۔ مگر میں احباب کو مطلع کرتا ہوں جن کا جی نہ چاہے وہ نہ جائیں کیونکہ میں کیوں باعث بنوں ان کے مبتلا ہونے کا۔

میں آزادی دیتا ہوں کہ جن صاحب کا جی چاہے شریک ہوں اور جن کا جی نہ چاہے وہ نہ شریک ہوں میں اپنے اوپر سب کا بار کیوں لوں؟

چونکہ فتوے سے جائز ہے اور میں نے اپنی دعوت قبول کرنے کی وجہ بھی بتلا دی پھر یہ کہ میں سراپا گنہگار ہوں میں تو کھالوں گا۔ (ملفوظات ربیع ا تا جمادی ۲-۳۷ بزمانہ قیام فتح پور)

(۵) دارالحرب میں سود میرے اکابر کے نزدیک کفار سے جائز ہے۔ (ص ۱۰۱ مکتوبات علمیہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ)

نوٹ:۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ فقہاء نے صرف دارالاسلام کے مسائل مدون کئے ہیں ضرورت ہے کہ دارالحرب کے مسائل بھی الگ سے تفصیل کے ساتھ مدون کر کے شائع کئے جائیں۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ بیشتر علماء بھی ان سے واقف نہیں ہیں۔

خلافت حضرت آدم علیہ السلام بوجہ فضیلت عبودیت

۳ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ بعد نماز جمعہ کی مجلس میں اپنے تلامذۂ حدیث وغیرہ کے لئے چند ارشادات فرمائے جو درج ذیل ہیں:۔

غالباً آج سال کا آخری[1] جمعہ ہے اپنے علم و تجربے کے تحت چند چیزیں پیش کرتا ہوں۔

---

[1] یہ حضرتؒ نے درسی سال کے لحاظ سے فرمایا تھا (کیوں کہ ڈابھیل میں بھی ۹' ۱۰ شعبان تک سالانہ امتحان وغیرہ سے فراغت ہو جایا کرتی تھی اس وقت حضرتؒ درس بخاری شریف کے آخری اسباق پڑھا رہے تھے۔ ۱۹ شعبان المعظم ۵۱ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۳۳ء یکشنبہ کو ۱۰ بجے صبح کے وقت بخاری شریف ختم کرائی تھی اور یہ حضرتؒ کا آخری درس تھا کیونکہ اگلے سال بوجہ شدت علالت ڈابھیل تشریف نہ لے جا سکے اور ۲ صفر ۵۲ھ کی شب میں انتقال

علم وعبادت

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی وجہ علم زیادہ ہونا ملائکہ سے بتلایا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت ہی میں عبدیت زیادہ تھی بہ نسبت ملائکہ کے اس لئے وہ خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں کیونکہ خلافت عطا فرمانے کی بات اور اس پر ملائکہ کی طرف سے عرض ومعروض پہلے ہی ہو چکی تھی۔ پھر جب یہ مکالمہ (یا مناظرہ ختم ہو چکا تو حق تعالیٰ نے ایک کرشمہ بھی دکھادیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم عطا فرما کر ظاہر میں حجت بھی قائم فرمادی یعنی ارشاد خداوندی عطاء منصب خلافت پر ملائکہ نے بنی آدم کے ظاہری احوال سے سفک د ماوفساد فی الارض کا اندازہ لگا کر جو بے محل سوال کر دیا تھا۔ حق تعالیٰ نے صرف انی اعلم مالا تعلمون فرمادیا اور فرشتے بھی اپنے بے محل سوال پر نادم ہو گئے۔ پھر بعد کے واقعات نے ظاہر کر دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہر موقع پر جناب باری میں نہایت عاجزی، غایت تذلل اور تضرع وابتہال ہی کا اظہار کیا۔ اور کوئی بات بھی بجز عبودیت کے ظاہر نہ فرمائی۔ حالانکہ وہ بھی حجت ودلیل اور سوال وجواب کی راہ اختیار کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناظرہ ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ایسی قوی حجت پیش فرمائی کہ حسب ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ ظاہر ہے کہ یہی دلیل وہ حق تعالیٰ کی جناب میں بھی پیش کر سکتے تھے مگر وہاں ایک حرف بھی بطور عذر گناہ نہیں کہا۔ بلکہ اس کے برخلاف اپنے قصور ہی کا اعتراف فرما کر مدت دراز تک توبہ و استغفار عجز ونیاز اور گریہ وزاری میں مصروف رہے۔ میرے نزدیک یہی عبودیت اور سراپا طاعت ونیازمندی کا وہ مقام تھا جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام خصوصیت فضیلت اور خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں۔ پھر اس کے بعد جو حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وصف علم کو اس موقع پر نمایاں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کا وصف ظاہر تھا۔ جس کو سب معلوم کر سکتے تھے اس لئے کہ وہ مدار فضیلت تھا بخلاف وصف عبودیت کے کہ وہ مستور و پوشیدہ وصف تھا۔ جس کو معلوم کرنا دشوار تھا۔ پھر فرمایا کہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کے اس قصہ سے ۱۵ اصول دین کے نکالے ہیں اور وہی اسلام کی اساس وبنیاد ہیں۔

عبدیت سب سے اونچا مقام ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب میں سے سب سے بڑا لقب عبدہ ہے اور عارفین نے سب سے بڑا مقام عبدیت ہی کا بتلایا ہے۔ (فیض الباری ص ۱۵۵/۴ میں بھی عبودیت سیدنا آدم علیہ السلام کو مناظر خلافت قرار دیا گیا ہے۔ اس کا بھی مطالعہ کریں (مؤلف)

حضرات علماء اسلام کا ارشاد ہے کہ حضور علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے ساتھ تواضع کی تو دولت معراج حاصل ہوئی اسی لئے واقعہ اسراء میں عبد کے لفظ سے اس کی طرف اشارہ فرمایا اور مخلوق کے ساتھ تواضع کی تو دولت شفاعت پائی۔ واللہ اعلم۔

امام رازیؒ نے اپنے والد ماجد سے نقل فرمایا کہ میں نے ابوالقاسم سلیمان انصاری کو یہ کہتے سنا کہ شب معراج میں حق تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کونسا لقب و وصف سب سے زیادہ پسند ہے تو آپ نے فرمایا وصف عبدیت (تیرا بندہ ہونا) اس لئے سورۂ اسراء میں آپ کا یہی پسند کردہ لقب نازل ہوا۔ (بحوالہ سیرۃ المصطفے ص ۱/۳۱۳)

عبدیت و مسئلہ تقدیر

فرمایا:۔ یہی عبدیت مناظرۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں جا کر کھلی ہے کہ دوسرے عالم میں تقدیر کے تحت اپنا عاجز ہونا ظاہر کیا جا سکتا ہے درحقیقت ہماری نگاہ جس سطح پر پڑ رہی ہے تقدیر اس سے وراء ہے اور گو تقدیر خداوندی ہی ہمارے سارے اسباب و مسببات کو بیکار کر رہی ہے مگر جب وہ سامنے نہیں ہے تو اس سے آڑ پکڑنا بھی نادرست ہے۔

علم وسیلہ ہے

فرمایا:۔ علم وسیلہ ہے جس کا حسن تب ہی ظاہر ہوگا کہ وہ مقصود تک پہنچا دے۔ **ھتف العلم بالعمل فان اجاب والا ارتحل** (علم عمل کو آواز دیتا ہے اور بلاتا ہے اگر عمل ساتھ آ جائے فبہا ورنہ وہ علم بھی گیا گزرا ہو جاتا ہے چنانچہ میں نے کل عمر میں نہیں دیکھا کہ عاصی و گنہ گار کی سمجھ دینیات میں صحیح ہو۔

فضیلت علم

فرمایا:۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے ''الدنیا ملعونۃ ملعون مافیھا الا ذکر اللہ

ماوالاہ وعالم و متعلم " (دنیا پر لعنت و پھٹکار مگر خدا کی یاد اور جو اس کے لگ بھگ ہو اور عالم و متعلم) ہمیں وجدان شریعت سے معلوم ہوا کہ عاصیوں اور معاصی دونوں کو ممثل کر کے جہنم میں پہنچایا جائے گا اور تمام اہو یہ (بری خواہشات وارادے) بھی ممثل کی جائیں گی اور ہر چیز کی صورت آنکھوں سے نظر آئے گی نیز منذری کی "الترغیب والترہیب" میں ہے کہ طاعت جنت میں اور جو لغیر اللہ ہے وہ جہنم میں جائے گی۔

مطالعہ کتب کی اہمیت

فارغ التحصیل طلبہ کو نصیحت فرمائی کہ گھر جا کر مطالعہ کتب ضرور کرتے رہنا کیونکہ علم کسب ومحنت ہی سے حاصل ہوتا ہے آدمی کو پہلے ہی سے کتاب دیکھنے کا قصد کر لینا چاہئے ورنہ علم نہ پڑھے ہدایہ بخاری شریف وغیرہ پر نظر رکھے اور علماء عارفین کی کتابیں بھی دیکھے بہت سی جگہ احادیث حقیقت کو انہوں نے محدثین سے بھی زیادہ اچھا سمجھا ہے۔ مثلاً احادیث متعلقہ احوال بعد الموت لیکن جو عارف شریعت نے ناواقف ہو اس کی کتاب دیکھنا مضر ہوگا۔ سنا ہے کہ پہلے لمعات اوّاس کی اس شرح عارف جامی کی دہلی کے علماء کو پڑھائی جاتی تھی میں کہتا ہوں کہ حجۃ اللہ البالغہ اور الطاف قدس بھی مطالعہ میں رکھنا۔

حدیث ان تعبداللہ کی حقیقت

حدیث جبریل علیہ السلام ان تعبداللّٰہ کانک تراہ میں فرمایا عارفین کی توجیہ زیادہ صحیح ہے کہ "جس راستہ سے بندہ خدا کے پاس جاتا ہے اسی راستہ سے خدا آتا ہے"۔ محدثین نے اس کو عقیدہ بنا دیا ہے حالانکہ یہ معاملہ جزئیہ کا بیان ہوا ہے۔ شارحین حدیث سطح مراد تک ہی رہے اور عارفین حقیقت کو پہنچ گئے۔

حدیث کنت بصرہ کی حقیقت

اسی کے قریب حدث کنت بصرہ الذی یبصر بی بھی ہے اس کو بھی علماء ظاہر نے خدا کی مرضیات پر چلنا سمجھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان چاروں جوارح پر خدائے تعالیٰ کا پورا تصرف ہو جانا مراد ہے جس کو عارفین نے فنا سے تعبیر کیا ہے یعنی سطح میں عبدیت اور باطن میں تصرف خداوندی کا وجود۔

امکنہ مقدسہ کا تقدس

احقر نے حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کیا کہ مکہ معظّمہ میں جو موتمر عالم اسلامی ملک عبدالعزیز بن سعود نے ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں طلب کی تھی۔ وہ کیوں ناکام ہوئی؟ جواب میں فرمایا کہ ''ملک میں ذوق کی کمی تھی اور علماء میں علم کی۔''

پہلے ہم اس موتمر کا حال فتح الملہم سے نقل کرتے ہیں حضرت علامہ عثمانیؒ نے ص ۲/۲۲۳ میں لکھا:۔

قوله اتخذه مصلے الخ علامہ نووی نے فرمایا:۔''اس جملہ سے صالحین اور ان کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت واستحباب نکلتا ہے اور جن مواضع میں انہوں نے نماز پڑھی ہے وہاں نماز پڑھنا اور ان سے برکت طلب کرنا بھی ثابت ہوا؟ پھر یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نبی اکرم کے آثار کی تلاش میں رہتے تھے اور جہاں جہاں حضور نے نماز پڑھی ہے ان میں نماز پڑھنے کا التزام کرنا بخاری شریف کے **"باب المساجد بين مكة و المدينه"** سے بھی ثابت ہے اور ہم بعض احادیث اسراء کے ذیل میں یہ بھی ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سفر اسراء میں حضور علیہ السلام کو براق سے اتر کر مدینہ منورہ طور سیناء مدین (مسکن شعیب) و بیت اللحم (جائے ولادت حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) میں نماز پڑھنے کی تلقین کی تھی۔ یہ حدیث نسائی شریف اور دوسری دس کتب حدیث میں ہے۔

ان تمام نصوص سے آثار الصالحین اور ان کی مواضع صلوٰۃ سے تبرک حاصل کرنے کی مشروعیت نکلتی ہے۔ اگرچہ سنن و مستحبات کے بارے میں ایسا[1] غلو بھی نہ چاہئے کہ ان کو فرائض و واجبات کے درجہ میں سمجھ لیا جائے (کہ حالت سفر میں ہوں تو سفر کو توڑ کر بلاوقت

---

[1] حضرت عمرؓ نے ایسے ہی ایک موقع پر حضرت ابن عمر اور ان کے ساتھیوں کو غلو سے بچانے کے لئے متنبہ کیا تھا کہ انبیاء کی نمازیں پڑھنے کی تمام جگہوں کو فرض نمازوں کے لئے بنا شدہ مساجد کے درجہ میں نہ کردو کہ بغیر وقت فرض کے بھی سفر کو توڑ کر ضرور ہی ان جگہوں پر نفل نماز پڑھنے کا اہتمام کرو۔ چنانچہ علامہ ابن قیم نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کا مقصد صرف غلو سے بچانا تھا اور یہ سبق دینا تھا کہ جس کے لئے نماز کا وقت ہو وہ پڑھ لے ورنہ آگے کو گزر جائے۔ (زادالمعاد ص ۱/۱۱)

علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا استدلال: اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے جو حضرت عمرؓ کی تنبیہ مذکور سے مطلقاً آثر کی نااہمیت ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے وہ لاحاصل اور بے موقع ہے جبکہ خود حضرت عمرؓ کا ہی واقعہ ہے کہ بیت المقدس تشریف لے گئے اور حضرت کعب احبار سے پوچھا کہ میں کہاں نماز پڑھوں؟ انہوں نے کہا کہ صخرہ کے پاس پڑھ لیں اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں میں تو اس جگہ پڑھوں گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نماز فرض بھی ضرور وہاں اتر کر نوافل پڑھیں گویا فرائض کی طرح اہتمام کریں)

ہم نے سلطان عبدالعزیز اور اکابر علماء نجد سے ۱۳۴۴ھ میں موتمر عالم اسلامی کے موقع پر اس مسئلہ میں گفتگو کی اور ان کے سامنے یہ آثار پیش کئے جن سے ان کے اس زعم کی نفی ہوتی تھی کہ امکنہ ومواضع سے تبرک حاصل کرنا بدعت یا غیر مشروع ہے تو وہ کوئی شافی جواب نہ دے سکے اور بطور معارضہ کے صرف قطع شجرہ والا قصہ پیش کر سکے جو کہ طبقات ابن سعد میں ہے جبکہ وہ منقطع بھی ہے کیونکہ حضرت نافع نے حضرت عمرؓ کو نہیں پایا (کما فی التہذیب) پھر یہ کہ وہ مرفوع حدیث کے درجہ کی چیز بھی نہ تھی اور صرف حضرت عمرؓ کا اجتہاد تھا۔ جو کہ آپ نے مصلحتاً سد ذرائع کے لئے اختیار کیا تھا وہ بیان مسئلہ یا فیصلہ کی صورت نہ تھی۔ واللہ اعلم (فتح الملہم ص ۲/۲۲۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قطع شجرہ کا سبب

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قطع شجرہ کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس کی تعیین و تشخیص پر دو صحابی کا بھی اتفاق نہ رہا تھا تو جس طرح مآثر متعینہ مقدسہ کی عظمت واہمیت کو نظر انداز کرنا نادرست ہے اسی طرح مآثر غیر متعینہ کو مآثر مقدسہ کا درجہ دے دینا بھی قابل رد ہے۔ اسی لئے قطع کرا دیا تھا اور اچھا کیا

حضرتؒ نے فرمایا کہ افعال حج کیا ہیں وہ بھی تو اکابر انبیاء وصالحین کے مآثر اور یادگاریں ہی تو ہیں اور یہ امکنہ ومواضع کی تقدیس اور ان سے استبراک نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ حضرات مقدس تھے تو ان کی یادگاروں کو بھی تقدیس وعظمت کا حصہ ملا اسی لئے سارے اکابر امت نے فیصلہ کیا کہ نبی اکرم افضل المرسلین وافضل مخلوقات ہیں تو ان کا مضجع مقدس ومطہر بھی افضل الموجودات ہوا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کو بھی رد کر دیا اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور افضل الخلق ہیں مگر آپ کا مضجع مبارک افضل الامکنہ نہیں ہے اور پھر انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جہاں حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے۔ اس موقع پر ذلک المضجع والی روایت بخاری اور موطا امام مالک میں حضرت عمرؓ کا ایک دوسرے صحابی سے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی افضلیت پر تکرار واصرار بھی حافظہ میں تازہ کرلیں تو بہتر ہے کیونکہ ظاہر ہے مدینہ طیبہ کی افضلیت صرف مرقد نبوی اور آپ کے مآثر مقدسہ کی وجہ سے ہی ہو سکتی تھی اور تھی۔ واللہ اعلم (مولف)

نے یہ اصول بھی بنا دیا کہ امکنہ ومواضع کی کوئی تقدیس ہی نہیں ہے اور افسوس ہے کہ یہی نظریہ تمام سلفی حضرات اور غیر مقلدین کا بھی ہے۔

مولد نبوی کا تقدس مثل مولد مسیح

حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ اور آپ کے اہل علم رفقاء سے ایک چوک یہ بھی ہوگئی کہ جب مولد نبوی کا مسئلہ پیش ہوا تو طبرانی وبزار وغیرہ کے حوالہ سے حدیث اسراء پیش کی جس میں حضور علیہ السلام کا بیت اللحم میں براق سے اتر کر دو رکعت پڑھنا مروی ہے یعنی یہاں صرف اس لئے اترے اور نماز پڑھی تھی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت ہے جس کے بارے میں پہلے ہی سے علامہ ابن القیم نے زاد المعاد ص ۲/۴۷ میں پیش بندی کر رکھی تھی کہ بیت اللحم میں اترنے اور نماز پڑھنے کی حدیث سرے سے ثابت ہی نہیں ہے۔ اس وقت ہمارے علماء کو صرف طبرانی وبزار وغیرہ کے حوالہ پر اقتصار نہیں کرنا تھا بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر کہتے کہ بیت اللحم میں اترنے اور نماز پڑھنے کی حدیث صحیح وقوی تو نسائی شریف میں بھی موجود ہے جس کا درجہ صحت وقوت میں رجال میں زیادہ شدت کی وجہ سے بعض جگہ بخاری شریف سے بھی اوپر مانا گیا ہے اور اس حدیث کے بھی سارے رجال امام نسائی کے ثقہ وثبت ہیں پھر اس کو علامہ ابن القیم "ولم یصح ذلک عنه البتة" کیسے کہہ سکتے ہیں؟ نجدی علماء تو خوش ہوگئے ہوں گے کہ موتمر میں آنے والے دنیائے اسلام کے سارے علماء ہی

حدیث نسائی سے ناواقفیت

حدیث نسائی سے ناواقف ہیں اور ابن القیم کی بات خوب بن گئی۔ واضح ہو کہ بیت اللحم میں اتر کر نماز پڑھنے کی حدیث نسائی کے علاوہ بزار ابن ابی حاتم طبرانی وبیہقی میں بھی تصحیح کے ساتھ ہے اور خصائص کبریٰ سیوطی ص ۱۵۳/۱ اور زرقانی شرح مواہب ص ۶/۳۹ میں بھی درج ہے حضرت تھانویؒ کی نشر الطیب ص ۴۴ میں اور سیرۃ المصطفیٰ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ اور سیرۃ کبریٰ رفیق دلاوری ص ۶۴۱ میں بھی موجود ہے۔

یہی تین کتابیں سیرۃ کے موضوع پر نہایت عمدہ اور جامع بھی ہیں۔ افسوس ہے کہ سیرۃ النبی

ایسی مشہور و معروف کتاب بھی بعض نہایت اہم حالات سے خالی ہے۔علامہ شبلیؒ نے مکی زندگی کے حالات ذکر کئے تو معراج واسراء ایسے اہم مضمون کو حذف کر دیا اور بعد کی جلدوں میں حضرت سید صاحبؒ نے زیادہ توسع تو ضرور کیا مگر اس زمانہ میں وہ علامہ ابن القیمؒ کی تحقیقات پر زیادہ انحصار و اعتماد کرتے تھے۔جس کی تلافی کے لئے پھر ان کو وقت نہ مل سکا۔ **وللہ الامر من قبل و من بعد**

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء میں علم کی کمی تھی بلکہ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نہ صرف نجدی علماء میں بلکہ ہمارے علماء میں بھی کمی تھی۔کاش! حضرت شاہ صاحبؒ اس موتمر میں جاتے تو کچھ اور ہی سماں ہوتا۔حضرت شاہ صاحبؒ نے مقدمہ بہاولپور میں بیسیوں کتابوں کے مضامین اور حوالے زبانی لکھوا دیئے تھے وہ موتمر میں ہوتے تو آج ہم علامہ ابن تیمیہ وابن القیم سے مرعوب ہوکر اور اپنی کم علمی کی وجہ سے موجودہ زبوں حالی کا شکار نہ ہوتے۔

حدیث طواف زادالمعاد کا ثبوت

راقم الحروف تو ایسے مواقع پر اپنے دوستوں سے کہہ دیا کرتا ہے کہ علامہ ابن القیم نے بڑے طمطراق سے حکم کر دیا کہ حدیث نزول وصلوۃ بیت اللحم کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔اور کوئی پوچھے کہ جناب خدائے تعالیٰ کے طواف فی الارض والی طویل حدیث ڈیڑھ دو صفحہ کی جو آپ نے زادالمعاد ص۵۴/۵۹ جلد سوم میں درج کی ہے اور بہت ہی توثیق بھی اس کی کی ہے اس کی صحت وفوت تو آج تک بھی ثابت نہ ہو سکی بلکہ حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ نے تو علامہ ابن القیم کے ضعیف فی الرجال ہونے کے لئے وہی حدیث مثال میں پیش بھی کر دی ہے اور اس پر رد کرتے ہوئے نقد شدید بھی کیا ہے۔

علامہ ابن القیم پر ضرورت سے زیادہ فریفتہ ہونے والے سلفی وندوی دوستوں کو بخاری کی حدیث سے بھی ان کا انکار یا بقول حافظ ابن حجر غفلت سے غافل نہ ہونا چاہئے جو ابراہیم و آل ابراہیم کے بارے میں ہوا ہے۔اور یہ غفلت وانکار نہ صرف ان سے بلکہ علامہ ابن تیمیہ سے بھی ہوا ہے ہم اس کو انوارالباری میں بھی لکھ چکے ہیں والامر الی اللہ سبحانہ‘ (ملاحظہ ہو الاجوبۃ الفاضلہ ص۱۳۰/۱۳۲) (ص۳۰۱)

فتح الباری اور فتح الملہم کی مسامحت

فتح الباری ص ۱۳۹/ ۷ میں بھی حدیث نزول وصلوٰۃ بیت اللحم نسائی بزار وطبرانی کے حوالہ سے ذکر ہوئی ہے۔ مگر کچھ ابہام کے ساتھ اور غالباً اسی سے علامہ ابن القیم نے غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ واللہ اعلم۔

فتح الملہم جلد اول میں حدیث اسراء کے تحت نسائی شریف کا حوالہ صرف نزول مدینہ کے لئے دیا گیا اور بیت لحم میں اترنے ونماز پڑھنے کے لئے حوالہ بزار وطبرانی کا دیا ہے جبکہ نسائی شریف میں بھی ان دونوں باتوں کا ذکر موجود ہے۔ بات تو لمبی ہو رہی ہے مگر اس جگہ خود حضرت علامہ عثمانیؒ کا موتمر کے سلسلہ میں ایک ملفوظ گرامی بھی پیش کرنے کے قابل ہے جو آپ نے قیام ڈابھیل کے زمانہ میں ۱۲۹ کتوبر ۱۹۳۵ء کو بعد نماز مغرب ارشاد فرمایا تھا۔

"میں نے محمد علی وغیرہ سے کہہ دیا تھا کہ ملوکیت وجمہوریت وغیرہ کے جھگڑے تو تم جانو ہم نہیں بولیں گے اور مسائل میں تم دخل نہ دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جمعیۃ العلماء کی طرف سے میں اور مفتی کفایت اللہ صاحب تھے باقی مولوی احمد سعید صاحب اور مولوی عبدالحلیم بطور سیکریٹریان تھے۔ سید سلیمان ندوی صاحب خلافت کی طرف سے تھے۔ میں نے سلطان کی مجلس میں مآثر پر تقریر کی ان کے علماء نے کہا تھا کہ متبرک بالصالحین کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان کے اجزاء سے جیسے حضور علیہ السلام کے موئے مبارک وغیرہ تو اس کو تو ہم مانتے ہیں کہ زمانۂ صحابہ سے بھی ثابت ہے لیکن امکنہ وبقاع سے نہیں مانتے کیونکہ بے ثبوت ہے میں نے اس پر کہا کہ نہیں تبرک بالامکنہ بھی ثابت ہے۔

حدیث حضرت عتبان سے استدلال

بخاری میں حضرت عتبان بن مالک صحابی کی حدیث ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا "جب بارش اور سیل آتا ہے تو میں جماعت میں حاضر ہونے سے معذور ہوتا ہوں۔ آپ میرے گھر میں کسی جگہ دو رکعت نماز پڑھ دیں تاکہ میں اسی کو مصلیٰ بنالوں" فرمایا اچھا اور دوسرے وقت تشریف لے گئے اور ایک جگہ نماز ادا فرمائی۔

مآثر امکنہ مقدسہ مکہ معظّمہ سے غفلت

تو اس حدیث سے تبرک بالامکنہ بھی اور تبرک طلب کرنا بھی دونوں ثابت ہوتے ہیں۔ دوسرے حافظ نے بھی فتح الباری میں مسند بزار وغیرہ سے حدیث نکالی ہے کہ لیلۃ الاسراء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یثرب سے گزرے تو حضرت جبرائیل نے ٹھہرایا اور پھر مدین پر بھی ٹھہرایا کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن ہے۔ پھر طور پہاڑ پر کہ موسیٰ علیہ السلام کے کلام کی جگہ ہے۔ پھر بیت لحم پر ٹھہرایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کا غار حرا (قدیم عبادت گاہ) مدین سے بھی کم ہے کہ اس پر پہرا بٹھلا دیا ہے اور بیت خدیجہ ؓ طور سے بھی کم ہے کہ اس کا اثر مٹا دیا گیا۔ حالانکہ وہاں برسوں وحی نازل ہوئی اور طبرانی نے اجماع نقل کیا ہے کہ حرم میں بیت اللہ کے بعد اس سے مقدس تر مقام نہیں ہے اور کیا حضور علیہ السلام کا مولد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مولد سے بھی کم مرتبہ ہے کہ اس کا نشان بھی مٹا دیا گیا وغیرہ۔

سجدہ عبادت وسجدہ تعظیمی کا فرق

میں نے کہا کہ مقابر کے بارے میں خیر ہم زیادہ کچھ نہیں کہتے اگر چہ سجدۂ قبر کو بت پرست کے سجدہ کی طرح نہیں کہیں گے کہ وہ عبادت کے طور پر ہے اور یہ تعظیم کے۔ اگر چہ ہمارے نزدیک حرام یہ تعظیمی بھی ہے۔ مگر مآثر میں ہم کو زیادہ اختلاف ہے اس پر سلطان نے کسی قدر جوش کے ساتھ کہ منہ میں جھاگ آ گئے کہا کہ عبادت کیا ہے؟ مطلب یہ کہ تم نے جو سجدہ کی تقسیم کی وہ غلط ہے کیونکہ عبادت تو غایت تذلل کا نام ہے۔ پھر ہر دو ساجد عابد لغیر اللہ ہوئے بلا فرق اس پر میں نے کہا کہ اگر ہر سجدہ عبادت ہے تو ہر ساجد عابد اور ہر مسجود معبود ہونا چاہئے حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام مسجود ہوئے ہیں اور ان کو کسی نے بھی معبود نہیں سمجھا۔ دوسرے قرآن مجید میں ہر جگہ یہ ہے کہ یہ ساری قومیں خدا ہی کی عبادت کرتی ہیں اور مستحق عبادت کسی قوم نے بھی غیر اللہ کو نہیں بنایا البتہ مسجود غیر اللہ کو ضرور بنایا ہے۔

تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی کا واقعہ دیکھئے کہ اس میں آپ نے غیر اللہ کو معبود بنانے سے روکا ہے۔ پھر آگے ہی چند آیات کے بعد ہے کہ سب بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا

تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے کیوں نہ فرمایا کہ مجھ کو کیوں معبود بناتے ہو؟
اس پر سلطان خاموش ہو گئے اور آخر میں فرمایا کہ ہمیں آپ کی تقریر سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ خصوصاً اس لئے کہ تم نے جو کچھ کہا وہ کتاب وسنت سے کہا اور تم ہمارے علماء سے گفتگو کرو پھر تم اور وہ جو فیصلہ کرو گے عبدالعزیز کی گردن (اشارہ کر کے کہا) اس کے نیچے ہو گی۔
پھر دوسرے موقعوں پر ان کے بڑے علماء خصوصاً عبداللہ بن بلہید سے گفتگوئیں ہوئیں کیونکہ موتمر ۱۵،۱۶ یوم تک رہی اور ہم ایک ماہ تک ٹھہرے رہے۔
میں نے مآثر تکفیر اہل قبلہ اور تقلید وغیرہ پر تقریریں کیں عبداللہ موصوف نے مآثر کے جواب میں ہماری دلیلوں پر کچھ نہیں کہا۔ بلکہ صرف معارضہ کیا کہ ہم حضرت عمرؓ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے بیعۃ الرضوان والے شجرہ کو کٹوا دیا تھا۔
میں نے اس پر کہا کہ وہ صحاح ستہ یا کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے صرف طبقات ابن سعد[۱] (ص ۱۰۰/۲) میں ہے اسی سے، سب نے لیا ہے اور وہ بھی اس طرح ہے کہ نافع اور حضرت عمر کے درمیان انقطاع ہے۔ پھر میں نے کہا کہ ہم صحیح بھی مان لیں تو کم از کم جو ہمارا مسلک ہے وہ بھی تو حدیث سے ثابت ہے لہذا اس کو بدعت تو نہ کہنا چاہئے یوں آپ کی مصالح جو بھی متقاضی ہوں لیکن مصلحت کا بھی یہ حال ہے کہ حضرت عمرؓ نے وہ فعل اس وقت کیا تو اس پر کوئی نکیر نہیں ہوئی لہذا وہ مبنی بر مصلحت درست طریقہ تھا۔ اور اب تم نے جو کچھ کیا

---

[۱] **قطع شجدہ کا سبب عدم تعیین تھا:** دوسری روایت خود طبقات ابن سعد میں ہی اس کے خلاف بھی ہے کہ بیعت رضوان کے کئی سال بعد ہم نے اس درخت کو تلاش کیا مگر اسے پہچان نہ سکے اور اس امر میں اختلاف ہو گیا کہ وہ درخت کونسا تھا (ص ۱۰۵/۲) دوسری روایت بخاری ومسلم اور طبقات ابن سعد میں حضرت سعید بن المسیب (مشہور تابعی جلیل القدر) سے ہے کہ میرے والد بیعت رضوان میں شریک تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ دوسرے سال جب ہم لوگ عمرۃ القضا کے لئے گئے تو ہم اس درخت کو بھول چکے تھے تلاش کرنے پر بھی ہم اسے نہ پا سکے۔
تیسری روایت ابن جریر کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے عہد خلافت میں جب حدیبیہ کے مقام سے گزرے تو انہوں نے دریافت کیا کہ وہ درخت کہاں ہے۔ جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی تو کسی نے کہا کہ فلاں درخت ہے اور کسی نے کہا کہ فلاں' اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا چھوڑو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟
(تفہیم القرآن ص ۵۵/ ۵ ومعارف القرآن ص ۸۱/ ۸ بحوالہ بخاری ص ۵۹۸ ومسلم ص ۱۲۹/ ۲)
ہمارے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے تھی کہ عدم تعیین کی وجہ سے ہی حضرت عمرؓ نے درخت کٹوایا تھا۔ (مؤلف)

اس کی وجہ سے تمام مسلمان برگشتہ ہیں۔ پس مصلحت کے بھی خلاف کیا ہے۔

تقلید پر جب گفتگو ہوئی تو میں نے کہا کہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے پوتے نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہم امام احمدؒ کے مقلد ہیں الا یہ کہ کوئی حدیث صریح، صحیح، غیر منسوخ، غیر مخصص، اور غیر معارض الاقوی منہ قول امام کے خلاف ہو تو اس کی وجہ سے قول امام کو ترک کر دیں گے۔ لیکن رہیں گے پھر بھی ائمہ اربعہ کے دائرہ میں اس سے نہ نکلیں گے۔

اسی لئے ہم نے ابن تیمیہؒ اور ابن قیم کے تفردات کو اختیار نہیں کیا۔ متعدد مسائل میں مثلاً طلاق ثلاث مجلس واحد وغیرہ میں۔

میں نے کہا کہ بالکل یہی طریق تقلید ہم احناف ہندوستان کا بھی ہے۔ پھر ہم کو مشرک کیوں سمجھا جاتا ہے اور ہمارے مقابلہ میں ہندوستان کے غیر مقلدوں کو کیوں اچھا سمجھا جاتا ہے؟

حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے اس کے بعد مکہ معظمہ کے مآثر ومشاہد مقدسہ متبرکہ کا بھی ذکر فرمایا اور بتلایا کہ مجھے حرمین کے مآثر کی زیارت کا ہمیشہ اشتیاق رہا ہے اسی لئے ترکی دور میں بھی ان کو دیکھا تھا اور نجدی میں بھی دیکھے جن میں بہت سے تو بالکل ہی ختم کر دیئے گئے ہیں اور جنت البقیع تک کی بھی کچھ قبریں اکھڑی ہوئی دیکھیں۔ ویالاسف

غار حراء

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں غار حراء پر حاضر ہوا مکہ معظمہ سے وہاں تک دورویہ کوہستانی سلسلہ ہے ان کے دروں میں سے گزر کر ۲، ۳ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی پر یہ غار ہے میں وہاں ایک شب رہا وہاں ایک بدو رہتا تھا جس نے ٹھنڈے پانی کا انتظام کر رکھا تھا۔ عصر کے بعد چل کر مغرب کی نماز پہاڑ کے دامن میں پڑھی پھر اوپر جا کر عشاء کی نماز پڑھی۔ تقریباً ایک میل چڑھائی ہے اوپر جا کر میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اب جس کا جو جی چاہے کرو۔ باتیں نہیں کریں گے۔ یہ غار تکونہ کمرہ ہے۔ اندر ایک صاحب عبادت میں مشغول تھے۔ وہ ۱۲ بجے نکلے تو میں داخل ہوا اور صبح تک نوافل پڑھتا رہا۔ صبح کو واپس ہوئے جمعہ کا دن تھا۔

غار ثور

یہ مکہ معظمہ سے کافی فاصلہ پر ہے اور مدینہ کے دونوں متعارف راستوں سے الگ واقع

ہے۔ ۲، ۳ میل کی چڑھائی میں اوپر واقع ہے۔ غار اندر سے بڑا ہے مگر داخل ہونے کی جگہ چھوٹی ہے اوپر کو جاتے ہوئے اس پر چھجہ سا ہونے کی وجہ سے غار پوشیدہ ہے لیکن ترکوں نے دوسری طرف سے بڑا دروازہ بنادیا ہے تاکہ اندر جانے میں سہولت ہو میں تو چھوٹے منہ ہی سے داخل و خارج ہوا۔ اندر جا کر اپنا بدن کرتہ کھول کر خوب پتھروں سے مس کیا (یہ تھا ہمارے اکابر کا طریقہ جس کو نجدی وسلفی نام رکھتے ہیں)

مولد النبی علیہ السلام

ترکوں کے وقت وہاں حاضر ہوا تو جگہ بنی ہوئی تھی اور ایک گہرا گڑھا بنا ہوا تھا۔ میں نے اندر جھک کر نیچے تک بدن سے مس کرایا۔

مسکن حضرت خدیجہؓ

یہ بھی دیکھا محدث طبرانی نے اجماع نقل کیا ہے کہ بیت اللہ کے بعد اس سے زیادہ متبرک مقام مکہ میں نہیں ہے۔ مگر اب ابن سعود نے ان دونوں مقامات کے نشان مٹا دیئے ہیں۔

حضرتؒ نے دار ارقم اور شعب ابی طالب وغیرہ کا بھی ذکر کیا اور ایک خاص واقعہ بھی ابن سعود کے تدبر و سیاست کا ذکر کیا جو قابل ذکر ہے فرمایا کہ ابن سعود بہت مدبر اور بہادر ہیں۔ محمل مصری پر جب گولیاں چل گئیں تو عرفات کے مقام پر یہ پیش آیا کہ تھوڑی دیر تک ہم نے آوازیں سنیں۔ غالباً ۱۹ نجدی شہید ہو گئے اس سال ۷۵ ہزار نجدی حج کے لئے آئے تھے۔ سخت ہنگامہ اور حج کے جاتے رہنے کا بھی خطرہ تھا۔ مصری صرف پانچ سو تھے۔ پہلے ابن سعود نے بھائی کو بھیجا، مگر نجدی نہ مانے، پھر بیٹے کو سمجھانے کے لئے بھیجا تب بھی نہ مانے تو ابن سعود خود مجمع میں گھس گئے (حالانکہ ارکان دولت اور فوج نے تنہا جانے سے روکا بھی) اور جا کر اول کہا:۔ عباد اللہ! اتقوا اللہ، اور پھر سمجھایا کہ یہ موقع درگزر کا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارے آدمی مارے گئے ہیں۔ ابن سعود نے اپنا سینہ کھول دیا کہ اچھا پہلے اس کو چھلنی کر دو۔ پھر مصریوں سے بدلہ لینا۔ اس پر سب نجدی ٹھنڈے ہو گئے اور کچھ ہی دیر میں بالکل امن وامان ہو گیا۔ ہم کو یہ تدبر و سیاست دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔

فائدہ: حضرت مولانا سراج احمد صاحبؒ نے بیان کیا کہ مولانا شبیر احمد صاحب جب پہلے حج کے لئے گئے تھے تو حضرت مولانا شفیع الدین صاحب (نگینوی، بجنوری) نے ان سے کہا تھا کہ طواف وداع کے بعد باب وداع سے باہر نہ ہونا بلکہ وہاں تک جا کر باب ابراہیم کی طرف لوٹ کر وہاں سے نکل جانا اس طرح پھر حج نصیب ہونے کی امید ہے چنانچہ مولانا نے ایسا ہی کیا۔

جب راقم الحروف اور مولانا بنوری ۱۹۳۷ء میں حج پر گئے تھے۔ (اور وہیں سے مصر بھی گئے تھے) تو حضرت مولانا شفیع الدینؒ سے اکثر ملتے تھے اور انہوں نے ہی ہمارے ساتھ ایک صاحب کو کر دیا تھا جس نے مکہ معظّمہ کے تمام مآثر ومشاہد کی نشان دہی کر کے زیارت کرائی تھی ورنہ ہمارے لئے مشکل پیش آتی کیونکہ نجدیوں نے مآثر کے خلاف ہونے کی وجہ سے اکثر کے نشانات نظروں سے اوجھل کر دیئے تھے۔ والے اللہ المشتکی

ذکر دار ارقم ودیگر مآثر واماکن مکہ معظّمہ

واضح ہو کہ مسجد حرام کے شرق میں جبل ابوقبیس کے نیچے محلّہ قشاشیہ تھا دار ارقم اسی محلّہ میں تھا۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر نومسلموں کی تعلیم وتربیت فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی اسی مکان میں پیش آیا تھا۔ کوہ صفا پر چڑھتے ہوئے بجانب راست پڑتا اور دروازہ شرقی رخ پر کھلتا تھا۔ بیت اللہ شریف کے کنجی بردار خاندان کے لوگ بھی اسی محلّہ میں آباد تھے۔ حضرت خدیجہؓ کا مکان بھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت ۲۷ سال رہی اور حضرت فاطمہؓ اور دیگر صاحبزادیاں اور صاحبزادگان بھی سب وہیں پیدا ہوئے تھے۔ اور ابوسفیانؓ کا مکان بھی اسی محلّہ میں تھا۔ دوسرا محلّہ غزہ مسجد حرام کے شمال ومشرق میں واقع تھا۔ غزہ کے شمال میں شعب بنی عامر ہے جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد (جائے ولادت) ہے اور اسی کے قریب آپ کے چچا ابوطالب کا مکان یعنی مولد سیدنا علیؓ ہے اور قبل اسلام عام خاندان عبدالمطلب کے مکانات اسی محلّہ میں تھے اور مسجد حرام کے شمال وغرب میں محلّہ شامیہ ہے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ میرٹھی نے اپنے سفر نامہ حج ۱۳۲۷ھ میں اس دور کے حالات بڑی تحقیق سے لکھے تھے۔ اس میں یہ بھی تھا کہ مکہ معظّمہ میں اس وقت مسجد حرام کے علاوہ بڑی ۶

مساجد اور ۶۷ چھوٹی تھیں۔ ۶ مدرسے اور ۴۳ مکتب تھے اور دو بڑے کتب خانے بھی تھے وغیرہ۔

آخری سطور

حرمین شریفین کے مآثر و مشاہد مقدسہ پر الگ سے مستقل کتاب چاہئے۔ سفر حج وزیارت کے ذیل میں ان امکنۂ اجابت پر حاضری اور ادعیہ سے کتنے عظیم الشان فوائد و منافع کا حصول ہوتا تھا وہ بیان ودلیل کا محتاج نہیں۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث گزری ہے کہ ایک صحابی عتبان بن مالکؓ نے کیسی لجاجت سے درخواست پیش کر کے حضور علیہ السلام سے اپنے گھر میں دو رکعت نماز ادا کرائی تھی۔ باذوق لوگوں کے لئے اس میں کتنے سبق تھے ارکان حج کی ادائیگی بھی اپنے قدیم بزرگوں کے مآثر کی یاد دلانے کا ہی ایک عمل ہے۔ خیال کیا جائے سید المرسلین، افضل الخلق و محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مآثر و مشاہد مقدسہ کی یاد دلانے کا عمل برعکس رویہ کا مستحق کیوں قرار دیا گیا؟ شاید بدذوقی کا اس سے بڑا شاہکار دنیا میں نہ ملے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مولد نبوی میں حضرت ابو طالب کے ساتھ ۲۶ سال گزارے۔ پھر حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ان کے دولت کدہ میں ۲۷ سال سکونت کی۔ اسی زمانے میں تین سال آپ نے شعب ابی طالب میں محصوری کے دن بھی گزارے پھر یہ بھی دیکھئے کہ علماء نے لکھا ہے کہ آپ پر ۲۴ ہزار بار وحی الٰہی اتری ہے۔ جو قرآن مجید کی صورت میں متلو بھی ہے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں میں ہی اس عظیم تعداد کا ورود ہوا ہے۔

اگر حقیقت پر نظر ہو تو وحی الٰہی کا تو ایک ہی بار کسی جگہ میں اترنا اس کو آسمان رفعت پر پہنچا دینے کے لئے کافی ہے۔ چہ جائیکہ ۲۴ ہزار باران مقامات مقدسہ میں وحی اتری ہے۔ اس کے ساتھ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ وابی وامی) کے اپنے روحانی اشتغال اور عبادات و مجاہدات بھی جو ان امکنہ مقدسہ میں شب و روز اور اتنی طویل مدتوں تک ہوتے رہے ان کا بھی تصور کیا جائے تو بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر نہایت ہی حیرت اس پر بھی ہے کہ صحابہ کرام تو حضور علیہ السلام کی ۲، ۳ منٹ کی نماز کی جگہ کو متبرک جان کر اپنے لئے مصلےٰ بنالیں اور سجدہ دی۔ ۱۱ ان جگہوں کو بھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں عبادتیں اور ریاضتیں کیں

لائق استبراک نہ سمجھیں جبکہ اسی مدت کے اندر حضور علیہ السلام معراج اعظم سے بھی مشرف ہو چکے ہیں اور پچاس ہزار سال کی مسافت طے کر کے وہاں پہنچے جہاں کوئی نبی و رسول بھی نہ پہنچا تھا اور وہاں سے ایسے ایسے بے شمار کمالات و فضائل لے کر لوٹے کہ جو چشم فلک نے کسی بھی دوسرے کے لئے نہ دیکھے تھے۔ ایسے غض بصر کو ہم کیا نام دیں؟ پھر بھی اگر ان مقامات مقدسہ کو امکنۂ متبرکہ نہ سمجھا جائے اور ایسے عظیم مآثر و مشاہد کو مٹانے یا نظروں سے اوجھل کرنے کی سعی کی جائے تو بقول حضرت شاہ صاحبؒ یہ سلطان ابن سعود کی بدذوقی یا کم ذوقی نہ تھی تو اور کیا تھا۔ اور علماء نجد کے علم کی کمی بھی ضرور تھی کہ پورے دلائل کتاب و سنت کو ملحوظ نہ رکھا اور ساتھ ہی دنیائے اسلام کے جو علماء موتمر میں شریک ہوئے ان کے بھی علم کی کمی کا شکوہ بجا ہی ہے کہ سارے دلائل سامنے نہ کر سکے اور ان سب کا علم اس سے قاصر رہا۔

بس یہاں مجھے حضرت شاہ صاحبؒ کے صرف ایک جملہ کی تشریح اور مالہ و ماعلیہ کو سامنے کرنا تھا۔ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ لکھا جا سکتا ہے۔ زیر ترتیب اس مجموعہ میں اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی۔

عاجزانہ گزارش

حسب روایت علامہ عثمانیؒ موتمر میں علماء نجد نے کہا تھا کہ "ہم امام احمد کے مقلد ہیں اور کسی حدیث صحیح وقوی کی وجہ سے قول امام کو ترک بھی کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی ائمہ اربعہ کے دائرے سے نہیں نکلیں گے۔" یہ بہت مبارک اور صحیح فکر ہے اور کہا تھا کہ "ہم نے علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے تفردات کو اختیار نہیں کیا"۔ یہ بھی نہایت صحیح قدم ہے۔ مگر آج تک بجز مسئلہ طلاق ثلاث کے اور تفردات کی طرف توجہ نہیں کی گئی اور موتمر مذکور کو تقریباً ۶۴ سال ہو گئے ہیں۔ مشار الیہ امکنۂ متبرکہ کی تقدیس، تحفظ و بحالی کا عالمی مطالبہ بحالہ قائم ہے جو سارے عالم اسلام کے مسلمانوں کا ہے۔ اس لئے بھی یہ فوری توجہ کا مستحق ہے۔ آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند؟

حضرات علماء سعودیہ کی خدمت میں یہ بھی عرض ہے کہ امکنہ کا تقدس بھی ازمنہ کی طرح جمہور سلف و خلف کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اس میں تفریق اور امکنہ کے متبرک ہونے سے انکار یہ بھی علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کے تفردات میں سے ہے اور یہ اسراء کی حدیث صحیح وقوی مر، یہ

نسائی شریف کے بھی خلاف ہے۔

اگر حدیث صحیح وقوی کی وجہ سے امام عالی مقام امام احمدؒ کا قول ترک کیا جا سکتا ہے تو ان دونوں حضرات کا قول کیوں قابل ترک نہیں ہے؟ اور عالی قدر شاہ فہد دام ظلہم کی خدمت میں گزارش ہے کہ انہوں نے خدائے تعالیٰ کے عظیم فضل واحسان وتوفیق سے ملوکیت کا ساٹھ سالہ دور ختم کر کے اب خدمت حرمین کی ذمہ داری سنبھالی ہے اور خادم الحرمین الشریفین کا محبوب لقب اختیار کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ارض حجاز مقدس میں حرمین شریفین اور ان کے تمام مآثر ومشاہد دنیا کے وہ عظیم ترین وجلیل القدر حصے ہیں کہ ان کا مرتبہ وتقدس تمام ارضی وسماوی حصوں سے زیادہ افضل واکرم عند اللہ ہے اس لئے ان کی پوری حفاظت بکل معنی الکلمہ ان کا فرض ہے۔ جس کی تائید ونصرت دنیا کے ہر مسلمان کی بھی ذمہ داری ہے۔ واللہ الموفق

حکومت سعودیہ کی تائید ونصرت

اس درخواست کے ساتھ ہم اس امر کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ جو گرانقدر خدمات اعیان سعودی عرب نے حرمین شریفین کی ترقیات اور حجاج کی عظیم تر سہولتوں اور امن وامان کے لئے کی ہیں وہ سارے مسلمانان عالم کی طرف سے عظیم شکریہ کے مستحق ہیں اور ان کی ہر قسم کی تائید ونصرت موجودہ حکومت سعودیہ کے لئے وقف ہے اور رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مولد نبوی کا واجب الاحترام ہونا

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ نے ذکر کیا کہ بہاولپور کے مشہور مقدمہ قادیانیوں کے ایام میں حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے فرمایا تھا کہ ہم نے خوب تیار کر کے مولانا شبیر احمد صاحب کو بھیجا تھا کہ پیغمبر کی ولادت گاہ واجب احترام ہوتی ہے۔

شب معراج میں بیت لحم کی نماز ونزول گیارہ کتب حدیث میں ہے

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب لیلۃ الاسراء میں تشریف لے گئے تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اے محمد! یہ جگہ ''بیت اللحم'' ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ لہذا آپ نے براق سے اتر کر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

یہ حدیث گیارہ کتابوں سے نکال کر دی تھی۔ مولانا شبیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے ابن سعود کے سامنے یہ حدیث پڑھی تو اس نے عبداللہ بن بلھید کی طرف دیکھا کہ جواب دے تو قاضی صاحب موصوف نے پوچھا یہ حدیث کہاں ہے؟ میں نے حوالہ دیا تو جواب کچھ نہ دے سکے۔ اس پر میں نے ابن سعود سے کہا فقط نجد میں ہی محدثین حضرات نہیں ہیں۔ دنیا میں اور لوگ بھی حدیث جانتے ہیں (افسوس کہ مولانا نے ان سب گیارہ کتب حدیث کا حوالہ نہ دیا جن میں امام نسائی سرفہرست تھے اور علامہ بیہقی بھی مع تصحیح کے اور رجال کی بحث بھی کر کے خوب قائل کر سکتے تھے، نیز ابن قیم کی زاد المعاد والی انکار صحت والی بات کا حوالہ دے کر اس کا رد بھی اچھی طرح سے کرتے اور زاد المعاد کی ص ۵۴/۳ والی حدیث طواف بھی پیش کر کے مولانا عبدالحیؒ کا نقد شدید بھی ابن سعود و علماء سعودیہ کو سنا دیتے۔ مگر یہ سب تو صرف حضرت شاہ صاحبؒ ہی کر سکتے تھے اگرچہ جتنا کام مولانا نے کیا بظاہر دنیا کے علماء اسلام میں سے اور کسی نے وہ بھی نہیں کیا اس لئے یہی غنیمت ہوا)۔

لفظ سیدنا کیلئے نجدی علماء کا تشدد

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے یہ بھی ذکر کیا کہ جب نجدیوں کی حکومت آئی اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ثم مدنی حج کو تشریف لے گئے تو میں بھی ساتھ گیا تھا۔ حضرت کی بذل المجہود کا جو حصہ طبع ہو گیا تھا وہ نجدیوں نے قبضہ میں کر لیا۔ حضرت خود ابن سعود سے ملے اور کتاب چھڑوا کر لائے۔ پھر علماء نجد نے اعتراض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے ساتھ تم لوگ سیدنا کیوں کہتے ہو اس کا ثبوت کہاں ہے؟ حضرت نے فرمایا حدیث میں آتا نہیں **انا سیدنا ولد آدم ولا فخر**۔ اس میں انا سید کا لفظ آیا نہیں؟ لاجواب ہو گئے۔

حضرت سہارنپوریؒ فرماتے تھے کوئی اللہ کا بندہ ہو تو ان نجدیوں کی اصلاح کر دے حالانکہ خود بھی ماشاء اللہ حضرت سہارنپوری کفر و شرک اور بدعات کے رد میں شمشیر برہنہ تھے۔ پھر بھی ان نجدیوں کی سختیاں دیکھ کر یہ فرمایا کرتے تھے۔ (ص ۳۰ ملفوظات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ مرتبہ حضرت مولانا محمد انوریؒ)

حضرت سہارنپوریؒ نے پھر ہجرت مدینہ طیبہ بھی اختیار فرمائی تھی اور برسوں تک وہاں بھی

احقاق حق اور اصلاح نجدیان کا فریضہ بڑی جرأت کے ساتھ خوداد کرتے رہے۔ بڑے محدث اور متبحر عالم بھی تھے۔ اسی لئے حرمین ونجد کے اہل علم بھی ان سے متاثر تھے سیدنا کا مسئلہ بھی انہوں نے نجدی علماء سے منوالیا تھا۔ مگر شیخ ابن باز نے تازہ کر دیا ہے اور وہی اس وقت سب سے زیادہ متعصب بھی ہیں۔ طلاق ثلاث کے مسئلہ میں بھی جب دوسرے علماء سعودیہ نے علامہ ابن تیمیہ و ابن القیم کے تفرد کو ترک کر کے جمہور کا مسلک مان لیا تو ان کو پھر بھی اختلاف ہی رہا۔

پاکستان سے مولانا محمد یوسف بنوریؒ رمضان شریف میں اور حج پر بھی بہ کثرت جاتے تھے تو وہ بھی نجدی علماء سے خوب علمی بحثیں کرتے تھے اور بہت سی باتیں ان سے منوا بھی لی تھیں۔

۱۹۳۷ء و ۱۹۳۸ء میں جب ہم دونوں حج اور مصر کے سفر پر گئے تھے تو حکومتی شعبہ ہیئۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے رئیس شیخ سلیمان الصنیع بڑے متبحر واسع المطالعہ عالم تھے جن کے ساتھ ہماری مجلسیں بہ کثرت رہتی تھیں۔ وہ معترف تھے کہ صحیح علم علماء دیوبند ہی کے پاس ہے اور جب بھی ہمارے علماء پوری طرح متوجہ ہو کر علوم متقدمین کا مطالعہ کریں گے تو تمہاری ضرور موافقت کریں گے۔

کاش! ان کی یہ پیش گوئی جلد پوری ہو اور ہم بھی اپنے اکابر کے علوم وتحقیقات کو پیش کرنے کے اہل وقابل ہوں۔ وللہ الامر من قبل ومن بعد

امکنہ مقدسہ میں انجذاب قلوب الی اللہ ہوتا ہے

فائدہ: تفسیر مظہری ص ۱۲۸/۱ میں قولہ تعالیٰ **واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى**" کے تحت مفصل تفسیر وتحقیق کے بعد تحریر فرمایا: "یہاں اہل اعتبار نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس مقام میں کوئی شخص اہل اللہ میں سے کچھ عرصہ قیام کرے تو اس جگہ آسمان سے برکات اور سکینہ کا نزول ہوتا ہے جس سے قلوب کا انجذاب حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور اس جگہ نیکیاں کرنے سے ان کا اجر مضاعف ہو جاتا ہے اور برائیوں کا گناہ بھی وہاں زیادہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ "**فليعتبر السلفيون.**"

اہل نجد کے قبضہ حرمین سے متعلق تاریخی واقعات

جامع ملفوظات احقر بجنوری عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے جو فرمایا کہ

ہم نے خوب تیار کر کے مولانا شبیر احمد صاحب کو بھیجا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجدیوں کے کمزور دلائل ہمارے اکابر کے سامنے پہلے سے تھے اور وہ دلائل وہی تھے جو علامہ ابن تیمیہ وابن قیم سے ان کو ورثہ میں ملے تھے اور جن کی بناء پر تقریباً ایک سوسال قبل بھی خود شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سرکردگی میں حرمین شریفین کے آثار ومشاہد کو مٹایا گیا تھا اور کافی قتل و خونریزی بھی ہوئی تھی مگر وہ قبضہ عارضی تھا اور ترکوں نے جلد ہی پھر سے حکومت حاصل کر لی تھی۔ پھر ۱۹۲۴ء میں نجدیوں نے دوبارہ قبضہ کیا تھا جو اب تک ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں حکومت نجدیہ سعودیہ کی موجودہ خدمات ترقی وتوسیع حرمین اور حجاج کے لئے سکون و امن وراحت کے اعلیٰ انتظامات وہ یقیناً نہایت قابل قدر ہیں مگر مآثر ومشاہد کی تقدیس و حفاظت کی بات جہاں تک ہے وہ یقیناً عالم اسلامی کے تمام ہی علماء اور مسلمانوں کے اجماع واتفاق کے تحت ہونی چاہئے اور ہمیں امید ہے کہ خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد خلد اللہ ظلہ و سلطانہ اس طرف جلد توجہ فرمائیں گے۔ وماذلک علی اللہ بعزیز.

علامہ کشمیری کے فیصلوں کی قدر و قیمت

اوپر کا ملفوظ ہم نے اسی لئے درج کیا ہے کہ حضرت علامہ کشمیریؒ ایسی عالمی علمی شخصیت کا فیصلہ سامنے آجائے کہ پیغمبر کی ولادت گاہ واجب الاحترام ہوتی ہے اور امام نسائی وغیرہ کی روایت کردہ حدیث نزول وصلوۃ بیت اللحم والی نہایت پختہ اور گیارہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ صرف علامہ ابن قیمؒ کے انکار صحت سے رد نہیں ہوسکتی لہٰذا علماء سعودیہ نے جس طرح طلاق ثلاث کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ وابن قیم کے تفرد کو فیصلہ جمہور کے مقابلے میں رد کر دیا ہے اسی طرح وہ بحث وفحص کے بعد مآثر ومشاہد وغیرہ کے بارے میں بھی ان دونوں حضرات کے تفرد کو مرجوح قرار دے کر جمہور سلف وخلف کے فیصلوں کو نافذ کرائیں۔ ولھم الاجر والمنہ' ان شاء اللہ تعالیٰ.

سلفی اور نجدی بھائیوں کو سوچنا چاہئے کہ جب ایک صالح شخص کے کسی مقام میں صرف قیام سے وہ جگہ اتنی متبرک ہو جاتی ہے تو اگر وہاں وہ عبادت وریاضت بھی کرے تو اس سے

ظاہر ہے کہ اس جگہ کا مرتبہ اور بھی بڑھ جائے گا۔ جس طرح وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر کی تھی تو اس کے قریب نماز طواف واجب یا مستحب قرار پائی اور خود حضرت عمرؓ نے وحی سے قبل ہی اس کو نماز کی جگہ بنانے کی خواہش وتمنا کی تھی جن کو ابن تیمیہ وغیرہ مآثر کا مخالف سمجھتے تھے۔

ماثر وامکنہ مقدسہ نبویہ کی نشان دہی وحفاظت ضروری ہے

پھر ظاہر ہے کہ جن اماکن مقدسہ میں افضل الخلق وسید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے برسوں اقامت کی، عبادات کیں اور وہاں وحی الٰہی ایسی مقدس ترین چیز کا بھی نزول اجلال ہوتا رہا تو وہ مقامات معظم ومتبرک کیوں نہ ہوں گے اور مقام ابراہیم کی طرح ان کی بھی حفاظت کیوں ضروری نہ ہوگی؟

اس میں بھی عقل ہی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کی طرف سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کا دفاع

ارواح ثلاثہ ص ۳۴ میں واقعہ درج ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس کچھ لوگ جمع تھے جن میں سے کسی نے شیخ موصوف کی مذمت اور تفسیق وتکفیر کی کہ اس نے ابن تیمیہ وابن قیم ایسے بددینوں کے دین کو چمکانا چاہا۔ شاہ صاحبؒ نے یہ سن کر افسوس کیا اور اس کو ایسی بات کہنے سے روکا پھر فرمایا کہ محمد بن عبدالوہاب بھی نہایت سچے اور پکے مسلمان اور متبع سنت تھے۔ مگر بعض مسائل میں مقتضائے عقل کو ترک کیا ہے اور ابن تیمیہ وابن القیم بھی نہایت سچے اور پکے مسلمان تھے مگر بشر تھے۔ ان سے غلطی ممکن ہے اور اس غلطی کی بناء پر ان کو برا بھلا کہنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حجۃ الوداع میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا تھا جس سے مقصود تعلیم افعال طواف تھی اور اس حالت میں آپ کی اونٹنی نے نہ جگالا نہ مینگنیاں کیں اور نہ پیشاب کیا۔ پس حرمت مسجد بھی محفوظ رہی اور مقصود تعلیم بھی حاصل ہو گیا۔ محمد بن عبدالوہاب اپنی غلطی سے اونٹنی پر طواف کو سنت سمجھ گئے اور اپنے اتباع سمیت اونٹوں پر طواف کیا۔ جس

سے تمام مسجد مینگنیوں اور پیشاب سے بھر گئی۔سوگو یہ ان کی غلطی تھی مگر ان کا منشأ اتباع سنت تھا۔اس لئے اس کو برا کہنا نہ چاہئے (ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ علامہ کشمیری اس کی مثال تکفیر مسلمین میں جلد بازی بتلایا کرتے تھے۔)

معلوم ہوا کہ اتباع سنت کے لئے بھی عقل کی رہنمائی ضروری ہے اور اس کے بغیر بڑوں سے بھی بڑی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں۔

کلام باری وصوت وحرف

حضرت شاہ صاحبؒ نے عقائد اسلام کی بحث کے ضمن میں فرمایا:۔ایک کلام نفسی ہوتا ہے۔ دوسرا کلام لفظی، علامہ اشعری وغیرہ متکلمین اسلام نے حق تعالیٰ کے لئے کلام نفسی مانا ہے اور وہ قدیم ہے۔علامہ ابن تیمیہ نے صرف کلام لفظی کا اقرار کیا اور کلام نفسی کا انکار کیا ہے حالانکہ وہ بلاشک و شبہ ثابت و محقق ہے اور علامہ ابن تیمیہ کا انکار محض بلاوجہ کی بات ہے اس کو حضرتؒ نے تطاول کے لفظ سے تعبیر فرمایا تھا۔(تطاول ایک کثیر المعانی لفظ ہے جس میں بہت کچھ آ جاتا ہے)

صوت باری اور امام بخاری کا تفرد

اس کی تفصیل فیض الباری ص ۵۲۸/۵۳۲ جلد رابع میں بھی بقدر ضرورت درج ہوگئی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔البتہ صوت کے بارے میں حضرتؒ نے فرمایا کہ صوت کو امام بخاری نے اطلاق کیا خلاف جمہور کے یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کیا ہے۔جبکہ دوسروں نے اس کا انکار کیا ہے پھر فرمایا میری رائے یہ ہے کہ اگر اس کو مانا ہی جائے تو اس قید و شرط کے ساتھ کہ اس کو اصوات خلق کے مشابہ نہ قرار دیا جائے اور دوسرے علماء نے اس کو یا تو صوت ملائکہ قرار دیا ہے یا ایسی آواز جو اس محل و موقع میں پیدا کر دی گئی ہے۔امام بخاری نے اس محل و موقع کی آواز کو حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے صوت باری سمجھا کہ وہ دور و نزدیک سے برابر سنی جاتی تھی۔جو قابل تعجب بات ہے اگر فرشتے کی آواز ہوتی تو اس میں یہ عجیب و غریب صفت نہ ہوتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر شیخ اکبرؒ کا قول بھی نقل کیا کہ صوت باری کی صفت یہ

ہے کہ وہ تمام جہات سے برابر سنی جا سکتی ہے اور صوت صلصلہ جس سے حدیث میں تشبیہ دی گئی ہے اس کی شان بھی ایسی ہی ہے اور اسی لئے دوسرے شارحین کے خلاف میرا رجحان[1] بھی امام بخاری کی طرف ایسا ہی ہے کہ باری تعالیٰ کیلئے صوت ثابت ہے. و اللہ تعالیٰ اعلم.

فرمایا:۔ ''شیخ عزالدین بن عبدالسلام شافعیؒ بڑے ولی اللہ' نہایت متقی اور اجل عالم گزرے ہیں جن کی جلالۃ القدر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مصر کے شہزادوں کو بازار میں بیچا تھا کہ وہ عبید اور بیت المال کی ملکیت ہیں''۔

احقر بجنوری عرض کرتا ہے کہ ان کی وفات ۶۶۰ھ میں ہوئی اور یہ حافظ ابن تیمیہ سے کچھ ہی قبل ہوئے ہیں۔ ''حرف وصوت کا فتنہ ان ہی کے دور میں ہوا تھا' جس کی تفصیل

---

[1] **ایک اہم غلطی کا ازالہ**: احقر بجنوری نے انوار الباری ہفتدہم میں عقائد کی بحث درج کی ہے اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے بھی ''تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری'' جلد ہشتم میں (جس کی طباعت پہلی دو جلدوں کے بعد ہی مقدم کردی گئی ہے) نہایت محققانہ کلامی ابحاث حوالوں کے ساتھ درج کی ہیں اس کے مطالعہ سے میں نے بھی استفادہ کیا۔ مگر جوبات ص۱۳۳ میں نقل ہوئی ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی مسئلہ حرف وصوت میں اثبات کو ترجیح دی ہے۔ پھر آگے بھی لکھا کہ یہ بات حنابلہ کے نظریہ کے مطابق تو درست ہے مگر متکلمین نفس کلام قدیم باری میں اس کو صحیح نہیں مانتے۔ یہ امر قابل تامل ہے کیونکہ صرف صوت کی حد تک تو امام بخاری و شاہ صاحب کے نظریات ہم آہنگ ہوسکتے ہیں۔ باقی حروف وکلمات اور دلالت وغیرہ کو نہ امام بخاری باری تعالیٰ کے لئے ثابت کرتے ہیں نہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا ہے اور غالباً صوت کے ساتھ حرف کا لفظ کاتب کی غلطی سے لکھا گیا ہے کیونکہ ''مسئلہ حرف وصوت کی تو ایک مستقل اصطلاح بن گئی ہے اور شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ (م۶۶۰ھ) کے زمانہ میں تو اس پر بہت بڑا فتنہ بھی اٹھا تھا اور اس وقت سے برابر متاخرین حنابلہ وتیمیین کے دوسرے متکلمین واکابر علماء اسلام کے ساتھ مجادلات رہے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو السیف الصقیل والاختلاف فی اللفظ تحفۃ القاری ص۱۲۵/۱۵۲) کتاب الاسماء والصفات بیہقی مع التعلیقات عمدۃ القاری ص۱۵۲/۲۵ وانوار الباری ص۲۳۷/۱۱ وغیرہ۔

چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف کاتب کے سہو یا غلطی سے ایک غلط بات منسوب ہوگئی اس لئے اس کا تدارک وازالہ ضروری سمجھا گیا۔

حضرت علامہ کشمیری جمہور کے متبع تھے: واضح ہو کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ہمارے نزدیک بہت بڑی منقبت یہ بھی ہے کہ آپ نے باوجود اس قدر تبحر علمی و وسعت معلومات کے کبھی جمہور سلف وخلف کے خلاف کوئی رائے قائم نہیں کی۔ اسی لئے آپ کے یہاں تفردات نہیں ہیں۔ علماء نے بھی یہ لکھا ہے کہ تفرد کوئی منقبت نہیں ہے۔ یہاں جو صورت ہے وہ صرف شارحین بخاری سے الگ آپ کی ایک رائے ہے جس کو حضرتؒ نے مشروط کر کے مزید احتیاط بھی فرمادی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حیدرآباد دکن میں میری سترہ تقریریں ہوئیں۔ بہت سے مرزائی تائب ہوئے اور بہت سے لوگوں کے شبہات دور ہوئے۔

مطبوعہ رسالہ ''ایضاح الکلام فیما جری للعز بن عبد السلام فی مسئلۃ الکلام'' میں دیکھی جائے جس کا حاصل یہ ہے کہ متاخرین حنابلہ میں سے مخالفین اشاعرہ نے کلام باری تعالیٰ کے حرف وصوت سے مرکب ہونے کا بڑا پروپیگنڈہ کیا تھا اور اس دور کے سلاطین و امراء کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا تھا۔ اس وقت شیخ عزالدین نے بے نظیر شجاعت کا ثبوت دیا کہ ان سب کے مقابلہ پر کلمہ حق بلند کیا تھا اور ثابت کر دیا تھا کہ تمام سلف اور امام احمد و اصحاب احمد پر بہتان ہے کہ وہ کلام باری کو حرف وصوت سے مرکب مانتے تھے اس پر حنابلۂ وقت نے ان کی شکایت ملک اشرف تک پہنچا کر ان کو قتل و حبس کرانے کی سعی کی تھی اور نظر بند کرا دیا تھا۔ فتویٰ وغیرہ سے بھی روک دیا گیا تھا۔ پھر شیخ وقت علامہ کبیر جمال الدین حصیری حنفیؒ سلطان اشرف سے ملے اور شیخ کا برحق ہونا اور حنابلہ کا غلطی پر ہونا ثابت کیا۔ جس پر سلطان کو ندامت ہوئی اور شیخ کی نہایت تعظیم و توقیر کی۔ اس کے بعد حنابلہ کا زور ٹوٹ گیا۔

علامہ ابن تیمیہ قیام حوادث باللہ کے قائل تھے

واضح ہو کہ حافظ ابن تیمیہ بھی قیام حوادث حرف وصوت وغیرہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مانتے ہیں۔ پوری تفصیل مع ان کے تفردات اصول وعقائد براہین ص ۱۷۲/۱۸۱ میں دیکھی جائے۔ حافظ ابن قیم نے بھی اپنے عقیدۂ نونیہ میں کلام باری کو حرف وصوت سے مرکب کہا جس کا رد علامہ کوثری نے تعلیقات السیف الصقیل میں کیا ہے اور وہاں شیخ عزالدین و دیگر اکابر امت کے فتاویٰ نقل کر دیئے ہیں۔ (۴۱/۴۶) نیز ملاحظہ ہو انوار الباری ص ۲۳۷/۱۱)

ان فتاویٰ سے ثابت ہوا کہ جس نے خدا کو متکلم بالصوت والحروف کہا اس نے خدا کے لئے جسمیت ثابت کی جو کفر ہے۔

حضرتؒ نے اپنے قصیدۂ حدوث عالم کی ابتداء اس شعر سے فرمائی۔

تعالیٰ الذی کان و لم یک ماسوی　　　واول ماجلی العماء بمصطفیٰ

(ضرب الخاتم علیٰ حدوث العالم)

حضرت علامہ کشمیری کے ضرب الخاتم کا ذکر

یہ قصیدہ ۱۶ صفحات میں مجلس علمی، ڈابھیل و کراچی سے شائع ہوا ہے اس کے کل ۲۳۸

شعر ہیں۔ یہی وہ مشہور و معروف قصیدہ ہے جس کے لئے ترکی کے شیخ الاسلام مصطفیٰ صبریؒ نے فرمایا تھا کہ میں اس مختصر رسالہ کو محقق صدر شیرازی کے ''اسفار اربعہ'' کی چار ضخیم جلدوں پر ترجیح دیتا ہوں۔ اور علامہ کوثریؒ نے بھی اس کو نہایت پسند کیا تھا۔ علامہ اقبال تو اس کے بہت ہی گرویدہ تھے اور اس کی مشکلات کو حضرت شاہ صاحب سے پوری طرح حل کیا تھا۔ بعض علماء پنجاب کی روایت ہے کہ حضرتؒ نے اس کے حل میں ۲۰، ۲۰ صفحات کے خط لکھے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس رسالہ کو جتنا علامہ اقبال نے مجھ سے سمجھا ہے اس قدر دوسرے علماء نے بھی نہیں سمجھا ہے یہ بھی معلوم ہے کہ علامہ اقبال نے خود بھی علوم عربیہ اسلامیہ کی پوری تحصیل کی تھی اور وہ اس کے متمنی رہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو دیوبند کے بعد لاہور بلا کر رکھیں اور آپ سے استفادہ کر کے فقہ کے جدید مسائل حل کرائیں۔ پھر حضرتؒ کی وفات کے بعد احقر بجنوری سے بھی مکاتبت کی اور کسی اعلیٰ استعداد عالم کی تلاش میں رہے جس کو اپنے پاس رکھ کر یہ کام کریں۔ مگر افسوس کہ ایسا عالم فارغ میسر نہ ہو سکا۔

حضرتؒ کا یہ رسالہ بھی علوم دقیقہ عالیہ کا بے بہا خزانہ ہے۔ اور شرح مع تخریج حوالات کا محتاج ہے کیا عجب ہے حق تعالیٰ کسی وقت یہ خدمت کسی عالم سے لیں۔ ان کی بڑی قدرت ہے اگرچہ بظاہر علمی انحطاط کو دیکھتے ہوئے تو مایوسی ہے۔ جس طرح بقول حضرت تھانویؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ لکھا جا سکتا ہے۔ میں اس وقت صرف اوپر کے شعر پر کچھ لکھتا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا ''وہ ذات باری جل ذکرہ' کتنی عظیم القدر و متعالی ہے جو ازل سے اور اس وقت سے ہے کہ کوئی دوسرا موجود نہ تھا اور اس نے سب سے پہلے اپنے فضل وانعام بیکراں سے عالم خلق کو سید الاولین والآخرین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور فرمایا''۔

فتح الباری میں علامہ ابن تیمیہ کے قول حوادث لا اول لہا کا رد

حضرتؒ کے اس شعر کے پہلے مصرعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس نے حوادث لا اول لہا کا نظریہ اپنایا وہ غلطی پر ہے اور یہی بات حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ص ۳۱۸/۱۳ میں لکھی ہے اور احادیث بخاری کی روشنی میں تفصیلی بحث کر کے علامہ ابن تیمیہؒ کا رد کیا ہے جو مندرجہ بالا نظریہ کے قائل اور علامہ عینیؒ نے بھی ایسا ہی لکھ کر رد کیا ہے (ملاحظہ ہو انوار الباری ص

۱۸۲/۱۱) اسی طرح قیام حوادث بالباری کا نظریہ بھی غلط ثابت ہوا ہے اور عرش کے قدیم ہونے کا عقیدہ بھی غلط ہے جس کے دلائل دوسرے بھی ہیں۔

حضور علیہ السلام کی نبوت زمانہ بعثت سے پہلے تھی

دوسرے مصرعہ میں حضرتؒ نے یہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام اول الخلق ہیں اور آپ کے علاوہ دوسری تمام مخلوقات سب آپ کے بعد پیدا ہوئی ہیں۔ لہذا عرش، لوح، قلم وغیرہ بھی بعد کو ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی طرح ہمارے حضرت تھانویؒ نے بھی نشر الطیب کے شروع میں نور محمدی کا بیان قائم کر کے احادیث صحیحہ کے حوالہ سے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا نہ اور دوسری اشیاء تھیں۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا۔ حضرت تھانویؒ نے اس مضمون کو پوری تفصیل اور دلائل کے ساتھ لکھا ہے۔ جزاهم الله خير الجزاء

حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک شعر فارسی میں بھی حدوث عالم اور صورت خلق اشیاء کے بارے میں بہت مشہور ہے۔

بدریائے عما موج ارادہ   حباب انگیخت حادث نام کردند

اس سے یہ بھی اشارہ فرمایا کہ تمام عالم و عالمیان کی حقیقت حباب جیسی ہے اور کچھ نہیں۔ اللہ بس باقی ہوس واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حضرتؒ نے لفظ ''تعالیٰ'' سے حق تعالیٰ کی تقدیس وتنزیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ذات باری تشبیہ وتجسیم سے بھی منزہ ہے اور آپ نے اکفار الملحدین ص ۲۳ میں بھی علامہ محقق قونویؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ قولہ ''بذنب'' سے اشارہ ہوا ہے کہ یہ بات صرف گناہ و معصیت تک ہے۔ ورنہ فساد عقیدہ ہو تو ضرور تکفیر کی جائے گی جیسے مجسمہ ومشبہ وغیرہم کے عقائد فاسد ہیں۔ شرح فقہ اکبر میں بھی بحث ایمان میں اسی طرح ہے اور المعتقد میں امام طحاوی نے اور امام غزالیؒ نے الاقتصاد میں بھی یہی لکھا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے باب فضل النبی صلى الله عليه وسلم (کتاب المناقب ترمذی ص ۲/۲۰۱) کے تحت حدیث ابی ہریرہؓ پر درس ترمذی میں فرمایا:۔ قولہ

متی و جبت لک النبوۃ الخ ؟ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے نبی ہو چکے تھے اور احکام نبوت بھی اسی وقت سے ان پر جاری ہو گئے تھے۔ بخلاف دوسرے انبیاء سابقین کے کہ ان پر احکام نبوت ان کی بعثت کے بعد جاری ہوئے ہیں جیسا کہ مولانا جامیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام نشاۃ عنصریہ سے پہلے ہی نبی ہو گئے تھے۔ (العرف الشذی ص ۵۴۰)

حافظ ابن تیمیہ عرش کو قدیم مانتے تھے

(۱۵۱) فرمایا:۔ حافظ ابن تیمیہ نے کہا کہ عرش قدیم ہے کیونکہ استواء (بمعنے جلوس واستقرار) ہے اس پر خدا کا حالانکہ حدیث ترمذی میں خلق عرش مذکور ہے۔ کچھ پروانہ کی کسی چیز کی اپنے ذہن کے سامنے جو ٹھن گئی تھی وہی رہی۔ (درس بخاری ص ۱۱۰۲ کتاب الرد علی الجہمیہ) اور درس حدیث دیوبند کے زمانہ میں بھی حضرتؒ نے علامہ ابن تیمیہ کے استواء بمعنی استقرار و جلوس مراد لینے پر سخت نقد کیا تھا جو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے نقل کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے بعض صحیح احادیث کو گرادیا ہے

ایک روز بعد عصر کی مجلس میں حافظ ابن تیمیہ کا ذکر فرمایا اور بعض صحیح احادیث کو اپنے مزعومات کے خلاف ہونے کی وجہ سے گرانے پر فرمایا کہ ''ابن تیمیہ یہ سمجھ گئے تھے کہ خدا کا دین ان کی اپنی سمجھ کے اعتبار سے اترا ہے اس لئے اتنی جرأت کر گئے ہیں''۔

جامع ملفوظات بجنوری عرض کرتا ہے کہ مجھے یہ بات اور وہ مجلس اب تقریباً ۵۶ سال گزرنے پر بھی ایسی یاد ہے جیسے اب اس جگہ بیٹھ کر حضرتؒ سے سن رہا ہوں۔

اس پر یاد آیا کہ علامہ ذہبیؒ نے بھی حافظ ابن تیمیہؒ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی ناروا جرأت سے ایسی باتیں بھی کہہ دی ہیں کہ جن کے کہنے کی علماء سلف میں سے کسی نے جرأت نہیں کی تھی۔

تقویۃ الایمان کا ذکر

حضرتؒ نے فرمایا:۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کا رسالہ رد بدعت میں

''ایضاع الحق الصریح'' بہت اچھا ہے اور میں تقویۃ الایمان سے زیادہ راضی نہیں ہوں غالباً ضرورت وقت کے ماتحت لکھی تھی حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب' حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب' مومن خاں شاعر (جامع عالم تھے اور اسی خاندان کے شاگرد) مولوی رشید الدین خاں صاحب (یہ بھی جامع عالم تھے اور اسی خاندان کے شاگرد تھے) پانچواں نام احقر کو یاد نہیں رہا (ارواح ثلاثہ ص ۶۱ میں بھی یہ قصہ ہے اور نام زیادہ ہیں) ان پانچ اشخاص کو یہ کام سپرد ہوا تھا کہ تقویۃ الایمان کے الفاظ ومضامین پر غور کریں اور بدلنے کا بھی اختیار دیا گیا تھا۔ ان میں سے تین کی ایک جماعت ہوگئی اور دو کی ایک جماعت ہوگئی ایک نے کہا کہ ایسے الفاظ مناسب نہیں ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ یہ بات سچی صاف صاف کہنی چاہئے اور بغیر تیز کلامی کے نکھار نہیں ہوتا۔ حضرتؒ کے سامنے اس رسالہ کی محدثانہ نقطۂ نظر سے بھی خامیاں ضرور ہی ہوں گی۔

پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ میں اس لئے راضی نہیں ہوں کہ محض ان عبارات کی وجہ سے بہت سے جھگڑے ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ منصب امامت اور اصول فقہ کا رسالہ بھی بہت اچھا لکھا ہے۔ اور یہی بات کہ ''میں راضی نہیں ہوں اس رسالہ سے'' مجھے مرحوم حضرت مولانا نانوتویؒ سے بھی پہنچی ہے' حالانکہ وہ ہلاک تھے۔ مولانا اسماعیلؒ کی محبت میں اور مجھے سب سے زیادہ محبت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور پھر حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے ہے اسی خاندان میں سے مذکورہ بالا قصہ مجھ کو نہایت موثق ذرائع سے پہنچا ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔

رائے گرامی حضرت مدنیؒ

آپ فرماتے تھے کہ رسالہ تقویۃ الایمان میں حذف والحاق ہوا ہے۔ اس لئے اس کی نسبت حضرت شہیدؒ کی طرف صحیح نہیں ہے اس پر احقر نے انوار الباری میں عرض کیا تھا کہ میں اس نسبت میں اس لئے بھی متردد ہوں کہ یہ کتاب عقائد میں ہے جن کے لئے قطعیات کی ضرورت ہے۔ جبکہ اس میں حدیث اطیط بھی مذکور ہے جو شاذ ومنکر ہے اگرچہ ابوداؤد کی ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے بقول علامہ ذہبی وغیرہ ایسی احادیث پر بھی سکوت کیا ہے۔ جو واضح ضعیف رواۃ کی وجہ سے ظاہر الضعف والنکارۃ تھیں اور یہ حدیث نیز ثمانیۃ اوعال والی حدیث بھی نہایت منکر وشاذ ہے اگر یہ پوری تصنیف حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہوتی تو وہ ایسی

ضعیف حدیث سے عقائد کے لئے استدلال نہ کرتے جس سے عقائد تو کیا احکام بھی ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس پر مجھے حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ نے خط لکھا کہ تم نے ایسا کیوں لکھا جبکہ حافظ ابن القیم نے حدیث اطیط کی تصحیح کی ہے میں نے حضرتؒ کو لکھا کہ حافظ ابن القیم تو بقول علامہ ذہبیؒ وغیرہ خود ضعیف فی الرجال ہیں ان کی تصحیح کا حوالہ صحیح نہیں اس کو حضرت مولانا عبدالحیؒ نے بھی نقل کیا ہے اور مثال میں زادالمعاد کی طویل حدیث خدا کے طواف فی الارض کی درج کی ہے جس کی حافظ ابن القیم نے بڑے شدومد سے تصحیح کی ہے جبکہ کبار محدثین نے اس کی نہایت تضعیف کی ہے۔ اس کے جواب میں حضرتؒ نے سکوت فرمایا۔

پھر جب بذل المجہود شرح ابوداؤد کی طباعت مصر میں شروع ہوئی تو میں نے حضرتؒ کو توجہ دلائی کہ ان دونوں احادیث پر جو کلام محدثین نے کیا ہے وہ حاشیہ میں شائع کر دیا جائے۔

حضرتؒ نے لکھا کہ جو حضرات طباعت کے لئے مصر گئے ہیں وہ یہ کام نہ کر سکیں گے اور ان پر جو کلام کیا گیا ہے وہ مدرسہ کے نسخہ پر یہاں قلمی موجود ہے اس کی نقل بھجوا رہا ہوں۔ حضرتؒ نے اس کی نقل کرا کر مجھے رجسٹری ڈاک سے ارسال فرمادی تھی مگر وہ میرے پاس سے ضائع ہوگئی۔ تو پھر محترم حضرت مولانا محمد یونس صاحب دام ظلہم کو میں نے لکھا کہ نقل دوبارہ بھیج دیں۔ اس پر مولانا نے ۲ فروری ۸۷ء کو خود اپنے مبارک قلم سے نقل کر کے ارسال فرمائی جس میں ابوداؤد کی حدیث اطیط اور حدیث ثمانیۃ اوعال دونوں کے رجال پر کلام اور شاذ و منکر ہونے کی تفصیل ہے۔ علامہ کوثری نے بھی کئی کتابوں میں ان پر مدلل نقد کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث اور بذل المجہود

چونکہ یہ ایک نہایت اہم حدیثی تحقیق ہے اور ان دونوں احادیث سے سلفی حضرات بھی برابر استدلال کرتے ہیں اس لئے اس کا بذل المجہود کے حاشیہ پر طبع ہونا نہایت اہم اور ضروری تھا مگر افسوس ہے کہ وہ طبع نہ ہو سکا۔

علامہ ابن تیمیہ و ابن القیم کا دارمی کی کتاب النقص کو مستدل بنانا

واضح ہو کہ حدیث اطیط مذکور کی وجہ سے سلفی حضرات نعوذ باللہ حق تعالیٰ کے لئے دنیا کی تمام وزنی اشیاء لوہے پتھروں وغیرہ سے زیادہ ثقل مانتے ہیں اور دارمی سنجری م ۲۸۲ھ نے

اپنی کتاب النقض میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔ جس میں حق تعالیٰ کے لئے قیام اور جلوس وغیرہ بھی ثابت کیا ہے۔ جس کو علامہ ابن تیمیہؒ نے موافقۃ المعقول (ہامش منہاج السنہ) میں بھی نقل کیا ہے اور علامہ ابن القیمؒ نے غزو الجیوش ص ۸۸ میں اس کتاب الدارمی اور ان کی ایک دوسری کتاب کے بارے میں لکھا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ان دونوں کتابوں کے لئے بہت ہی شدید وصیت کرتے تھے اور ان کی نہایت ہی تعظیم کیا کرتے تھے اور یہ کہ ان دونوں کتابوں میں توحید باری کا اثبات اور اسماء وصفات خداوندی کی تقریر وتوکید عقل ونقل کے ذریعہ ایسی کی گئی ہے جو دوسری کتاب میں نہیں ہے۔ (مقالات کوثری ص ۳۴۸)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم بھی اس حدیث کو صحیح وقوی مانتے تھے اور کتاب النقض کی تمام دوسری باتوں کو بھی درست سمجھتے تھے یہ حال ہے ہمارے سلفی حضرات کے بڑے مقتداؤں کا' یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ دارمی وہ صاحب سنن مشہور دارمی نہیں ہیں۔ جن کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی ہے تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں دونوں کے تذکرے محفوظ ہیں۔ اور کتاب النقض مذکور کا مکمل ومدلل رد ''مقالات کوثری'' میں مطالعہ کیا جائے۔

طلبۂ حدیث کے لئے کام کی بات یہ بھی ہے کہ بقول علامہ نوویؒ سنن ابی داؤد میں ایسی ظاہرۃ الضعف احادیث بھی ہیں جن کی حیثیت امام نے واضح نہیں کی ہے حالانکہ محدثین نے ان کو بالاتفاق ضعیف کہا ہے اور علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے بھی اسی کے قریب کہا ہے (مقالات کوثری ص ۱۶۳) یہ بات بعض بڑے اساتذہ حدیث سے بھی مخفی رہتی ہے اور حضرت شیخ الحدیثؒ ایسے متبحر وجید علامۂ حدیث کا نقد رجال مذکور سے اعتنا نہ فرمانا بھی اوپر کے واقعہ سے واضح ہے کیونکہ مصری طباعت کے حاشیہ بذل المجہود میں مذکور ہر قلمی حاشیہ کا اندراج نہایت اہم وضروری تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جو تحقیقی بات ساری دنیائے علم حدیث کو سنانی اور پہنچانی تھی وہ صرف ایک مدرسہ کے نسخہ کے حاشیہ میں قلمی رہنے دی گئی اس میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟

امام ابوداؤد کی حدیث اطیط وحدیث ثمانیۃ اوعال پر رجالی وحدیثی بحث علامہ کوثریؒ وغیرہ نے بھی خوب کردی ہے وہ بھی ضرور ملاحظہ کی جائے۔ واللہ الموفق

حدیثی فائدہ

زیر بحث حدیث ضعیف ومنکر ابوداؤد کی ہے۔جس میں ہے کہ خدائے تعالیٰ کی وجہ سے اس کا عرش بوجھل کجاوہ کی طرح چڑ چڑ بولتا ہے دوسری حدیث ترمذی وابن ماجہ کی ہے جس میں ہے کہ آسمانوں میں فرشتوں کے اژدھام اور بوجھ کی وجہ سے بوجھل کجاوہ کی طرح چڑ چڑ کی آواز ہوتی ہے۔وہ حدیث صحیح ہے۔

محدثین نے بشرط صحت اطیط عرش کو عظمت خداوندی کے تحت ماُول کیا ہے۔حضرت حق جل مجدہ کے لئے ثقل اور بوجھ کا مطلب نہیں لیا ہے جو سلفی لیتے ہیں اور بقول حضرت شیخ الحدیثؒ علامہ ابن القیمؒ نے تو اس حدیث ضعیف ومنکر کی مستقل طور سے تصحیح بھی کردی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص جلیلہ ومناقب عالیہ

حضرت الاستاذ المعظم شاہ صاحبؒ نے مختلف اوقات میں جو حضور علیہ السلام کے خصوصی مناقب ومدائح پر روشنی ڈالی ہے ان کو ہم یہاں ایک جگہ پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں کیونکہ یہ نہایت اہم علمی باب ہے۔واللہ المستعان۔

ہمارے اکابر میں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے نعتیہ قصائد وآب حیات وغیرہ اور حضرت تھانویؒ کی نشر الطیب ومواعظ النور، الظہور الحبور وغیرہ نہایت اہم ہیں۔جن سے حضور علیہ السلام کے ساتھ عظیم رابطہ تعلق ومحبت وعظمت پیدا ہوتا ہے جو شرعاً مطلوب وموجب ازدیاد ایمان ہے۔

اول الخلق

قولہ متیٰ و حببت لک النبوۃ؟ کے تحت درس ترمذی شریف میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کے احکام حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے سے جاری ہو چکے تھے اور آپ اسی وقت سے نبی تھے۔بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ ان کے لئے احکام نبوت کا اجراء ان کی بعثت کے بعد ہوا ہے۔جیسا کہ مولانا جامیؒ نے بھی فرمایا کہ حضور علیہ السلام نشاۃ عنصریہ سے بھی پہلے سے نبی ہو چکے تھے (العرف الشذی ص ۵۴۰ ابواب المناقب)

حدیث ترمذی اول ما خلق الله القلم پر حضرتؒ نے فرمایا کہ بعض روایات میں اول المخلوقات نور النبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی وارد ہے۔ جس کو علامہ محدث قسطلانی شارح بخاری نے المواہب اللدنیہ میں بہ طریق حاکم روایت کیا ہے اور ترجیح حدیث ترمذی مذکور پر حدیث نور ہی کو ہے۔ (العرف الشذی ص ۵۱۲)

حضرتؒ نے اپنے قصیدۂ حدوث عالم کو اس شعر سے شروع کیا ہے۔

تعالیٰ الذی کان و لم یک ماسوی واول ما جلے العماء بمصطفےٰ

(وہ بہت ہی عظیم و برتر ذات ہے جو ازل سے ہے کہ اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور اس نے سب سے پہلے عالم نابود کو سرور عالمین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ منور و روشن فرمایا ہے) حضرت تھانویؒ نے بھی نشر الطیب کے شروع میں ''نور محمدی'' کا بیان لکھا اور احادیث سے اولیت نور محمدی کو ثابت کیا۔

اشکال و جواب

حضرت شاہ صاحبؒ نے حدوث عالم کے اثبات پر بہترین دلائل قائم کئے ہیں اور عالم کو قدیم ماننے والوں پر اتمام حجت کر دی ہے۔ مثلاً ایک بڑا اشکال ان کا یہ تھا کہ عالم کو قدیم نہ ماننے سے حق تعالیٰ کا غیر متناہی سابق وقت میں معطل رہنا لازم آتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرتؒ نے نہایت مسکت جواب دیا کہ اس وقت صفات ربانیہ میں سے وحدت مطلقہ کا ظہور تھا۔ جو حق تعالیٰ کو تعطیل سے منزہ و برتر ثابت کرتا ہے اور یہ بجائے خود ایک عظیم الشان امر ہے۔ عدم تعطیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ایک وقت میں تمام صفات کے مظاہر موجود ہوں (وغیرہ وغیرہ تحقیقات عالیہ نادرہ)

افضل الخلق

حضرت شاہ صاحبؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کئی قصائد لکھے ہیں ایک نعتیہ فارسی کے کچھ اشعار پہلے نقل ہوئے ہیں۔ اس کے چند اشعار جو خاص طور سے آپ کے برتر عالم و سرور عالم و افضل خلائق ہونے پر دلیل ہیں بطور قند مکرر پیش ہیں:۔

قبلۂ ارض و سما مرآت نور کبریا　　سید و صدر علیٰ شمس ضحیٰ بدر دجیٰ
سید عالم رسول و عبد رب العالمین　　آں زماں بودہ نبی کادم بد اندر ماوطین
منبر او سدرہ و معراج و سبع قباب　　در مقام قرب حق بر مقدم او فتح یاب
کاندر آنجا نور حق بود و بند دیگر حجاب　　دید و بشنید آنچہ جزوے کش بشنید و ندید

دوسرے اشعار میں آپ کے لئے حسب ذیل القاب ذکر کئے ہیں۔:۔

امام انبیاء، سید مخلوق، اخیر و خیر الوریٰ، خیر الرسل، خیر العباد، انتخاب دفتر تکوین عالم، صاحب اسرار ناموس اکبر، اعلم الاولین و آخرین، تمام انبیاء سے زیادہ افضل و اکمل، جن کا مولد مبارک ام القریٰ تھا اور ان کے آثار اقدام سے مدینہ طیبہ کے راستے کی خاک لوگوں کی تمام محبوب چیزوں سے زیادہ خوشتر و برتر قرار پائی۔

اس تفصیلی نظر سے امت محمدیہ کے اس اجتماعی فیصلہ کی قدر و قیمت بھی بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جس بقعۂ مبارکہ میں حضور علیہ السلام مستقل طور سے استراحت فرما ہیں وہ زمین کا حصہ زمین و آسمان کے ہر حصہ سے زیادہ افضل و اشرف ہے۔ اور کچھ لوگ جو اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اسی طرح جن جن امکنۂ ارض و سما کو بھی افضل الخلائق صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرف فرمایا ہے وہ سب بھی اپنے اپنے درجہ کے مطابق افضل الامکنہ قرار پاتے ہیں۔ والحق احق بالقبول لہذا علامہ ابن تیمیہ کا یہ زعم کہ امکنہ میں کوئی تقدس نہیں ہے کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔

حضور علیہ السلام احب الخلق الی اللہ ہیں (مشکلات ص ۷۷)

حضور علیہ السلام اکرم الخلق علی اللہ بھی ہیں (مشکلات ص ۷۸)

عرش اعظم پر پورا کلمہ طیبہ لکھا ہونا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الخلق واحب الخلق و اکرم الخلق ہونے کی دلیل ہے۔

مستغاث الخلق یعنی حق تعالیٰ شانہ کے بعد سب ہی آپ کی نگاہ التفات و کرم کے محتاج و امیدوار ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے اسی نعتیہ کا آخری شعر یہ ہے۔

مستغیث است الغیاث اے سرور عالی مقام　　در صلہ از بارگاہت در نشید ایں قصید

شاید اس دور عروج نجدیت میں میں یہاں کچھ عجیب سی باتیں جمع کر رہا ہوں مگر میرے نزدیک اظہار واعلان حق میں کوئی چیز بھی مانع نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ ''نوارا تلخ ترمے زن چو ذوق نغمہ کم یابی'' اور میری افتاد طبع بھی اسی کے متقاضی ہے۔

حضرتؒ کے افادات مسئلہ توسل کے بارے میں بھی مشکلات القرآن میں درج ہوئے ہیں اور راقم الحروف نے ہی حضرت کی رہنمائی کے تحت تفسیر فتح العزیز سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے افادات بھی نقل کردیئے تھے۔ ان کا مطالعہ کیا جائے' ص ۱۹ وص ۲۰ درج ذیل آیت **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا. اللّٰھم انا نسئلک بحق احمد النبی الامی الخ** و آیت **فتلقٰی آدم من ربه کلمات و قوله تعالیٰ لأدم لولا محمد لما خلقتک** و ص ۷۷ و ص ۷۸

شفاء السقام للمحدث العلام السبکیؒ ص ۱۶۰' ۱۶۴ میں بھی حدیث توسل آدم کی تصحیح ہے اور اس میں بھی حدیث **لولا محمد ما خلقت آدم ولولا مما خلقت الجنة والنار** کی تخریج وتصحیح ہے۔ نیز علامہ سبکیؒ نے لکھا کہ توسل استعانۃ' تشفع' تجوہ واستغاثہ کے الفاظ تو ہم مقصد ہیں اور سب کا استعمال درست ہے۔

حدیث لولاک

چونکہ مشہور عام حدیث ''**لولاک لما خلقت الافلاک**'' ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے دوسری روایات صحیحہ کی وجہ سے اس کا مضمون درست قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضرت مجدد قدس سرہ نے بھی ص ۱/۱۷۷' مکتوب نمبر ۴۴ میں **لولاہ لما خلق الله الخلق ولما اظهر الربوبية** والی روایت درج فرمائی ہے اور اس کے حاشیہ میں دوسری درج ذیل روایات بھی نقل ہوئی ہیں۔ **ولولاہ لما خلقت الدنیا ولولاک لما خلقت الجنة** (مسند الفردوس دیلمی **لولاہ ماخلقتک خطابا لآدم ولا خلقت سماء ولا ارضا** (المواہب) **لولا محمد ماخلقتک** (حاکم) **فلولا محمد ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار** (حاکم واقرہ السبکی)

حضرت تھانویؒ کی نشر الطیب میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کا نام عرش پر آسمان

وزمین وغیرہ سے ۲۰ لاکھ سال قبل لکھا ہوا تھا اور آپ نے ہی سب سے پہلے الست بربکم کا جواب دیا تھا اور خلق عالم سے مقصود بھی آپ ہی تھے اور حضرت مجددؒ نے لکھا کہ حق تعالیٰ کو اپنی ربوبیت کا اظہار مقصود ہوا اس لئے حضور علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

رد ابن تیمیہ وافادۂ سبکی

علامہ سبکی نے ص ۱۶۲ میں یہ بھی لکھا کہ علامہ ابن تیمیہ نے جو توسل آدم والی حدیث کو لغو و باطل قرار دیا ہے وہ اگر تصحیح حاکم پر مطلع ہوتے تو ایسا دعویٰ نہ کرتے اور راوی حدیث عبدالرحمٰن بن زید کے ضعف کی وجہ سے بھی حدیث کو نہیں گرا سکتے تھے۔ کیونکہ ان کا ضعف بھی اس درجہ کا نہیں تھا کہ ان کی روایت کو باطل کہا جا سکے۔

علامہ سبکیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اس امر عظیم وجلیل ''توسل'' کو ممنوع قرار دینے کی جرأت کوئی مسلمان کیسے کر سکتا ہے۔ جبکہ شریعت و عقل اس کو کسی طرح بھی رد نہیں کر سکتیں اور احادیث صحیحہ بھی اس کو صحیح و درست و مطلوب طریقہ قرار دے رہی ہیں۔ پھر علامہ نے توسل نوح و ابراہیم وغیرہما کی طرف بھی اشارہ کیا جن کو معتبر مفسرین نے نقل کیا ہے اور یہ بھی ثابت کیا کہ حضور علیہ السلام سے توسل آپ کی بعثت سے قبل بھی رہا اور حیات دنیوی میں بھی تھا اور حیات برزخی میں بھی برابر رہا ہے اور رہے گا۔ پھر آخرت میں بصورت شفاعت اس کا ظہور ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضور علیہ السلام یکتا و بے مثال ہیں

''حضور علیہ السلام یکتا و بے مثال تھے'' حضرت شاہ صاحبؒ کے دوسرے نعتیہ میں یہ اشعار بھی ہیں۔

معراج تو کرسی شدہ و سبع سماوات ۔۔۔ فرش قدمت عرش بریں سدرہ سریری
برفرق جہاں پایۂ پائے تو شدہ ثبت ۔۔۔ ہم صدر کبیری و ہمہ بدر منیری
آدم بہ صف محشر و ذریت آدم ۔۔۔ در ظل لوایت کہ امامی و امیری
یکتا کہ بود مرکز ہر دائرہ یکتا ۔۔۔ تا مرکز عالم توئی بے مثل و نظری
ادراک بختم است و کمال است بخاتم ۔۔۔ عبرت بخواتیم کہ در دور اخیری

امی لقب و ماه عرب مرکز ایماں ۔۔۔ ہر علم و عمل را تو مداری و مدیری
آیات رسل بوده همه بهتر و برتر ۔۔۔ آیات تو قرآں همه دانی همه گیری
آں عقدۂ تقدیر کہ از کسب نہ شد حل ۔۔۔ حرف تو کشوده کہ خبیری و بصیری
کازا کہ جزا خواندۂ آں عین عمل ہست ۔۔۔ بگذر زخفاف و بنگر آنچه پذیری
اے ختم رسل امت تو خیر امم ہست ۔۔۔ چوں ثمره کہ آید همه در فصل اخیری

حضور علیہ السلام کے کمالات نبویہ

ان فصیح و بلیغ نعتیہ اشعار میں کتنے کچھ علوم عالیہ سمو دیئے گئے ہیں۔ وہ حیران کن اور وجد آفریں ہیں۔ معراج اعظم نبوی کی سرگذشت روز محشر میں کمالات نبویہ کا ظہور ہر دو عالم میں آپ کی یکتائی و بے مثالی کا اثبات' آپ کا مرکز ایمانی ہونا اور صاحب کمالات خاتمیت آیات قرآنی کے ذریعہ آپ کی ہمہ دانی و ہمہ گیری اور عقیدۂ تقدیر کا یک حرفی سہل و ممتنع حل جس سے ساری دنیا کی عقول عاجز ہیں۔ پھر جہاں آپ مرکز ایمان ہیں کہ سارے مومنین عالم کے ایمانوں کے تار آپ کے قلب منور و معظم سے جڑے ہوئے ہیں آپ مرکز عالم بھی ہیں کہ عظیم تر ساری مخلوق بطور دائرہ عظیمہ ہے جس کا مرکز و محور ذات گرامی صاحب لولاک ہے۔ حسب تصریح حضرت مجدد سرہندی قدس سرہ مشیت ایزدی میں اپنی ربوبیت کا اظہار ہوا اور دنیا کے ہزار ہا عالم پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور معظم کو پیدا فرمایا اس لئے آپ مرکز وجود بھی ہیں اور سب سے پہلے آپ کے قلب منور کو حق تعالیٰ جل ذکرہ نے نور نبوت عطا فرما کر مرکز ایمان بھی بنایا اور آپ مرکز عالم ہیں اس لئے یکتا و بے مثال و بے نظیر بھی ہوئے۔

حضرت تھانوی کا افادہ

حضرت تھانویؒ نے فرمایا ''میرا مذہب یہ ہے کہ سب مسلمان بزرگ ہیں اور ولی ہیں قال اللہ تعالیٰ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور اس سے تمام اہل ایمان کی ولایت عامہ ثابت ہوتی ہے اور بڑا گروہ یہی ہے ان کا نور ایمان اگر ذرہ برابر بھی متمثل ہو جائے تو چاند و سورج یکدم اس کے سامنے ماند ہو جائیں۔ الافاضات الیومیہ النور محرم ۱۳۵۲ھ یہ

پہلے آچکا ہے کہ مومنین کا نورایمان جزو ہے نور معظم نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ واللہ اعلم۔

انبیاء علیہم السلام کی سواریاں

براق۔ روز محشر میں تمام انبیاء علیہ السلام اونٹنیوں وغیرہ دواب پر سوار ہوکر میدان حشر میں جمع ہوں گے۔ مگر حضور علیہ السلام کی سواری اس روز بھی براق ہوگی۔ کمافی الحدیث (مشکلات ص ۷۷)

اذان بلال بروز حشر

اذان بلال روز حشر۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت بلالؓ جنت کی ایک اونٹنی پر سوار ہوکر میدان حشر میں اذان پڑھیں گے۔ تو جب وہ "**اشھدان محمد رسول اللہ**" پکاریں گے تو سارے انبیاء اوران کی امتیں کہیں گی کہ ہم بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ (مشکلات ص ۷۷)

رویت باری تعالیٰ جل مجدہ

رؤیۃ باری تعالیٰ۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے افادات علمیہ میں اس امر کی مکمل تحقیق کی جگہ پیش کی ہے کہ حضور علیہ السلام کو لیلۃ المعراج میں حق تعالیٰ کی عینی رویت حاصل ہوئی ہے۔ جو اس عالم کے سوا دوسرے عالم میں تھی۔ (مشکلات القرآن و امالی درس حدیث وغیرہ)

تمام انبیاء کو حضور علیہ السلام کی معرفت حاصل تھی

معرفۃ الانبیاء علیہم السلام یہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ثابت کیا کہ تمام انبیاء کو حضور علیہ السلام کی معرفت اور آپ پر ایمان کی دولت حاصل تھی اور یہ بھی کہ حضور علیہ السلام کا قبلہ و شریعت ہی اصل قبلہ اور شریعت کبریٰ ہے اور جو خصوصیات کعبۂ معظمہ کی ہیں وہ بیت المقدس کو حاصل نہیں ہیں۔ (مشکلات ص ۷۷/ ۷۶)

ایمان قبل الظہور رسے حضور علیہ السلام کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ بجز آپ کے اور کسی نبی پر اس کی بعثت وظہور سے پہلے ایمان نہیں لایا گیا۔ (مشکلات ص ۷۶/ ۷۷)

خصائص وفضائل امت محمدیہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے احادیث کی روشنی میں ان فضائل وخصائص کا بھی ذکر کیا جو صرف

امت محمدیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں حاصل ہوئے۔ (مشکلات ص ۸۷ تا ص ۸۱)

نزول وحی ۲۴ ہزار مرتبہ

چوبیس ہزار بار نزول وحی۔ اکابر محدثین نے یہ عظیم تعداد حضور علیہ السلام کے لئے نقل کی ہے۔ جبکہ دوسرے انبیاء کے لئے بہت کم تعداد نقل کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کلام ودیدار خداوندی

دیدار خداوندی:۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں کلام بلاواسطہ اور دیدار خداوندی دونوں عظیم تر نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔

اس بحث کو مکمل طور سے ہم انوار الباری جلد نہم میں مع اقوال اکابر امت درج کر چکے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے نشر الطیب میں توقف اختیار کیا اور سیرۃ کبریٰ و سیرۃ المصطفیٰ جلد اول و سیرۃ النبی حصہ سوم بھی قابل مطالعہ ہے اس کے بعد منکشف ہوگا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق کتنی بلند پایہ ہے قدس سرہ العزیز۔

ایسے اہم مباحث میں جہاں بڑے بڑوں سے بھی مسامحات ہوگئی ہیں۔ حضرتؒ کی تحقیقات عالیہ پڑھنے کے لائق ہیں۔

راقم آثم کا تاثر یہ بھی ہے کہ حدیث قدسی کنت کنزا مخفیا میں جو مقصد تخلیق عالم اپنی معرفت کا حصول بتلایا گیا اور آیت قرآنی **وماخلقت الجن والانس الالیعبدون** میں اپنی عبادت کا مقصود ہونا بتلایا گیا وہ بھی ظاہر ہے کہ معرفت خداوندی ہی پر موقوف ہے۔ بلا معرفت ذات وصفات کے معبود حقیقی کا صحیح تعین نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے اعمال تعبدی کی صحت عقائد صحیحہ پر موقوف ہے اور علماء کے نزدیک فرق باطلہ مشبہ ومجسمہ وغیرہم سب عابدین اوثان واصنام کے درجہ میں رکھے گئے ہیں۔

شاید اسی لئے شب معراج میں حضور علیہ السلام کو رؤیت عینی اور کلام بلاواسطہ کے ذریعہ وہ عین الیقین کا مرتبہ بھی حاصل کرا دیا گیا جو پہلے سے وحی خداوندی بالواسطہ اور رویت قلبی کے ذریعہ آپ کو بطور حق الیقین حاصل ہو چکا تھا۔

(نوٹ) اس حدیث قدسی کی تخریج اور توثیق محدثانہ طور پر ابھی تک نظر سے نہیں گزری۔ تلاش جاری ہے۔ والامر الی اللہ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے خصوصی افادات

مشکلات القرآن میں سورۂ نجم کی تفسیر ص ۲۴۰ سے ص ۲۵۷ تک بے مثال نوادر علمیہ کا مجموعہ ہے۔ پھر ص ۲۶۰ پر قصیدۂ معراجیہ کے ۱۲۸ اشعار حرز جاں بنانے کے لائق ہیں جن میں فرمایا کہ بحثنا الخ ہم نے پوری بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ شب معراج میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رؤیت عینی ثابت شدہ ہے کما اختارہ الخ اور اسی کو حبر امت ابن عم اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا ہے اور امام احمدؒ نے بھی اسی تحقیق کی توثیق کی ہے۔ نعم رؤیۃ الرب الخ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رویت عینی ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ جس کو دنیا کے لوگ خواب ہی جیسی چیز خیال کر سکتے ہیں۔ یعنی اتنی بڑی بات ان کے ادراک سے وراء الوراء ہے۔

نوٹ:۔ انوار الباری جلد نہم میں علامہ ابن تیمیہؒ علامہ ابن القیم اور حافظ ابن حجر و علامۂ مفسر ابن کثیرؒ کے تسامحات کا بھی رد وافر کیا گیا ہے۔

دارالکفر کے ساکن مسلمانوں کی امداد

حضرتؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو حکم آیت **وان استنصر و کم فی الدین فعلیکم النصر الاعلے قوم** میں بیان ہوا ہے وہ دینی جہاد کے معاملات سے متعلق ہے کہ اگر دارالکفر کے ساکن مسلمان کسی دینی جہاد میں دارالاسلام کے ساکن مسلمانوں سے امداد طلب کریں تو ان پر امداد کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر پہلے سے کوئی ناجنگ معاہدہ دارالاسلام والوں سے ان مقاتلین کفار کا ہو تو اس کے قائم رہتے ہوئے وہ مسلمانان دارالکفر کی امداد نہیں کر سکتے۔ یعنی اس معاہدہ کو ختم کر کے ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن اس حکم کا تعلق ظلم کی صورت سے نہیں ہے۔ یعنی اگر مسلمانان دارالکفر مظلوم ہوں تو ان کی امداد دارالاسلام کے مسلمانوں پر بہر صورت فرض و واجب ہے اور کوئی معاہدہ اس میں حارج نہ ہوگا کیونکہ ہر مظلوم

انسان کی امداد بہر حال ضروری و فرض ہے۔ حتیٰ کہ اگر دارالاسلام کے اندر بھی کچھ مسلمان دوسرے مسلمانوں پر ظلم کریں تو ان کو بھی ظلم سے چھڑانا تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔ حضرتؒ نے اس کے لئے تفسیر ابن کثیر کا حوالہ بھی ص ۳۳۸/۴ وص ۳۴۱/۴ پیش کیا ہے۔ گویا ''فی الدین'' کی صراحت کی وجہ سے صرف قتال دینی ہی مراد لینا چاہئے اور ظلم اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

واضح ہو کہ حضرت شاہ صاحبؒ تفسیر کے بارے میں نہایت محتاط تھے اور کوئی بات بھی اکابر مفسرین یا جمہور سلف وخلف کی رائے کے خلاف پسند و اختیار نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی تالیف لطیف مشکلات القرآن اور فوائد علامہ عثمانیؒ میں آپ کے افادات اس پر شاہد عدل ہیں۔

کتب تفسیر کی کثرت اور معیار تحقیق

حضرتؒ سے ہی یہ بھی نقل ہوا کہ اب تو دو لاکھ کتب تفاسیر لکھی جا چکی ہیں۔ پھر ان میں سے کتنی ایسی ہیں کہ ان کی صحت کلی پر بھروسہ کیا جا سکے اس کا فیصلہ نہایت ہی دشوار ہے قرآن مجید کے سوا کسی کتاب کو بھی اغلاط اور تسامحات سے منزہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ اتنی بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ محدثین کی تحقیقات میں وزن سب سے زیادہ ہے۔ اسی لئے تفسیر ابن کثیر کو بڑا درجہ دیتے ہیں مگر ان سے بھی متعدد مقامات میں تسامح ہو گیا ہے جس کی نشان دہی بھی علامہ کوثریؒ وغیرہ نے کی ہے۔

تاہم یہ امر نہایت قابل افسوس ہے کہ اس ایک صدی کے اندر جو کتب تفاسیر شائع ہوئیں وہ بڑی حد تک غیر معیاری ہیں۔ تفسیر المنار مصری ہو یا سرسید کی تفسیر ہندی عنایت اللہ مشرقی کی تفسیر ہو یا مولانا آزاد کی ترجمان القرآن مولانا عبیداللہ سندھی کی جدید تفسیر ہو یا مولانا مودودی کی تفہیم القرآن مولانا فراہی کی تفسیر ہو یا مولانا امین احسن اصلاحی کی تدبر قرآن وغیرہ ان سب میں عمدہ تفسیری مواد کے ساتھ آزادیٔ رائے اور تفردات کے نمونے بھی بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔

ان سب میں سے تفہیم القرآن قابل ترجیح ہے اور جن جن مقامات میں تفاسیر جمہور کے مطابق انہوں نے تشریحات و تقریرات کی ہیں وہ قابل قدر ہیں لیکن جن جن مقامات پر وہ جمہور مفسرین اور اکابر امت سے الگ ہو کر اپنے تفردات رقم کر گئے ہیں وہ ظاہر ہے کہ

قابل قبول نہیں ہوسکتے اوران کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ہم نے انوارالباری میں کئی مواضع پر نقد کیا ہے۔ مزید نقد انوارالباری سے فارغ ہوکر ہو سکے گا ان شاء اللہ۔ ہم نے تفہیم کی ۶ جلدوں میں ایک سو مخدوش مقامات نشانات لگائے ہیں۔

ہمارے نزدیک تفسیر بالرائے سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اولاً دوسری آیات اور پھر احادیث و آثار صحابہ و تابعین کی روشنی میں آیات قرآنی کا حل پیش کیا جائے اور دوسرے قرائن وواقعات کو ثانوی درجہ میں رکھا جائے جن لوگوں نے اس کے برعکس طریقہ اپنایا ہے وہ تفسیر بالرائے کی غلطی سے نہیں بچ سکے ہیں۔ اسی لئے آخری دور میں محدث حضرت تھانویؒ علامہ عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بعد کسی اردو تفسیر پر بھی مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ فراہی شیخ محمد عبدہ ومولانا آزاد وغیرہ پر نقد

رسالہ برہان ماہ جون و جولائی ۸۸ء کے دوشماروں میں محترم جناب مولانا محمد رضی الاسلام صاحب ندوی دام فضلہم کا مضمون بابۃ تفسیر علامہ فراہیؒ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ اس دور میں بھی احقاق حق کا حق ادا کرنے والے موجود ہیں جس طرح نظریہ ارتقاء کے بارے میں محترم جناب مولانا محمد شہاب الدین صاحب ندوی دام فضلہم کا مضمون برہان کے مئی و جون ۸۸ء میں شائع شدہ بھی نہایت اہم ضروری اور معلومات عامہ وخاصہ کا حامل ہے اور خاص طور سے انہوں نے جو نقد علماء مصر شیخ محمد عبدہ وغیرہ اور سرسید وعلامہ شبلی اور مولانا آزاد وحضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی روش پر کیا ہے وہ نہایت اہم ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء و کثر امثالہ.

ہمارے علماء دیوبند میں سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تفسیر میں بھی بہ کثرت تفردات ہیں اور جس زمانہ میں وہ باہر سے آکر دہلی میں مقیم تھے اور بعض فضلائے دیوبند نے بھی ان کے تفردات کی تائید کردی تھی تو محترم مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ نے راقم الحروف کو لکھا تھا۔ ''بڑے درد کے ساتھ پوچھتا ہوں کہ دیوبند کدھر جارہا ہے؟'' یعنی جس جماعت کا بڑا طرۂ امتیاز احقاق حق تھا اس کے افراد ایسی مداہنت کا شکار کیوں ہوئے؟

دور حاضر کے مفسرین کی بے ضاعتی

افسوس کہ قریبی دور کی متعدد تفاسیر اردو میں ایسی شائع شدہ ہیں جن کے مصنف

قاعدے سے پورے عالم بھی نہیں ہیں جبکہ ''کلام الملوک ملوک الکلام'' کے قاعدے سے سارے بادشاہوں کے بادشاہ کے کلام کو سمجھنے کے لئے اور سمجھانے کے لئے ضرورت ہے مفسر قرآن مجید کو جامع معقول و منقول بحر العلوم ہونا چاہئے۔ جیسا کہ ہمارے دور میں حضرت شیخ الہند، حضرت تھانوی، حضرت علامہ عثمانی وغیرہ تھے اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے حل مشکلات القرآن کے لئے جو طریقہ اور نمونہ پیش فرمایا وہ بھی اہل علم و مفسرین کے لئے بہترین لائحہ عمل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدوث عالم اور وجود صانع کی تحقیق

فرمایا تمام عالم حادث و مخلوق ہے وہ نہ جنس و مادہ کے لحاظ سے قدیم ہے اور نہ وہ قدیم بالنوع ہے۔ اسی لئے عرش کو جن لوگوں نے قدیم کہا وہ بھی غلط ہے۔ ترمذی شریف میں عرش کو مخلوق کہا گیا ہے تو پھر اس کو قدیم کیسے کہا جا سکتا ہے؟ (ابن ماجہ اور مسند امام احمد کا حوالہ بھی ص ۱۷۹/۱۴ المعجم المفہرس میں ہے)

جس حدیث کی طرف حضرتؒ نے اشارہ فرمایا وہ کتاب التفسیر کی سورۂ ہود کی پہلی حدیث ابو رزین والی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو پانی پر پیدا کیا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عرش کی تخلیق پانی کے بعد ہوئی ہے علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم چونکہ استواء کو بمعنی استقرار و جلوس لیتے ہیں اس لئے ان کا عقیدہ ہے کہ عرش قدیم بالنوع ہے اور ازل سے ہی کوئی نہ کوئی عرش رہا ہے جس پر حق تعالیٰ کا جلوس و استقرار رہا ہے۔ علامہ ابن قیم نے ان اشعار کو نقل کیا ہے جن میں ہے کہ نہ خدا کے عرش پر جلوس کا انکار کرو اور نہ اس کا انکار کرو کہ خدا اپنے عرش پر اپنے ساتھ قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھائے گا۔ اور اپنے قصیدۂ نونیہ میں ان لوگوں پر شدید ترین طعن کیا ہے جو خدا کو عرش پر متمکن و جالس نہیں مانتے اور کہا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جنہوں نے عرش کو خدا سے خالی یا الگ خیال کیا ہے لیکن زاد المعاد میں جو علامہ ابن القیم نے خدا کے طواف فی الارض کی طویل حدیث ذکر کر کے اس کی نہایت توثیق بھی کی ہے تو کیا اس وقت بھی خدا اپنے عرش سے الگ نہیں ہوگا؟

سلفی جواب دیں، یہی بات ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ ''حوادث لا اول لہا'' کے بھی قائل ہیں جس پر حافظ ابن حجرؒ وغیرہ اکابر علماء نے سخت نکیر کی ہے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے دیوبند کے زمانہ درس میں بھی فرمایا تھا کہ علامہ ابن تیمیہؒ بہت بڑے عالم و متبحر ہیں مگر وہ استقرار و جلوس خداوندی کا عقیدہ لے کر آئیں گے تو ان کو یہاں دار الحدیث میں داخل نہ ہونے دوں گا۔

یہاں یہ ذکر ضمناً آ گیا ورنہ حدوث عالم اور خدا کے خالق و قدیم ہونے کا مسئلہ نہایت ہی محقق و اہم علمی مبحث ہے۔ علماء اسلام نے ہمیشہ عقلی و نقلی دلائل قائم کئے ہیں۔ کیونکہ مادیین اور دہریوں کے نزدیک یہ عالم بغیر کسی خالق و رب قدیم کے خود بخود ہی موجود ہو گیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ایک مادۂ مطلقہ موجود تھا اور پھر تحرک سے اس میں حرارت پیدا ہوئی اور شمس وغیرہ بن گئے اس کے بعد نباتات پھر حیوانات بنے اور بندر سے ترقی کر کے انسان بن گئے۔ ڈارون کا فلسفہ و نظریہ خاص طور سے اس سلسلہ میں مشہور ہوا جو صانع عالم کا قائل نہیں تھا۔ (حضرت تھانویؒ نے بھی اشرف الجواب حصہ چہارم میں اس نظریہ کا رد کیا ہے)

حضرت اقدس مولانا نانوتویؒ نے حدوث عالم اور وجود صانع پر دلائل ذکر کئے ہیں اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے حدوث عالم پر کئی سو اشعار میں دلائل جمع کئے ہیں۔ پھر نثر میں بھی مرقاۃ الطارم'' کے نام سے نہایت محققانہ رسالہ عربی میں لکھا ہے۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس اہم ترین عقیدہ کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ سے کامل و مکمل استفادہ کیا ہے اور حضرتؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ اس مسئلہ کو جتنی زیادہ کوشش سے ڈاکٹر اقبال نے مجھ سے سمجھ لیا ہے اتنی میرے حدیث کے تلامذہ نے بھی کوشش نہیں کی ہے۔

رسالۂ برہان ماہ مئی و جون ۸۸ء میں محترم مولانا محمد شہاب الدین ندوی کا مضمون بابتہ نظریۂ ارتقاء پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ محترم نے بڑا ہی اہم افادی مضمون لکھا ہے اور ان کے مفصل مضمون قرآن حکیم و نظریہ ارتقاء کو بھی پڑھنے کا اشتیاق ہوا۔

اس مضمون کو پڑھ کر علماء مصر محمد عبدہ وغیرہ اور ہندوستان کے علماء مولانا آزاد حضرت سید صاحب علامہ شبلی اور سر سید و ڈاکٹر اقبال کی مسامحات پر مطلع ہو کر بڑا افسوس ہوا اور حیرت بھی غالباً ڈاکٹر اقبال کی غلط فہمی تو حضرت شاہ صاحبؒ سے استفادہ سے پہلے کی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں ایک تو ''حدوث عالم'' کے اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلانی تھی اور یہ دکھلانا تھا کہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مسئلہ کی تحقیق و تنقیح میں بڑا اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ دوسرے اپنی اس مسرت کا اظہار بھی مقصود ہے کہ ہمارے محترم علماء ندوہ نے احقاق حق کے لئے بہت ہی مبارک علمی قدم اٹھایا ہے۔ **جزاھم اللہ خیر او کثر اللہ امثالھم.**

نظریہ ارتقاء کا ابطال

نظریۂ ارتقاء پر شہاب الدین صاحب کے مقالہ کا ذکر تو ابھی ہوا اور برہان کے دونوں شماروں میں آپ کے بلند پایہ ریمارکس قابل مطالعہ ہیں۔ آپ نے یہ بھی صراحت کردی ہے کہ ڈارون کا نظریہ خود یورپ کے دانش مندوں میں بھی لائق پذیرائی نہیں ہوا تھا اور اب تو محققین واہل بصیرت اس مفروضہ سے اپنی بیزاری کا بھی اظہار کررہے ہیں۔ لہٰذا اس کو جن علماء اسلام نے ایک متفق علیہ مسئلہ یا ثابت شدہ حقیقت خیال کرلیا تھا۔ ان سے بڑی لغزش اور بے احتیاطی ہوگئی تھی آپ نے آخر میں یہ بھی لکھا کہ اس بے بنیاد نظریہ کو محض مادہ پرست ہی مذہب کی ضد میں اب تک سینے سے لگائے ہوئے ہیں ورنہ اس میں اب کوئی جان باقی نہیں رہ گئی ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں محققین کے اعتراضات کا ایک دفتر سامنے آچکا ہے اس کے علاوہ مولانا فراہیؒ کی تفسیر پر جو نہایت عمدہ تنقید محترم مولانا محمد رضی الاسلام صاحب ندوی کی طرف سے برہان ماہ جون وجولائی ۸۸ء میں شائع ہوئی ہے وہ بھی نہایت قابل قدر ہے۔

امید ہے ایسے تحقیقی مقالات رسالہ ''معارف'' میں بھی شائع کئے جائیں گے۔

حق العبد

مولوی حسن شاہ صاحب تلمیذ دورۂ حدیث نے دریافت کیا کہ ایک شخص پر کسی کا مالی حق ہے اور صاحب حق زندہ ہے اور یہ شخص اس قدر مال صدقہ کرنا چاہتا ہے تو حق ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب تک صاحب حق یا اس کا کوئی وارث زندہ ہے اسی کو دینا ضروری ہے اور گو فقہاء نے نہیں لکھا مگر میرے نزدیک صدقہ بھی کردے گا تو تخفیف ضرور ہوجائے گی۔

یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی طرح سے وہ مال اس کے گھر پہنچادے تب بھی اس کا حق ادا ہوجائے گا۔

حلف مع الحنث

فرمایا اگر چند حلف مع الحنث جمع ہو جائیں تو ایک ہی مجلس کے ہوں تو ایک کفارہ کافی ہو گا ورنہ نہیں اور شامی نے جو ایک کا کافی ہونا لکھا ہے تو دوسری جگہ تفصیل کے موقع پر وہی لکھا ہے جو میں نے عرض کیا ہے۔

مسائل کی ترجیح ذریعہ احادیث صحیحہ

فرمایا میری عادت ہے کہ اولاً وہ قول لیتا ہوں جس کی تائید احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے اس کے بعد وہ قول لیتا ہوں جو امام طحاویؒ کا مختار ہو اور امام طحاوی کو کرخی پر ترجیح دیتا ہوں اگرچہ امام طحاوی مصر میں اور کرخی بغداد میں رہے ہیں لیکن حدیث کا علم طحاوی کا بڑھا ہوا ہے مع تفقہ صحیح کے۔

فقہاء کے مراتب

فرمایا کہ فقہاء میں سے شمس الائمہ حلوانی کو شمس الائمہ سرخسی پر ترجیح دیتا ہوں، کیونکہ حلوانی مسئلہ مختلف بین الائمہ میں نہایت صحیح قول اختیار کرتے ہیں پس میں بھی ان ہی کے مختار کو لیتا ہوں۔ اس کے بعد شامی صاحب ہدایہ صاحب بدائع وفتاویٰ قاضی خاں اور صدر الائمہ وفخر الائمہ وغیرہ سب برابر ہیں۔

تقلید شخصی ضروری ہے

فرمایا علامہ شامی نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ کوئی شخص تلفیق تو نہیں کر سکتا کہ کسی جزو پر کسی کے مذہب پر اور کسی جزو میں کسی کے مذہب پر عمل کرے البتہ یہ کر سکتا ہے (جو دلائل کو نہ سمجھتا ہو اور علماء کے فتاویٰ پر عمل کرتا ہو) کہ کسی وقت کی نماز کسی کے مذہب پر پڑھ لے اور کسی وقت کی کسی کے مذہب پر پڑھ لے۔ (حضرتؒ نے شامی جلد اول سے عبارت پڑھ کر سنائی) پھر فرمایا کہ اسی قسم کا مضمون بحر الرائق کے باب قضاء الفوائت اور شیخ ابن ہمام کی تحریر کے آخر میں بھی ہے حالانکہ یہ غلط محض ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کا تشدد

وہ بھی اپنے زور بیان سے یہی ثابت کیا کرتے ہیں کہ جو مسائل منصوص نہیں ہیں ان میں تقلید درست نہیں ہے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ صحابہ وتابعین کے وقت میں تقلید کہاں تھی؟

میں کہتا ہوں کہ صحابہ کے وقت میں بھی تقلید تھی کیونکہ جو جس کا شاگرد ہوتا تھا تمام باتوں میں اسی کی تحقیقات پر عمل کرتا تھا اور جہاں کہیں اختلاف زیادہ ہوا تو مرتبہ کے اعتبار سے بھی فیصلہ ہوتا تھا۔ مثلاً خلفائے راشدین کے فرمان پر عمل کرتے تھے۔

غرض اس وقت دسیوں، بیسیوں مجتہد تھے اور ہر ایک کی علیحدہ تقلید ہوتی تھی۔ باقی یہ نہ تھا کہ کسی وقت کسی کے قول پر عمل ہوتا اور دوسرے وقت دوسرے کے۔

البتہ یہ ضرور تھا کہ مثلاً مس ذکر کو ناقض وضو سمجھا لیکن کسی وقت نماز پڑھ لی بغیر اس کے مقتضی پر عمل کئے ہوئے کہ تحقیقات اپنی رکھتے تھے مگر ساتھ ہی نصوص احادیث کا بھی پاس رکھتے تھے اور صرف مجتہد فیہ غیر منصوص مسائل میں ایک دوسرے کی تقلید ہی تھی۔ پھر میں کہتا ہوں کہ غیر منصوص مسائل میں تقلید کا ترک اس امر کو مستلزم ہے کہ دین میں تناقض لازم آجائے اور یہ بعض جگہ تو صریح ہوگا مثلاً جبکہ ہر مجتہد کے اصول علیحدہ علیحدہ ہیں اور ایک تو ایک چیز کو حرام کہتا ہے دوسرا اس کو فرض و واجب ایک حلال کہتا ہے دوسرا حرام وغیرہ۔

پس تارک تقلید صریح تناقض میں پڑ جائے گا۔ حالانکہ دین میں تناقض قطعاً نہیں ہوسکتا اور صحیح دراصل ایک ہی چیز ہوگی۔ پھر بعض جگہ ظاہری تناقض تو نہ ہوگا لیکن اندرونی طور پر موجود ہوگا۔ مثلاً مفقود کا مسئلہ کہ اس میں امام مالک کے مذہب پر فتوے دیتے ہیں اور بظاہر سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے صرف ایک جزئی چھوڑی ہے حالانکہ اصولاً صریح تناقض نکلے گا' کیونکہ ہمارے امام صاحب کا اصول ہے کہ اکثر مدت حمل دو سال ہے اور تفریق بغیر طلاق کے نہیں ہوسکتی۔ دوسری طرف امام مالک کا اصول یہ ہے کہ اکثر مدت حمل چار سال ہیں اور بوقت اعسار زوج قاضی کو تفریق کا حق حاصل ہے۔ جو حنفیہ کے یہاں جائز نہیں ہے۔

ان کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں سب معسر (تنگدست) ہی تھے۔ پھر کوئی بھی جزئی ایسی نہیں ہے جہاں تفریق کرائی گئی ہوالا سعید بن مسیّب کا واقعہ کہ وہ شواذ سے

ہے جس سے لاکھوں کے ہوتے ہوئے جو چیز نہ ہوئی ثابت نہیں ہو سکتی۔

پس مالکیہ کا مسئلہ لے کر صریح تناقض باعتبار اصول ہو جاتا ہے کہ اسی پر مسئلہ مفقود کا اختلاف ہے۔ (مالکیہ چار سال کے بعد مفقود کی صورت میں اعسار کے باعث تفریق کا جواز کرتے ہیں جو باصول حنفیہ قطعاً ناجائز ہے۔ **کمالایخفی**) اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمیں اندرونی و بیرونی کوئی تناقض نہیں معلوم ہوتا لیکن اول تو ہمیں سارے اصول مذاہب کے نہیں پہنچے پھر کیسے کہیں کہ باہم متناقض ہیں یا نہیں۔ دوسرے جزوی اختلافات خود بتلاتے ہیں کہ کہیں نہ کہیں کسی اصول میں اختلاف ضرور ہوگا اور تناقض۔

غرض یہ کہ غیر منصوص مسائل میں تقلید ضروری ہے ورنہ دین صریح تناقض میں آ جائے گا اور عمل خواہشات کے موافق رہ جائے گا۔ جیسے غیر مقلد کرتے ہیں۔

دوسرے مذاہب فقیہ پر فتوے

مولوی ریاست خاں صاحب نے کہا کہ پھر دوسرے مذاہب پر جو فتوے دیتے ہیں وہ درست نہ ہوں گے؟ حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ میرا ان پر بھی یہی اعتراض ہے دوسرے یہ کہ ضرورت پر مبنی ہیں اور ضرورت کا باب دوسرا ہے۔ میرا مقصد شامی وغیرہ کی غلطی ظاہر کرنا ہے کہ انہوں نے خواہشات پر رکھ دیا ہے پس یہ سوال مذکور مبحث میں قلت تدبر کے باعث ہے۔

پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ صورت دنیوی امور میں بھی پیش آتی ہے کہ جب دوسرے لوگوں کی رائے مختلف ہوتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ اچھا بھائی جس طرح تمہاری رائے ہو کرو یعنی ضرورت کے وقت دوسرے کی رائے پر عمل کرتے ہیں باوجودیکہ وہ خلاف رائے ہوتا ہے۔

مسجد نبوی کا احترام اور دوسرے امکنہ کا تقدس وتبرک

حضرتؒ نے فرمایا کہ یوں تو تمام مساجد کا عام طور سے یہ احترام ہے کہ وہاں شور وغل یا بلند آواز کرنا پڑنا جھگڑنا ممنوع ہے مگر مسجد نبوی کا احترام اور بھی زیادہ ہے اسی لئے امام مالکؒ نے امیر المومنین ابوجعفر کو مسجد نبوی میں بلند آواز کر کے بات کرنے پر ٹوک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ قرآن مجید

میں ادب سکھایا گیا ہے کہ اپنی آواز نبی کریم کے روبرو اونچی نہ کرو اس سے ڈر ہے کہ تمہارے اعمال ضائع نہ ہوجائیں (حجرات) اس کے ساتھ امام مالکؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی عظمت واحترام وفات کے بعد بھی ایسی ہی ہے جیسی زندگی میں تھی پوری روایت سندوں کے ساتھ انوار الباری ص ۱۲۹/۱۱ میں شفاء السقام ص ۶۹ وغیرہ سے نقل کی گئی ہے اور جن لوگوں نے اس روایت کو گرانے کی سعی کی ہے اس کا رد بھی پوری طرح کر دیا گیا ہے۔

شیخ محمد عبدالوہاب کا ذکر

ہمارے حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی چند کتابیں دیکھی ہیں وہ بے محل آیات تلاوت کر دیتے ہیں جس طرح آج کل کے غیر مقلدین بھی بہت سی آیات کو عدم تقلید پر اتارا کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک مسجد نبوی کا کوئی احترام حضور علیہ السلام کی وجہ سے نہیں ہے اور بعض نجدیوں سے یہ بھی سنا کہ یہاں کیا رکھا ہوا ہے؟ اور ان کے بعض متبوعین سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مسجد نبوی میں ہاون دستہ بہت زور زور سے کوٹا ہے واللہ اعلم۔

راقم الحروف کے نزدیک اختلاف کی بڑی جڑ امکنہ کے تقدس سے انکار ہے۔ اگر اس بارے میں علماء سعودیہ دوسرے علماء اسلام کے ساتھ بیٹھ کر تحقیق کر کے اتفاقی نقاط طے کر لیں تو بڑی اہم علمی خدمت انجام پا سکتی ہے۔ جس طرح علماء سعودیہ نے طلاق ثلاث میں جمہور کی رائے مان لی ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

ایک اہم سوال

کوئی ان سے پوچھے کہ اگر وہاں کچھ نہیں رکھا تو حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کے قدموں میں دفن ہونے کی تمنا کیوں کی تھی اور بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی ان کے نقل ہوئے ہیں کہ میرے لئے اس مقصد سے زیادہ کوئی بھی چیز اہم واعظم نہیں ہے اور اگر واقعی امکنہ میں کوئی تقدس نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں حضرات جبرئیل علیہ السلام کے فرمانے پر بیت اللحم (جاء ولادت حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) میں براق

سے اتر کر دو رکعت نماز کیوں پڑھی تھی؟

یہ حدیث نسائی شریف کی ہے جس کا انکار ان کے بڑے علامہ ابن قیمؒ بھی نہیں کر سکتے۔ ضرورت ہے کہ جس طرح اعیان سعودیہ اکابر حجاج عالم کی پذیرائی کر کے ان کو غلاف کعبہ کا تبرک بھی عطا کرتے ہیں اسی طرح سارے حجاج عالم اسلام کو کھلے دل سے قائل ہو کر حرمین شریفین کے سارے امکنہ مقدسہ متبرکہ کی حفاظت و زیارت سے بھی مطمئن و مسرور کیا کریں۔ کیونکہ امام نسائی کی روایت کردہ حدیث صحیح اور حضرت عمرؓ کے ارشاد مذکور بخاری اور امام مالکؒ کی رائے مبارک کے مقابلہ میں بعد کے کسی بھی بڑے کی بات بالا نہیں ہو سکتی۔ امید ہے سلفی نجدی بھائی اس قبول حق کی فرصت کو غنیمت سمجھیں گے۔

ابن سعود وغیرہ کی مخالفت حنفیت

وقت درس بخاری شریف ص ۱۶/۵۹۸ حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ابن سعود وغیرہ اپنے بعض متبوعین کے اتباع میں حنفیت کے سخت مخالف ہیں۔ جس کے لئے میں مشہور شعر اذا کان الغراب دلیل قوم الخ پڑھا کرتا ہوں۔ اسی لئے انہوں نے تبرکات کو ڈھا دیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے قطع شجرہ کا سبب

ان کا بڑا استدلال حضرت عمرؓ کے قطع شجرہ سے ہے میں کہتا ہوں کہ یہ استدلال غلط ہے کیونکہ وہ درخت متعین ہی نہ رہا تھا اور روایت ہے کہ دو صحابی بھی اس پر متفق نہیں رہے تھے اور جب غلط تعظیم ہونے لگی تو حضرت عمرؓ نے اس کو کٹوا دیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی بھی یہی رائے تھی یعنی تبرک ہونے سے انکار نہیں فرمایا اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ وہ متبرک ہی ہوتا مگر متعین نہ رہا تھا۔

جماعت ثانیہ

منیہ میں مسئلہ ہے کہ اگر کوئی گھر میں جماعت کر لے تو بلا کراہت ادا ہو گئی۔ یہ مسئلہ کہیں اور نہیں ہے البتہ عام کتب میں اتنا ہے کہ مسجد میں جماعت نہ ملے تو گھر جا کر جماعت کر کے پڑھ لے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ اگر صحابہ کی نماز جماعت سے رہ جاتی تھی تو وہ الگ الگ پڑھ لیتے تھے اور مسجد میں جماعت ثانیہ کے بارے میں حضرت گنگوہیؒ کا رسالہ دیکھو۔

اگر جگہ چھوڑ کر جماعت کرے تو امام ابو یوسفؒ سے (کبیری شرح مینہ میں ہے کہ) جائز بلا کراہت ہے۔ امام شافعیؒ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں اور جماعت ثانیہ کو ہٹانا ہی چاہتے ہیں۔ امام احمدؒ اجازت دیتے ہیں۔

حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) نے ایک بار جب میں کشمیر جانے کے لئے ملاقات کو گیا تو فرمایا کہ جماعت ثانیہ کرے تو ثواب ملے گا یا نہیں؟ یعنی باوجود کراہت کے وہ ثواب ۲۵ یا ۲۷ کا بھی ملے گا یا نہیں؟ اس سے میں سمجھا کہ وہ ثواب کے قائل تھے اور میرا بھی یہی خیال ہے اور اس میں استبعاد بھی نہیں ہے کیونکہ جماعت اولیٰ میں بھی تو مکروہات صلوۃ ہو جاتے ہیں۔ تو کیا ثواب نہ ملے گا؟ نیز فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کی روایت غیر مشہور ہے۔ دوسرے وہ اس پر مبنی ہے کہ چند آدمی کسی معقول عذر کی وجہ سے جماعت سے رہ جائیں۔

پس احوط یہی ہے کہ مسجد سے علیحدہ جماعت کرلی جائے باقی اثر حضرت انسؓ کا معارضہ مصنف ابن ابی شیبہ سے کریں گے۔

یہ بھی ہے کہ حضرت انسؓ نے جماعت اذان واقامت کے ساتھ کرائی تو وہ دوسرے محلّہ کے تھے اور یہ صورت مسجد سوق میں داخل ہے جہاں امام ومقتدی متعین نہ ہوں جیسے اسٹیشن وغیرہ کی مسجدیں، پس دوسرے محلّہ والوں کو بھی جائز تھا اور کراہت کا مسئلہ اسی محلّہ والوں کے لئے ہے۔

ہیثمی سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت انسؓ کی نماز فوت ہوگئی تھی پھر مسجد نبی زریق میں جا کر پڑھی حالانکہ فائتہ کے لئے اذان واقامت ہے ہی نہیں۔ میرے نزدیک یہ صواب نہیں ہے بلکہ وقت پر ہی پڑھی تھی۔

کوفہ میں صحابہ کی تعداد

فرمایا:۔ ابو بشر دولابی نے تعداد ایک ہزار پچاس لکھی ہے مگر میرے نزدیک یہ کم لکھی ہے کیونکہ سارے عساکر حضرت عمرؓ کے وہیں رہتے تھے اور وہیں چھاؤنی تھی۔ پس ہزاراں ہزار صحابی اترے ہوں گے اور حضرت عمرؓ نے تعلیم دین کے لئے حضرت ابن مسعودؓ کو وہاں بھیجا تھا۔ پھر انہوں نے ترک رفع یدین کیا تو کسی نے نکیر نہیں کی۔

دعا بعد الاذان میں وسیلہ کیا ہے؟

فرمایا:- جنت میں ایک منزلہ ہے' جو سواء ایک شخص کے اور کسی کو نہ دیا جائے گا اور حدیث میں ہے کہ مجھے امید ہے وہ مجھ کو عطا ہوگا۔ اسی لئے امت کی طرف سے دعا ہوتی ہے اور یہ دعا آپ کی رفعت کا سوال نہیں ہے بلکہ یہ تمثال ہے ان تعلقات و وصلات کی جو امت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور نبی کریم کو خدا سے ہیں۔ پس اس قول سے اپنے وصلہ کو مستحکم کرنا ہے جو قیامت میں ممثل ہوگا۔

یہ بھی حدیث میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منزلہ کے پاس اس کا تنا ہوگا اور طوبیٰ کے پاس سے درمیان سے شروع ہوگا اور اس کی ایک ایک شاخ ہر ایک امتی کے گھر میں ہوگی نیز اس میں ہے کہ اس کا نام وسیلہ ہے۔ پس اپنی ہی شاخ کی خیر منائی جارہی ہے اس دعا سے۔

حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے اس کو پورا نہیں سمجھا حالانکہ ان کے یہاں معانی کے مصور ہونے کا مسئلہ ہی رات دن کا موضوع رہا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرتؒ کی اس تحقیق کی مناسبت سے حضرت شیخ عبدالعزیز دباغؒ کا مشہور ملفوظ گرامی بھی ذہن میں تازہ کر لینا مفید ہوگا جس میں انہوں نے فرمایا کہ اس وقت دنیا میں بھی ہم سب مومنوں کے انوار ایمانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور معظم سے جڑے ہوئے ہیں۔ تو اگر دعاء اذان میں بھی ایسے ہی تعلق روحانی کا بقاء جنت کی زندگی میں مطلوب و مقصود ہو تو عجب نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مقام محمود کیا ہے؟

فرمایا:- حمد مصور ہو کر لواء حمد کی صورت میں ہو جائے گی اور مقام محمود میں وہ محامد القاء ہوں گے جو اس سے پیشتر معلوم نہ ہوں گے (اسی طرح صحاح ستہ میں ہے)

شیخ اکبر بھی اس سے گزرے ہیں اور کہا کہ حمد آخر میں ہوتی ہے اسی لئے حضور علیہ السلام خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن مجید میں بھی ہے۔ **و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين**

کسی ضعیف روایت کا سہارا لے کر جو مقام محمود سے روز قیامت خدا کا عرش پر بیٹھنا اور

اپنے ساتھ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بٹھانا مراد لیا گیا اور علامہ ابن قیم کا اس کو عقیدہ بنالینا اوراس کے انکار پر نکیر کرناوغیرہ بھی یادرکھنا چاہئے۔

دلائل الخیرات کا ذکر

فرمایا:۔ دلائل میں جو ''حتے لایبقی من علمک شیء'' ہےاس کی وجہ سے ابن سعود نے اس کا داخلہ حجاز میں بند کردیا اور کہا کہ یہ شرک وکفر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس قسم کے الفاظ دلائل کے درست ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی روشنی میں ایسے مسائل کا صحیح فیصلہ علماء کرام کو اجماعی طور سے کرنا چاہئے اور علماء سعودیہ کو بھی چاہئے کہ ''طلاق ثلاث'' کی طرح جمہور سلف وخلف کے ہر فیصلہ کو راجح قرار دیں' خواہ وہ علامہ ابن تیمیہ وابن قیم کے خلاف ہی ہو۔

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا سرۃ واحدہ ہیں۔ یعنی چاروں اماموں کے فیصلے لائق قبول ہیں اور مقلدین ائمہ اربعہ وقت ضرورت دوسرے ائمہ کا بھی اتباع کر سکتے ہیں۔ لہٰذا علماء واعیان سعودیہ کا بھی فرض ہے کہ وہ حرمین شریفین وحجاز ونجد میں صرف ان ہی احکامات کو نافذ کریں جو امام احمد یا دوسرے ائمہ وجمہور سلف وخلف کے مختار ہیں اوران کے خلاف جو علامہ ابن تیمیہ وابن قیم کے مختارات یا تشددات ہیں وہ نافذ نہ کریں۔

موتمر عالم اسلامی مکہ معظّمہ کے فیصلے ناقص تھے

مآثر حرمین اور امکنہ مقدسہ ومتبرکہ کے بارے میں بھی جو فیصلے مؤتمر عالم اسلامی میں ہوئے تھے وہ ناقص تھے اس لئے ضرورت ہے کہ ان پر منتخب علماء کی جماعت پھر سے تمام دلائل ومستدلات میں غور وفکر کر کے افراط وتفریط کا خاتمہ کرے۔

ملک فہد دام ظلہ پر اعتماد

ہمیں خادم الحرمین الشریفین ملک فہد پر پورا اعتماد ہے اور ان کے اس اعلان کی بڑی قدر ہے کہ تمام فیصلے جمہور سلف وخلف ہی کے مطابق ہونے چاہئیں۔

امام طحاوی کی منقبت

امام طحاویؒ کی قدر وہ کرسکتا ہے جس کو معلوم ہو کہ پہلے کیا کچھ اعتراضات وغیرہ ہو چکے ہیں۔اسی لئے میں کہتا ہوں کہ حنفیہ کے مذہب پر جس قدر احسانات امام طحاویؒ کے ہیں کسی اور کے نہیں۔اور تقریریں اور تفہیم مسائل خلافیہ کی جس قدر میں نے لکھی ہے وہ کسی نے نہیں لکھیں اور پتے بھی جس قدر امام طحاوی نے دیئے ہیں اور کسی نے نہیں دیئے۔

امام شافعیؒ کی منقبت

فرمایا:۔''امام شافعیؒ جیسا ذکی امت میں نہیں گزرا،پس ان کو بند کرنے کا قصد کرنا بے سود ہے'' ہمارے حضرت شاہ صاحب نہایت منصف مزاج تھے اور کسی مخالف سے مخالف کے اندر بھی کوئی کمال یا خوبی ہوتی تو اس کا اعتراف کھلے دل سے ضرور کرتے تھے۔ہمارے نزدیک یہ ارشاد امام شافعیؒ سے بعد کے حضرات کے لئے فرمایا ہے ورنہ بہ اعتراف امام شافعی ہی ان کے استاذ امام محمدؒ تک بھی وہ ذکی الاذ کیا تھے۔

یہ بھی فرمایا کہ اصحاب صحاح میں سے امام بخاری کے بعد امام نسائی زیادہ ذکی ہیں اور میرے نزدیک ان کی تمام احادیث صحیح ہیں اور تراجم ابواب میں سے ترجمہ ''اقامۃ کل احد نفسہ'' کی اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے (امام نسائی کے عظیم مرتبہ کے پیش نظر) تاویل ضروری ہے کیونکہ اقامت کل احد لنفسہ باطل محض ہے۔

قلوب میں خدا کی وقعت

فرمایا:۔حدیث میں ہے کہ اگر دیکھنا چاہو کہ تمہاری وقعت خدا کے یہاں کتنی ہے تو دیکھ لو کہ تمہارے دل میں خدا کی کس قدر وقعت ہے اور آج کل تو خدا کی اس قدر بھی وقعت نہیں ہے جتنی ایک آشنا کی ہوتی ہے۔

شہید آخرت کون ہیں

فرمایا:۔علامہ سیوطیؒ نے ۴۰ طرح کے نام لکھے ہیں۔پھر ایک صاحب نے دس کا اضافہ

کیا پھر ایک صاحب نے ۱۰ بڑھائے اور میں نے ان کے رسائل سے استفادہ کر کے مرگ مفاجاۃ والوں اور نہایت مولم اور لمبے امراض کے بعد مرنے والوں کو بھی شہداء آخرت میں گنا ہے۔ یہ سب ثواب آخرت کے اعتبار سے شہید ہیں اور فقہاء نے صرف شہداء الدنیا کا ذکر کیا ہے جن کے احکام بھی یہاں الگ ہیں اور وہ احکام شہداء الآخرۃ کے نہیں ہیں۔

صحیح ابن خزیمہ

فرمایا:۔ جرمنی کے کتب خانہ میں تہائی صحیح ابن خزیمہ ہے اور کہیں موجود نہیں ہے دنیا میں اور اس پر حافظ کے دستخط ہیں۔ ان کے ہاتھ میں بھی اس سے زیادہ نہیں تھی۔

ترک جماعت کا عذر

ص ۹۲ بخاری شریف کی مشہور حدیث عتبان بن مالک پر فرمایا کہ خارج میں دوسری حدیث ہے کہ حضرت ابن ام مکتومؓ کو گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت فرمائی اور وہ چلے تو پوچھا کہ اذان کی آواز پہنچتی ہے؟ کہا ہاں فرمایا کہ پھر نہیں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے عزیمت پر عمل کرایا اگرچہ رخصت تو تھی اور میرے نزدیک یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت عتبان بن مالکؓ کا عذر حضرت ابن ام مکتوم سے بھی زیادہ ہو مثلاً وہ مسجد نبوی سے زیادہ دور تھے اور ابن ام مکتوم قریب ہی تھے۔ اس لئے حضرت عتبان کو مطلقاً اجازت دیدی ہوگی۔

مہمہ اور تبرک بالامکنہ

فائدہ: یہ وہی بخاری کی حدیث ہے جس سے جمہور نے تبرک بالامکنہ کے لئے استدلال کیا ہے اور نجدی وسلفی حضرات اس کے سختی سے منکر ہیں اور حضرت علامہ عثمانیؒ نے موتمر مکہ معظمہ میں بھی اس کو پیش کیا تھا تو علماء نجد نے اس کو قبول نہیں کیا تھا اور معارضہ کر دیا تھا قطع شجرہ سے جس کی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ بھی فرماتے تھے کہ قطع شجرہ کو بہانہ بنا کر سارے تبرکات کو نجدیوں نے ڈھا دیا ہے یہ اچھا نہیں کیا۔ اور شب معراج میں حضور علیہ السلام نے بیت لحم (جاء ولادت سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پر براق سے اتر کر دو رکعت پڑھی ہیں، جو نسائی

شریف کی حدیث قوی وصحیح سے ثابت ہے پھر بھی علامہ ابن قیمؒ کا یہ دعویٰ کہ بیت لحم میں اترنے کی کوئی حدیث ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے کیا اس قسم کے غلط دعوؤں سے دین کی صحیح خدمت ممکن ہے؟ پھر بھی علامہ ابن تیمیہ وابن قیم کا تبرک بالامکنہ سے انکار پر غیر معمولی اصرار اگر تھوڑی دیر کے لئے درست بھی مان لیں تو حضرت عمرؓ کی آخری اہم ترین تمنا حضور علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہونے کی جو بخاری شریف سے ہی ثابت ہے اس کا جواب سارے سلفی مل کر بھی تو نہیں دے سکتے۔

ایک طرف حدیث صحیح نسائی شریف وغیرہ کا انکار اور دوسری طرف زاد المعاد میں حق تعالیٰ کے عرش سے اتر کر زمین میں طواف کرنے کی طویل وضعیف ترین حدیث کی تقویت کی سعی بلیغ کیا یہ صورت ان کی محدثانہ شان کے لائق ہوسکتی ہے؟ والامر الی اللہ.

یادرہے کہ حدیث مذکور نہ صرف امام نسائی نے بلکہ بیہقی نے بھی مع تصحیح کے اور طبرانی، بزار وابن ابی حاتم وغیرہ نے بھی روایت کی ہے جن کا ذکر فتح الباری ص۱۵۳/۱ میں بھی ہوا ہے۔

ایک اہم توقع

اس ذیل میں یہ بات خوش آئند ہے کہ فتنۂ ایران کی وجہ سے حکومت سعودیہ نے دوسرے ممالک کے اعیان وعلماء کے وفود کو حج کے موقع پر بلانے کا سلسلہ شروع کیا ہے سارے مصارف سفر کا خود تکفل کر کے ان کا نہایت اعزاز واکرام ہوتا ہے اور عظیم تر ہوٹلوں میں شاہانہ ضیافتوں سے نوازا جاتا ہے۔ پھر تحفوں سے بھی نوازا جاتا ہے۔ جن میں بڑا تحفہ غلاف کعبہ کا ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ اپنے ملکوں میں آ کر حکومت سعودیہ کی مدح وتوصیف شائع کرتے ہیں۔ سیاسی لحاظ سے یہ بات صحیح بھی ہے کہ حرمین شریفین کی انتظامی خدمات کے سلسلے میں حکومت سعودیہ ہر طرح بہتر، معتمد اور قابل مبارکباد ہے۔ اگرچہ اس طرف کچھ توجہ نہیں کہ غریب طبقہ کے لئے حج وزیارت کے مصارف حد سے زیادہ ناقابل برداشت ہوتے جارہے ہیں کرایہ سفر بھی زیادہ اور قیام حرمین کے مصارف بھی المضاعف، لیکن ہمارے خاص نقطہ نظر سے یہ بات خوشی کی زیادہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے جو ایک نظریہ جمہور کے خلاف یہ بھی دیا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور افضل الخلق ہیں مگر یہ

ضروری نہیں کہ ان سے ملحق قبر مبارک کا حصہ بھی دوسرے متبرک ومقدس حصوں سے افضل مانا جائے وہ نظریہ حکومت سعودیہ نے علماواعیان حجاج کوغلاف کعبہ بطور تحفہ وتبرک دینے کا سلسلہ قائم کر کے کالعدم کردیا ہے۔اور ہمارے نزدیک طلاق ثلاث کے بعد اب یہ دوسری کامیابی نظریات جمہور کے موافق سامنے آ گئی ہے۔ خدا اس کونظر بد سے بچائے اور اعیان وعلماء سعودیہ کومزید اختلافی مسائل میں بھی تائید جمہور امت کی توفیق مرحمت فرمائے۔وماذلک علے اللّٰہ بعزیز

امام وخلیفہ کا قریشی ہونا

فرمایا:۔طرابلسی نے امام اعظمؒ سے نقل کیا کہ قریشی ہونا شرط نہیں ہے اور کہیں یہ نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل کی دونمازیں

حضرتؒ نے فرمایا:۔حنفیہ نے اول کونفل اور دوسری کوفرض کہا ہے' حالانکہ راوی ہر دوکو عشاء کہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی عشاء ہی پڑھی ہے لیکن نہ بہ نیت اسقاط فریضہ اور دوسری بہ نیت اسقاط ہے۔امام محمدؒ کی پانچوں کتابوں میں تین جگہ یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر گھر پڑھ کر چلے اور مسجد میں پہنچے اور نماز ہورہی ہوتو اعادہ ضروری ہے ظہر وعشاء میں اور یہی متقدمین سے منقول ہے اور طحاوی نے تصریح کی ہے کہ اگر پہلی بہ نیت عشاء بھی پڑھے لیکن اسقاط کا قصد نہ ہوتو وہ نفل ہوجائیں گے۔اور اسی طرح اگر کوئی دوبارہ سہ بارہ بھی ظہر کی ہی مثلاً نماز پڑھے تو ایک فرض اور باقی نفل ہوں گی۔

حضرت معاذؓ نے پہلی بھی عشاء ہی پڑھی ہوگی۔ بہ لحاظ شرکت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری جو پڑھائی ہے وہ فرض کے اسقاط کے لئے ہے۔

سب سے پہلے صاحب فتح القدیر نے آ کر یہ غلطی کی کہ خلاف متقدمین یہ مسئلہ لکھا کہ گھر سے پڑھ کر جب مسجد میں گیا تو فرض میں شریک ہوا اور یہ نفل ہیں۔

شوافع کے یہاں پانچوں نمازوں کا اعادہ ضروری ہے اور پہلی نفل ہیں خیمہ اور گھر والی۔

تعارض کے وقت ترجیح حدیث کا طریقہ

اصول حدیث کے اس مشہور مسئلہ میں امام اعظمؒ کا طریقہ اول نسخ پھر توفیق پھر توقف

ہے جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک توفیق کا طریقہ نسخ پر مقدم ہے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے (اور ظاہر ہے کہ نسخ کی صورت میں صرف ایک پر عمل ہو سکے گا)

اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کا جواب یہ ہے کہ ہمارے امام کا قول زیادہ حق و صواب ہے کیونکہ نسخ سے مراد وہ نسخ ہے جو بطریقہ نقل ثابت ہو اور جہاں ہمیں نقل صحیح مجبور کرتی ہے کہ ایک حدیث ناسخ اور دوسری منسوخ تو پھر بھی توفیق کی طرف رجوع کرنا ایسا ہے کہ جیسے ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ درحقیقت اسلام یہودیت و نصرانیت کا ناسخ ہے پھر بھی ہم توفیق کے طالب بن کر فروع میں اتحاد تلاش کریں۔

حضرتؒ کے اس ارشاد عالی سے استفادہ کے ساتھ یہ بھی اپنے حافظہ میں تازہ کرلیں کہ یہ بات امام اعظمؒ کے لئے تسلیم شدہ ہو چکی ہے کہ وہ ناسخ و منسوخ احادیث کے سب سے بڑے عالم و عارف تھے تو ایسے شخص کو تو اور بھی زیادہ حق تھا کہ وہ نسخ کو توفیق پر مقدم کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نجوم کا استقلال و حرکت

فرمایا:۔ نجوم خود مستقل بالذات ہیں اور حرکت میں ہیں۔ بطلیموس کے نزدیک یہ تھا کہ وہ فلک میں مرکوز ہیں اور سماء کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اب مشاہدہ بھی شریعت کے موافق ہے۔

شمس و قمر جہنم میں

فرمایا:۔ شمس و قمر علاقہ جہنم میں رہیں گے کیونکہ یہ سب علاقہ جہنم کا ہے۔ جس چیز کو یہاں سے نہ لے جائیں گے وہ جہنم ہی میں رہے گی۔

روح کب پیدا ہوئی؟

فلاسفہ اور علماء اسلام میں اختلاف ہے کہ روح پہلے سے ہے یا اجسام کے ساتھ پیدا ہوئی؟ شیخ ابو عمر نے فرمایا کہ پہلے سے ہے اور ابن قیم کے نزدیک ساتھ پیدا ہوئی ہے غرض ہر دو قول اہل سنت کے ہیں۔ تفصیل کتاب الروح لابن القیم میں ہے۔

فرق روح و نسمہ

فرمایا:۔ حدیث میں ہے کہ خدا نے نسمہ کو پیدا کیا۔ (بخاری ص ۴۲۷) نسمہ کا ترجمہ

جان اچھا ہے ابن سینا کی فارسی اچھی تھی۔ تعریفات اشیاء میں کہا کہ نفس کو جان اور روح کو رواں کہتے ہیں اور روح کی حقیقت منقح نہیں ہوسکی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کثرت سے اپنی تصانیف میں نسمہ پر گزرے ہیں لیکن انہوں نے جولکھا ہے وہ حقیقت نہیں ہے یعنی روح ہوائی جو طب میں مانی جاتی ہے شرائین میں سرایت شدہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ روح کا حال مستقر ہے کہ اس کے اطوار اور حلیے نہیں بدلتے اور یہی روح لباس پہنتی ہے نسمہ کا یعنی روح جب عالم مثال کا لباس پہن کر کھانے پینے کے قابل ہو جائے تو وہی نسمہ کہلاتی ہے۔ پس اگر افعال مادہ محض آ گئے تو روح کا نام بدلا اور قبض و بسط و علم وغیرہ روحانی افعال میں ہوتے ہوئے روح ہی کہلائے گی۔

پس نسمیت کوئی حال ہے روح کا۔ موطا امام مالکؒ میں اکل و شرب کی نسبت بھی روح کی طرف نہیں ہے بلکہ نسمہ کی طرف ہے۔

افعال برزخ

فرمایا:۔ نماز، حج، تلاوت قرآن، کھانا پینا، رضاعت، پانچوں چیزیں برزخ میں روح کے لئے ثابت ہیں اور کھانے پینے کے سلسلہ میں بجائے روح کے نسمہ کہہ دو۔ معلوم ہوا کہ تربیت بھی بچوں کی ہوسکتی ہے اور وہاں روح دودھ پئے گی۔

قدم عالم کا رد

فرمایا:۔ کان اللہ و لم یکن شیء غیرہ، دوسرے ولم یکن قبلہ بھی آیا ہے۔ مگر قدم عالم کے رد میں غیرہ مفید ہے نہ قبلہ اور معلوم رہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی قدم عالم کے قائل ہیں۔ تفہیمات الٰہیہ میں بھی سخت مضر چیزیں ہیں۔ اس قسم کی۔ البتہ شاہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ اور الطاف القدس مفید کتابیں ہیں۔

تفہیمات میں بے موقع چیزیں بھی ہیں۔ میں نے عقیدۃ الاسلام میں ازالۃ الخفا میں سے معارضہ پیش کر دیا ہے۔ حدیث و قرآن اور دین سماوی کی یہی تعلیم ہے کہ سب چیزیں کتم عدم سے نکلی ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے زمانہ کے قدم کی ''خیر کثیر'' میں اور پہلے رسالہ میں مادہ کی تصریح کر دی ہے تاہم شیخ مجدد شاہ ولی اللہ شیخ عبدالقادر و شیخ اکبر سب ہی فلسفہ کے حاذق گزرے ہیں۔

فیض الباری ص ۱/۴۸ میں بھی یہ مضمون اجمالاً ذکر ہوا ہے۔ غالباً حضرت شاہ ولی اللہؒ کا اس طرف رجحان علامہ ابن تیمیہ کے اتباع میں اور ان پر ضرورت سے زائد اعتماد کی وجہ سے ہوا ہے۔ مزید بحث و تفصیل فتح الباری ص ۱۸۱/ ۶ اور ص ۳۱۹/ ۱۳ میں دیکھی جائے جس میں علامہ ابن تیمیہ کے اختیار کردہ نظریہ ''حوادث لا اول لہا'' کا بھی رد وافر کیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ تمام اکابر امت محمدیہ نے قدم عالم کے رد اور حدوث عالم کے اثبات میں نہایت مضبوط و مستحکم دلائل قائم کئے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی کی بھی مداہنت گوارا نہیں کی ہے۔ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و محظوظات ص ۴۱ میں اسی طرح ہے فرمایا سنا ہے کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ نے عرفی کے اس شعر پر تکفیر کی ہے۔

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل   سلمائے حدوث تو دلیلائے قدم را

گو قدم بالزمان ہی مراد ہے جو حدوث بالذات کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ مگر ایسے قدم کا قائل ہونا بھی شرک ہے پھر فرمایا کہ البتہ اس شعر میں یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ عرفیؒ نے اولیت کو قدم سے تعبیر کیا ہو اور حضور علیہ السلام کے لئے اس کا حکم صحیح بھی ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ اول ماخلق اللہ نوری خدا نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا)

سلفی حضرات غور کریں کہ سفر زیارت نبویہ اور تقدس و تبرک امکنہ وغیرہ امور پر تو سخت نکیر لیکن قدم عرش حوادث لا اول لہا' خدا کی عرش نشینی اور خدا کے طواف فی الارض وغیرہ عقائد کسی طرح بھی صحیح قرار پا سکتے ہیں؟

زندقہ کیا ہے؟

فرمایا:۔ زندیق کا لفظ بخاری میں موجود ہے۔ ص ۱۰۲۳ پارہ ۲۸) کتاب استتابۃ المرتدین) اکفار الملحدین میں اس کی تشریح کر دی ہے کہ الفاظ شرعی کو باقی رکھ کر معانی و مطالب کو بدل دے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آ گیا ہے لہٰذا ابوالکلام آزاد کا یہ کہنا صحیح

نہیں کہ زندیق کا لفظ بعد کی اختراع ہے۔

نماز کا سلام

مشہور عند الحنفیہ یہ ہے کہ دونوں سلام واجب ہیں۔ اور فتح القدیر میں پہلا واجب اور دوسرا سنت ہے اور یہی میرا مختار ہے۔ میرے پاس نسائی میں ابواب جمع بین الصلاتین اور ابوداؤد میں باب الوتر میں صحیح دو حدیثیں ہیں جن سے میں نے اس کو ترجیح دی۔

نداء غائب

حضرتؒ نے درس بخاری شریف ص ۵۹۴ میں حضرت عائشہؓ کے حضرت حسانؓ والے ذکر کردہ شعر "فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء" پر ارشاد فرمایا:۔ اس سے پہلے یہ شعر ہیں "رسول اللّٰہ ضاق بناء الفضاء. و جل الخطب وانقطع الاخاء" وغیرہ اور یہ اشعار حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد کے ہیں۔ کسی طالب علم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کہنا جائز ہے؟ حضرتؒ نے جواب دیا کہ جائز ہے کہا کیوں؟ فرمایا کہ السلام علیک ایھا النبی بھی تو کہتے ہو۔ تیرہ سو برس سے ہو رہا ہے جاہلوں کو یہ بھی علم نہیں کہ نداء کا مقصد کیا ہے؟ عالم غیب کی چیز کے لئے نداء سمجھتے ہی نہیں۔ پھر اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور کسی دوسرے ملفوظ مبارک میں بھی ہم نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق ذکر کی ہے یعنی یہ خطاب معہود ذہنی کے لئے ہوتا ہے۔

تحریک اصلاح دار العلوم دیوبند

فرمایا:۔ مولوی مشیت اللہ صاحب بجنوری نے تقریباً ۳۵ سال ہوئے مجھ سے تصریح شرح چغمینی و مطول وغیرہ دہلی کے زمانہ میں پڑھی ہیں۔ ہندوستان میں ان سے زیادہ میرا کوئی مخلص نہیں ہے۔ بھوپال کے رسالہ کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس کو مہتمم دار العلوم نے میرے پاس رجسٹری سے بھیجا تھا (جس میں نہایت نازیبا باتیں درج تھیں) مولوی مشیت اللہ صاحب نے کہا کہ آپ کو کیا پیش آیا کہ اس تحریک میں شرکت کی؟ میں نے کہا کہ بڑا فضل ہے خدا کا کہ ہمارے نفس کی اصلاح ہوگئی۔ پہلے تو صرف تعریفیں ہی سنتے تھے پھر گالیاں بھی سنیں۔

اس ضمن میں حضرتؒ نے بڑے مہتمم صاحب (مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ) کا یہ بھی قول ذکر کیا کہ شاہ صاحب کا درس نئ قسم کا ہے سارے گھنٹے تقریر کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کی نظیر اس وقت نہیں ہے۔

زمانہ قیام ودرس دارالعلوم کے خاص حالات

پھر فرمایا:۔ میں نے ۱۸ سال (قیام ودرس دارالعلوم) کے بعد کہا "عطاء شما بہ لقاء شما"

جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ دنیا دارالعجائب ہے اس لئے یہاں کی کسی عجیب سے عجیب تر بات پر بس نہیں ہوسکتی وہ سب وشتم والا رسالہ اس حقیر نے بھی دیکھا ہے اور اس کی عظیم تر تلخی کام ودہن سے اتنی عظیم مدت میں بھی دور نہ ہوسکی۔ اس امت مرحومہ کے اکابر پر جو بڑی بڑی آزمائشیں گزری ہیں یہ بھی ان میں ضرور داخل ہونے کے لائق ہے اور چھوٹے مہتمم صاحب بھی بڑوں کی طرح ہمیشہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بڑے مداحین میں رہے۔ مگر حضرتؒ کی علیحدگی پر یہاں تک کہہ دیا کہ "شاہ صاحب کو دارالعلوم کی ضرورت ہے دارالعلوم کو شاہ صاحب کی ضرورت نہیں" جس پر احقر نے عرض کیا تھا کہ شاید دنیا کے کسی بڑے نے اس سے زیادہ غلط اور لغو بات نہیں کہی ہوگی۔ واللہ ولی الامور.

فقہاء کی فروگذاشتیں

فرمایا:۔ فقہاء متون میں بہت سی جگہ نماز وغیرہ کے لئے جائز اور صح کا لفظ لکھ دیتے ہیں۔ اور شروح میں اس کے ساتھ بہ کراہت تحریمہ کا اضافہ ہوتا ہے جبکہ کراہت تحریمہ کے ساتھ نماز وغیرہ کی صحت اور جواز کا قول مطلقاً صحیح نہیں ہے اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہ نے بہت جگہ اعتراض کئے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو وہ فعل جو کراہت تحریمہ کے ساتھ ہو وہ کسی درجہ میں بھی صحیح نہیں ہوتا۔ حالانکہ ان کا یہ اطلاق بھی زیادتی ہے جس کی مثالیں بہت ہیں۔

یہ بھی واقعہ بہت مشہور کیا گیا کہ سلطان محمود غزنوی کے سامنے حنفی نماز پڑھی گئی جو بغیر تعدیل ارکان تھی اور مذموم طور سے نماز سے خروج بھی ہوا۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک بھی بغیر تعدیل ارکان کے نماز واجب الاعادہ ہے تو وہ نماز ہی کیا ہوتی پھر فرمایا کہ صرف طبقات

حنفیہ میں صحت واقعات کا التزام زیادہ ہے کیونکہ وہ محدثین کی تحقیق پر لکھے گئے ہیں باقی طبقات شافعیہ وغیرہ میں یہ اہتمام نہیں ہے۔ اور محمود غزنوی تو خود بھی بڑا فقیہ و عالم حنفی تھا اس لئے بھی یہ واقعی لائق اعتماد نہیں ہے۔

(یاد آیا کہ علامہ کوثریؒ نے بھی تقریباً ایسا ہی نقد اس واقعہ پر کیا ہے۔ جامع)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایسے ہی فقہاء نے صرف قضا کے مسائل لکھے ہیں اور دیانت کے مسائل سے صرف نظر کر لی ہے۔ یہ بھی بڑی کوتاہی ہوئی ہے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ فقہاء نے صرف دیار اسلام کے مسائل لکھے ہیں اور دیار کفر کے نہیں لکھے۔ اس لئے اب ہمیں پریشانی ہوتی ہے۔ شاید وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو دیار کفر میں رہنا ہی نہ پڑے گا۔

یہ بھی فرمایا کہ اب ضرورت ہے کہ دیار کفر کے لئے بھی جو اسلامی احکام الگ ہیں وہ بھی مدون کر دیئے جائیں کیونکہ اسلامی احکام میں بڑا توسع ہے اس میں جہاں دیار اسلام کے لئے احکام ہیں دیار کفر کے لئے بھی ہیں۔ خاص طور سے فقہ حنفی میں یہ توسع بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے انگریز کہتے تھے کہ اسلام میں صرف فقہ حنفی ایسا وسیع فقہ ہے جس کی روشنی میں ساری دنیا میں نہایت سہولت سے حکومت کی جا سکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے خاندانی حالات

۲ دسمبر ۳۲ء مجلس بعد ظہر میں فرمایا:۔ میرے حقیقی تائے نے چار ہزار ختم کلام اللہ کئے تھے۔ اور والد صاحب صبح ہی سے مسجد میں رہتے ہیں اور کھانے کے وقت گھر آتے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ تلاوت فرماتے رہتے ہیں؟ فرمایا کہ جی ہاں، تلاوت فرماتے رہتے ہیں اور مجھ سے ان کی نگاہ قوی ہے۔ روتے بہت زیادہ ہیں تائے صاحب اس قدر نہ روتے تھے۔ پھر فرمایا کہ حرف شناسی (یعنی علم ظاہری) تو ہم میں زیادہ آئی ہے اور دین نہ آیا۔ اور دین تائے صاحب کے سلسلہ میں گیا۔ صرف حرف شناسی کم رہی۔ تائے صاحب کا بیٹا اپنے والد سے بھی زیادہ عابد تھا اور پوتا اب بھی صاحب کرامات کہا جاتا ہے۔ جس مریض کو آرام نہیں ہوتا تو اس کو بلاتے ہیں اور آرام ہو جاتا ہے۔

سنت ولیمہ

۱۰ دسمبر ۳۲ء قبل عصر احقر نے دریافت کیا کہ کیا ولیمہ تیسرے دن مسنون ہے؟ فرمایا کہ جی ہاں میں نے کہا کہ آج نکاح ہو تو پرسوں ولیمہ ہو؟ فرمایا ہاں۔ پھر فرمایا کہ امام بخاریؒ نے بہت توسیع کی ہے وہ سات دن بھی کہتے ہیں مسلسل۔ میں نے کہا کہ برابر سات دن تک کھلاتا رہے یہ تو نہیں کہ ساتویں روز کھلائے؟ فرمایا کہ جی ہاں۔

تکفیر کا اصول

بخاری ص۱۰۲۲ (کتاب استتابۃ المرتدین) کے تحت فرمایا:۔ بعض جاہل مولوی فقہ کی عبارت سے کہ ''۹۹ کفر کی ہوں اور ایک اسلام کی تو تکفیر نہ کرینگے''۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی میں ۹۹ کفر ہوں اور ایک اسلام کی چیز' تو تکفیر نہ کرو' حالانکہ اس کا حکم یہاں موجود ہے کہ وہ ایک وجہ ہی کفر کی ہو تو کافر ہی ہے اگرچہ ۹۹ وجہ اسلام کی بھی موجود ہوں اور مطلب عبارت فقہ کا یہ ہے کہ کوئی کلمہ کسی ایک کا نقل ہوتا ہوا پہنچا جس میں ۹۹ وجہیں اور احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا بھی ہو تو تکفیر کا حق نہیں ہے۔

پس وہاں ایک کلمہ ہے نہ کہ خود کفر ہوں ۹۹۔ اس لئے کہ کفر کی تو ایک ہی چیز ہزار اسلام کی چیزوں پر غالب ہوگی۔

میں نے بہاولپور میں کہا کہ اگر کوئی شخص بیس سال تک عبادت کرے پھر صرف ایک سجدہ کرے بت کو اور مر جائے تو اس کو کافر کہو گے یا مسلمان؟ ایسی واضح چیزوں میں سمجھ کھو بیٹھے ہیں جاہل مولوی۔

ایک بڑے عالم مجھ سے کہنے لگے کہ تاویل کے ساتھ کلمۂ کفر کہے تو کافر نہیں ہوتا''۔ میں نے کہا کہ کس کتاب میں ہے؟ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ میں سمجھا تھا کہ کسی کتاب کا حوالہ دیں گے تو جواب دوں گا۔

پھر میں نے کہا کہ خیالی درس کی کتاب ہے۔ اس کے آخری صفحہ پر ہے کہ تاویل ضروریات دین میں غیر معتبر ہے اور ماؤل بھی کافر ہے۔ (پوری تفصیل اکفار الملحدین میں کردی ہے)

اشعری کی تنزیہ اور ابن تیمیہ کی تشبیہ

فرمایا:۔ اشعری جس قدر تنزیہ کرتا ہے وہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا "ان بورک من فی النار" اس لئے کہ کسی کو اشتباہ ہی نہیں ہوسکتا اور مغالطہ کی شجرہ کو یا آگ ہی کو خدا سمجھ لے اور سمجھ لے گا کہ کوئی امر الٰہی ہے اور غیبی ہے۔ اشعری اس کو بھی تنزیہ کے خلاف کہے گا۔ اور وہ اسنادات نحویہ سے بھی خالی کرتا ہے۔ پس میں تنزیہ عقلی کو جو اشعری کرتا ہے اس کو رد نہیں کرتا بلکہ اسنادات جو آ گئی ہیں ان کو درست سمجھتا ہوں اگر مغالطے میں نہ ڈالیں۔

ابن تیمیہ وغیرہ مشبہ کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ انہوں نے ان اسنادوں کو حقیقت سے جاملایا ہے۔

ہم نے ذات باری کو "لیس کمثلہ شیء" بھی رکھا اور اسنادات کو بھی درست رکھا' ابن تیمیہ نے "کنزولی ہذا" سے تشریح کر کے بدعت قائم کردی ہے۔ اور ہم "بنی الامیر المدینۃ" کو اہل سنت وعرف مستحسن خیال کرتے ہیں اور "افترش الامیر" کو غیر مستحسن اسی طرح ہم بھی کرتے ہیں۔

برزخی زندگی میں ارواح مومنین کا تمتع باللذات

فرمایا:۔ امام ترمذیؒ نے تو بحالت برزخی صرف ارواح شہداء کے لئے روایت ذکر کی ہے کہ وہ جنت کی لذات حسیہ سے متمتع ہوں گے اور امام احمدؒ سے مسند میں نسمۃ المومن اور ارواح شہداء دونوں کے لئے روایات لی ہیں۔ لیکن موطا امام مالک (جامع الجنائز) میں نسمۃ المومن کی حدیث ہے جس کے موافق نسائی وابن ماجہ کی بھی روایات ہیں۔

لہٰذا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مومنین کو بھی رزق جنت ملتا ہے۔

بدن مثالی کیا ہے

یہ بھی فرمایا کہ نسمۃ المومن طیر میں پرندہ سے تشبیہ ہے اور یعلق کے معنی ہیں چگنا۔ اس میں تصریح ہے کہ بدن مثالی ہے اور یہی بدن مثالی کچھ کھا پی بھی رہا ہے۔ نعیم جنت سے۔

حیات شہداء

احیاء فی قبور ہم پر شبہ ہوتا ہے کہ جب ان کا بدن مثالی موجود ہے تو وہ تو بدن عادی ہی کی

طرح ہے۔ پھر کیا ندرت ہوئی کہ وہ نماز پڑھتے ہیں جواب یہ ہے کہ بعض وہ کام بھی جو دنیا میں کرتے تھے وہاں کر سکیں گے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ حضرتؒ کی تائید حافظ ابن کثیرؒ کی رائے سے بھی ہوتی ہے۔ جنہوں نے جمع روایات کا طریقہ پسند کر کے لکھا کہ برزخی زندگی میں مومنین کی ارواح تو خود پرندوں کی شکل میں ہو کر جنت کی سیر کریں گی اور وہاں کے پھل بھی کھائیں گی اور شہداء کی ارواح حواصل طیور میں سوار ہو کر جنت کی سیر اور پھلوں سے متمتع ہوں گی۔ (کذافی الزرقانی)

پوری بحث اور اکابر امت کی آراء اوجز المسالک ص ۵۱۳/۲ الخ میں قابل مطالعہ ہے جس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حقیقت انسان اور اس کے ساتھ تعلق روح کی بحث تو بہت ہی زیادہ طویل ہے۔ جس میں تقریباً ایک ہزار اقوال علماء کے ہیں۔)

جنت میں رضاعت بھی ہے

فرمایا:۔ حدیث بخاری (ص ۴۶۱) میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی دی گئی ہے۔ اس سے بھی روح و نسمہ کے لئے برزخی زندگی میں افعال کا ثبوت ہوتا ہے۔ اسی لئے نماز' حج' تلاوت قرآن' کھانا' پینا اور رضاعت پانچوں چیزیں برزخ کے لئے ثابت ہیں۔ اور کھانے پینے کے سلسلہ میں بجائے روح کے نسمہ کہو دو معلوم ہوا کہ تربیت بھی بچوں کی ہوسکتی ہے برزخ میں اور وہاں پر روح دودھ پیے گی (حدیث میں سیدنا ابراہیم کے لئے جنت سے مراد برزخی ہے انما القبر روضه من رياض الجنة (ترمذی)

علاقہ جنت و جہنم موجود ہے

فرمایا:۔ دونوں کا علاقہ پہلے سے موجود ہے اور درجات بھی اور ہر دو کی تخطیط بھی اور اب اضافہ ہوتا رہتا ہے علماء ظاہر جو عرفا کی چیزوں سے بالکل واقف نہیں ہیں یہی کہیں گے کہ یہ قول معتزلہ کا ہے حالانکہ حقیقت یہی ہے۔

جنت میں دو دو بیویاں

حدیث میں ہے کہ اکثر عورتیں دوزخ میں جائیں گی۔ اس پر فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ اس کا انکار کرتے تھے کیونکہ ایک جنتی کو دو بیویاں ملیں گی ابن آدم میں سے۔
میں کہتا ہوں کہ یہ تو صحیح ہے کہ دو دو ملیں گی لیکن بنات آدم کی قید زیر بحث ہے کیونکہ بعض احادیث میں یہ قید نہیں ہے اور بخاری (ص ۴۶۱) میں لکل امرأزوجتان من الحور العین بھی وارد ہے وہاں حورعین کی قید لگی ہوئی ہے پھر ان کا استدلال کیوں کر ہوگا؟
دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا ایسا ہی ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ذکر صدر شیرازی

فرمایا:۔ باوجود تغایر مذہب کے کہ وہ شیعی ہیں اور میں سنی ہوں ان کے محقق ہونے کا اقرار کرتا ہوں بلکہ بعض اعتبار سے حضرت شاہ ولی اللہ سے بڑھا تا ہوں انہوں نے کہا کہ عالم آخرت میں جہنمیوں پر مادیت اور جنتیوں پر روحانیت غالب ہوجائے گی میرے نزدیک یہ بالکل صحیح کہا ہے۔

دنیا میں جنت کے نمونے زیادہ ہیں

فرمایا:۔ میری تحقیق یہ ہے کہ دنیا میں جنت کے مثالیں زیادہ ہوتی ہیں بہ نسبت دوزخ کے کہ اس کے نمونے کم ہیں۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام اکثر احوال جنت پر ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا پسینہ خوشبودار تھا۔ لوگ معلوم کر لیتے تھے کہ اس گلی سے گزرے ہیں اور ان کے غائط کو زمین نگل لیتی تھی اور اولیاء کے حالات بھی ایسے ہوتے ہیں۔
(جامع عرض کرتا ہے کہ دنیا میں انواع واقسام کے پھل اور جسمانی لذات وراحتیں بھی نمونے ہیں دنیا میں جنت کے۔ حتیٰ کہ نیند بھی بڑی راحت ونعمت عظیمہ ہے۔ جو آخرت میں کفار ومشرکین کو میسر نہ ہوگی اور جنت میں مومن جو چاہیں گے وہ سب حاصل ہوگا۔

جنتی ملوک ہوں گے

فرمایا:۔ مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جنتی بادشاہ ہوں گے۔ پس وسعت جنت بھی اسی وجہ سے ہوگی کہ دنیوی بادشاہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور ہر مومن کے لئے دس گنا دنیا کا ملے گا۔ وغیرہ۔

جنوں کو بھی ثواب وعقاب ہوگا

فرمایا:۔ بعض کتب حنفیہ میں ہے کہ جنوں کو ثواب وعقاب نہ ہوگا اور اس سلسلہ میں امام

اعظم اور امام مالک کا مکالمہ ومناظرہ بھی نقل ہوا ہے' میرے نزدیک امام ابوحنیفہ کی مراد یہ ہو گی کہ وہ جنت میں تابع رہیں گے جیسے دنیا میں بھی بچی کھچی چیزیں کھاتے ہیں اور متن آبادی میں ہم رہتے ہیں اور جبال ووہاد میں وہ بسر کرتے ہیں' وہی حال ان کا جنت میں بھی ہوگا اور امام صاحب کی یہی مراد ہوگی۔ جس کی نفی محض بنادیا گیا۔

مکھی کا ڈبونا اور رشید رضا مصری وغیرہ

فرمایا:۔ بخاری (ص ۴۶۷) وغیرہ میں حدیث ہے کہ مکھی کسی چیز میں گرے تو اس کو ڈبو دو تا کہ اس کی سمیت جاتی رہے کیونکہ اس کے ایک پر میں زہر اور دوسرے میں تریاق ہے اور وہ پہلے زہر والا پر ڈالتی ہے۔

علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان میں لکھا کہ مکھی بائیں پر کو ڈبوتی ہے (اپنا تجربہ نقل کیا ہے) میرے نزدیک گرم میں نہ ڈبوئے مسئلہ یہی ہے اگرچہ عمل نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ اگر نجاست پر سے اٹھ کر آئی ہو تو اس وقت بھی یہ حکم نہ ہوگا۔

پھر فرمایا کہ علامہ رشید رضا مصری نے اس کا مضحکہ اڑایا ہے اور نہایت سخت اور لغو کلام کیا ہے ان کی عادت ہے کہ جب مقلدوں کے مقابلے میں آتے ہیں تو حدیث پیش کرتے ہیں اور جب حدیث آتی ہے تو تجربہ وعقل کو پیش کرتے ہیں اور جدت پسند لوگوں کی داد دیتے ہیں۔ مثلاً ابن قیم وابن تیمیہ وابن حزم کی۔ مگر یہاں ابن قیم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اطاعت کی ہے۔

آج کل کا حال ایسا ہے کہ قرآن سے کام نہ چلے تو حدیث پر اور حدیث سے قرآن پر جاتے ہیں اور پھر وہاں بھی کام نہ چلے تو عقل پر جاتے ہیں۔

اس کے بعد فرید وجدی کا ذکر کر کے فرمایا کہ وہ تو ۳۰٬۳۰ حدیثیں لا کر سب کو رد کر جاتا ہے ابن خلدون مورخ نے امام مہدی کے آنے کی تمام روایات کا مستقل فصل میں انکار کر دیا جس سے سرسید نے بھی مہدی کا انکار کیا۔ پھر مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت مہدی کو ایک کر دیا۔

توسل قولی کا ثبوت

فرمایا:۔ استسقیٰ بالعباس (بخاری ص ۵۲۶) میں ہے جس سے توسل فعلی ثابت ہوا اور توسل قولی کا

ثبوت ایک نابینا صحابی کے واقعہ سے ملتا ہے کہ انہوں نے اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ فی حاجتی ھذہ اللھم شفعہ فی بجاھہ عندک تو وہ توسل قولی بھی ہے۔

بخاری میں روایت نعیم سے

بخاری ص ۵۴۳ کے حوالہ سے فرمایا کہ یہاں بھی روایت مسانید میں موجود ہے لہٰذا تقریب وتہذیب وغیرہ کا قول درست نہیں کہ نعیم سے روایت امام بخاری نے اصول یعنی مسانید میں نہیں لی اور صرف تعلیقات میں لی ہے۔ دوسرے یہ کہ جھوٹے آدمی سے تعلیقات ہی میں روایت کون سی اچھی ہے پھر فرمایا کہ میں نے اور بھی متعدد جگہ نکالی ہیں جہاں مسانید میں روایت لی ہے اور امام بخاریؒ عقائد میں ان ہی کے متبع تھے۔

کافر کے لئے تخفیف عذاب

فرمایا:۔ یہ تو قطعی ہے کہ اعمال کافر معتبر ہیں سواء عبادات کے۔ باقی نجات نہ ہوگی یعنی طاعات وقربات کافر کی بھی معتبر ہیں اور عبادات غیر معتبر۔ آیت "فلانقیم لھم یوم القیامۃ وزنا" خود دلیل ہے کہ وزن تو نہ ہوگا وہ تو ایمان ہی کے ساتھ ہوگا اور اسی کی برکت سے۔ باقی کفر مع المعاصی سے ضرور کفر مع البر خفیف ہوگا اور عذاب کی تخفیف کرائے گا۔

دوسرے وقت حضرتؒ نے فرمایا کہ کفار کی طاعات وقربات تو معتبر ہیں لیکن عبادات غیر معتبر ہیں۔ اور اول کا اجر عیش دنیا اور تخفیف درکات نار وعذاب جہنم ہے۔

پھر احقر کے سوال پر فرق بتلایا کہ عبادات میں نیت ضروری ہے جس کی صحت ایمان و عقیدہ کی صحت پر موقوف ہے اور قربات میں معرفت متقرب الیہ ضروری ہے طاعات میں یہ دونوں چیزیں ضروری نہیں ہیں۔ صرف مطاع کی اطاعت چاہئے خواہ بغیر نیت ومعرفت ہو کافی ہے۔ جیسے صدق وصفا، صدقہ احسان، صلہ رحم وغیرہ لہٰذا عبادت خاص ہیں ان کے بعد قربات کا درجہ ہے کہ وہ ان سے عام ہیں اور طاعات سب سے عام ہیں۔

حضور علیہ السلام کا سایہ

فرمایا:۔ اس بارے میں کہ حضور علیہ السلام کا سایہ نہیں تھا کوئی حدیث میری نظر

گزری اور اسی طرح یہ بھی ہے کہ آپ کا نقش قدم زمین پر ا کھڑ آ تا تھا۔

معروف و منکر کیا ہیں

فرمایا ان دونوں پر شرع نے بیشتر امور کو دائر کیا ہے۔ **تسھیلا للناس و تیسیرا لھم** (یعنی لوگوں کی سہولت وآسانیوں کے لئے) کیونکہ معروف کے معنی یہ ہیں کہ جو بھلے آدمیوں کے نزدیک جانا پہچانا اور معمول بہا ہو اور منکر یہ کہ بھلے آدمیوں کے نزدیک بھلا اور متعارف یا لائق عمل نہ ہو۔

فقہ سب سے زیادہ مشکل فن ہے۔

فرمایا:۔ علوم اسلامیہ میں سے فقہ سب سے زیادہ مشکل ہے اور میں ہر علم میں اپنی رائے رکھتا ہوں سواء فقہ کے کہ اس کے اجتہادی مسائل میں تفقہ کرنا میری استطاعت وقدرت سے باہر ہے شاہ عبدالعزیز صاحب اور علامہ شامی معاصر ہیں لیکن تفقہ میں شاہ صاحب بڑھے ہوئے ہیں اور جزئیات پر حاوی شامی زیادہ ہیں اور نقل کا سامان بھی ان کے پاس زیادہ ہے۔

مسائل وقف میں موافقت بخاریؒ

فرمایا:۔ امام بخاریؒ نے اکثر مسائل وقف میں حنفیہ کی موافقت کی ہے کیونکہ محمد بن المثنیٰ انصاریؒ امام بخاری کے استاذ ہیں جو امام زفر حنفیؒ کے تلمیذ رشید ہیں۔ آخر عمر تک ان کی خدمت میں رہے ہیں انہوں نے مسائل وقف میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، اور امام بخاری نے اسی سے یہ مسائل لئے ہیں یہ انصاری اسی لئے کہلائے گئے کہ حضرت انس بن مالکؓ کی چھٹی پشت میں ہیں۔

پھر فرمایا کہ یہ محمد بن عبداللہ انصاریؒ وقف نقد کو بھی جائز فرماتے ہیں کہ اصل رقم زکوٰۃ کو روک کر اس کی منفعت کو خرچ کیا جائے چنانچہ وہ خود بھی اس روپے سے تجارت کرتے تھے اور اس کے منافع کو صرف خیر کرتے تھے۔

فرمایا قسطنطنیہ میں اس پر عمل بھی ہوا ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے کہ خلیفہ عبدالحمید خان کے زمانہ میں یہ وقف نقد جاری تھا اور تین کروڑ روپیہ منافع کا حرمین کو سالانہ جایا کرتا تھا پھر یہ روشن خیال ترک پیدا ہوئے۔ (جنہوں نے دین کی ہی مخالفت کی)

وقف نقد صحیح ہے

فرمایا میں بھی ان جلیل القدر انصاریؒ کی علمی عظمت شان کی وجہ سے جواز وقف نقد کو مانتا ہوں دوسرے اس پر اعتماد کریں یا نہ کریں۔ (فیض الباری ص ۴۱۲/۳ میں بھی یہ تحقیق درج ہوئی ہے مگر پوری بات نہیں ہے)

وصیت مستحب ہے محروم الارث کیلئے

فرمایا:۔ ارث کی وجہ سے وصیت مضمحل ہوگئی ہے۔ منسوخ محض نہیں ہوگئی۔ لہٰذا جس کو وراثۃ کچھ نہ مل سکے اس کے لئے وصیت کر دینا مستحب ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ محتاج بھی ہو۔

قاعدہ بابۃ شہادت

فرمایا:۔ سواءِ نکاح کے کوئی شرعی معاملہ شہادت پر موقوف نہیں ہے۔

آج کل وقف سے بہتر صدقہ ہے

فرمایا:۔ شریعت نے وقف بڑی ہی مفید چیز رکھی تھی لیکن اب اس قدر بود ہوگئی ہے کہ میرے نزدیک صدقہ ہی کر دے تو وہ بہتر ہے۔ دیوبند میں ایک شخص نے پوچھا کہ بخاری شریف کو وقف مدرسہ کر دوں یا کسی طالب علم کو دیدوں؟ میں نے کہا کہ طالب علم کو دے دو۔

شہادت باللہ یا بالطلاق

فرمایا:۔ شہادت میں پیش ہونا تو ضروری ہے مگر صرف اشہد سے شہادت دینا کافی ہے اور حلف طلاق کے لئے تو مجبور کیا ہی نہیں جا سکتا۔ البتہ حلف باللہ کے لئے کہا جائے گا مگر مجبوراً اس پر بھی حاکم نہیں کر سکتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ کا ذکر

فرمایا:۔ مولانا موصوفؒ نے حواشی و شروح احادیث لکھی ہیں لیکن سب میں ناقل ہی ہیں۔ پچھلی تاویلیں ہی نقل کر دیتے ہیں۔ باقی شفاء جس کو کہنا چاہئے کہ مسائل میں امام صاحبؒ کے مذہب کو دوسرے مذاہب کے برابر بڑھایا جائے انصاف سے یہ بالکل نابود ہے۔

فائدہ: جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ اس ارشادِ انوری سے معلوم ہوا کہ حضرتؒ صرف نقول وتاویلات پر اکتفا کو اہم نہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے خود بھی تقریباً ۳۰ سال تک احادیث ورجال کا مطالعہ فرما کر حنفی مذہب کی ترجیح وتقویت کا اتنا سامان اور مواد فراہم کر دیا کہ آپ سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی اور ایسا ہی حال علامہ کوثریؒ کا بھی ہے کیونکہ ان کی نظر استنبول ودمشق ومصر کے نوادر مخطوطات پر بڑی گہری تھی ان کی بھی تحقیقات کے نمونے ان کی تالیفات مطبوعہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی محققانہ محدثانہ ابحاث العرف الشذی انوار المحمود' معارف السنن تعلیقات آثار السنن فیض الباری انوار الباری اور رسائل مطبوعہ مولفہ حضرتؒ میں قابل مطالعہ ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

دیارِ کفر میں سکونت یا ہجرت؟

فرمایا:۔ اس بارے میں متاخرین علماء کا اختلاف ہے کہ دیار اسلام کی طرف ہجرت کا حکم کیا ہے۔ قدیم کتب حنفیہ میں یہ مسئلہ نہیں ہے (شاید اس لئے کہ اس دور میں ہجرت کی ضرورت پیش نہ آئی تھی) شافعیہ کے یہاں اس کو لیا گیا ہے۔ ہمارے شاہ عبدالعزیزؒ نے بعض رسائل میں اس کو مستحب قرار دیا ہے اور یہی مختار ہے دوسرے بعض علماء نے واجب بھی کہا ہے اور بعض احادیث سے بھی استحباب ہی معلوم ہوتا ہے جن میں حدیث بریدہ ترمذی بھی ہے بعض علماء کی رائے یہ بھی ہے کہ اہل مکہ پر تو واجب ہی تھی اور بعض احوال میں اب بھی واجب کے درجہ میں ہو جا سکتی ہے۔ (العرف الشذی ص ۴۸۵)

قرآن مجید اور احادیث کے طریقوں میں فرق

حضرتؒ نے درس بخاری باب زکوٰۃ الابل' **قوله و یحک ان شان الهجرة شدید** کے تحت فرمایا کہ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ہجرت مطلقاً واجب نہیں ہے اگرچہ عزیمت کے درجہ میں ضرور ہے جبکہ وہ دارالاسلام بھی ٹھکانہ کا ہو جس کی طرف ہجرت کرے گا۔ باقی قرآن مجید میں تو برابر تارک ہجرت کی مذمت ہی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کا طریقہ ہی یہ ہے کہ وہ جس امر کو محبوب ومستحب سمجھتا ہے اس کی برابر مدح اور تارک کی مذمت کرتا ہی رہتا ہے۔

البتہ جہاں گنجائش ہوتی ہے وہاں اس کے لئے اشارہ کر دیتا ہے جیسے یہ ہجرت ہے کہ اس کی پیہم مذمت کے ساتھ جواز ترک کی طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے۔ کہ **فان کان من قوم عدولکم و ھو مؤمن الایہ** جس سے مترشح ہوا کہ مومن کو دیار کفر میں سکونت کا جواز ہے۔ اس طرح اگر چہ مقصد تو ذکر کفار کا تھا مگر اشارہ جواز قیام دارالحرب کا بھی نکل آیا ہے لیکن حدیث نبوی کا طریقہ دوسرا ہے کہ اس میں جواز کے درجہ میں آنے والے احکام کی صراحت بھی ہوتی ہے اگر چہ وہ مرغوب و مستحسن بھی نہ ہو۔ (فیض البخاری ص ۳/۲۹)

اس کے بعد میں اپنی بیاض درس بخاری شریف سے بھی حضرتؒ کے چند جملے نقل کرتا ہوں تا کہ اس اہم ترین مسئلہ پر مزید روشنی پڑ جائے۔

قولہ علیہ السلام **او جلس فی ارضہ الذی ولد فیھا** (بخاری ص ۳۹۱ باب الجہاد) فرمایا اس سے بھی معلوم ہوا کہ دارالحرب سے ہجرت کر جانا ضروری نہیں ہے۔

قولہ علیہ السلام ویحک الخ پر فرمایا:۔ اگر دارالاسلام کہیں ٹھکانہ کا ہو تو ہجرت عزیمت تو ہر وقت ہی ہے لیکن ہجرت فرض وواجب نہیں ہے۔ ہم نے تو کابل کی ہجرت کو بھی پسند نہ کیا تھا۔

قرآن مجید نے ترک ہجرت کو مذمت کے بغیر نہیں چھوڑا کیونکہ جس امر کی قرآن مجید ہجو کرتا ہے اس پر استمرار ہی کرتا ہے۔ بخلاف حدیث کے کہ اس میں دوسری چیز بھی ملے گی۔

میں نے احادیث اور قولہ تعالیٰ **فان کان من قوم عدولکم** سے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے پس ہجو کے موقع پر تو ہجو ہی رہے گی گو لزوم سے کہیں جواز ترک بھی نکل آئے۔ جیسے یہاں بطور لزوم کفارہ کے حکم سے معلوم ہوتا ہے پھر یہ بھی فرمایا کہ حدیث مراتب کو کھولتی ہے۔

فائدہ: دیار کفر کے احکام

دنیا میں اس وقت دیار کفر کی تعداد دو تہائی سے زائد ہے اور مسلمان وہاں بھی سب جگہ بطور اقلیت کے بستے ہیں جبکہ دیار اسلام کی تعداد ایک تہائی سے بھی کم ہے اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ دیار اسلام شرعاً وہ ہیں جہاں اسلامی حکومت وشوکت ہے اور دیار کفر وہ جہاں کفر کی حکومت وشوکت ہے۔

ہندوستان کے حالات واحکام

ہندوستان اسلامی دور کے بعد برٹش راج میں دارالکفر کے حکم میں ہو گیا تھا اور آزادی کے بعد بھی شرعاً اس کا وہی حکم ہے اگرچہ سیکولر حکومت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جمعیۃ علماء ہند کے خطبۂ صدارت پشاور میں متوقع دور آزادی کے لئے شرع اسلامی کے تحت یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ یہاں کے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ معاہداتی سیاست کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ ہم دلوں کی صفائی کے ساتھ ایک دوسرے کے مذہبی وسیاسی حقوق کا احترام کریں۔ جس سے کبھی کبھی باہمی جنگ وجدال اور فسادات کی نوبت نہ آئے۔

خاص طور پر حنفی مذہب میں بہت زیادہ توسعات ہیں جن میں معاملات کے لئے دیار کفر کے احکام الگ ہیں جبکہ دوسرے فقہی مذاہب میں سارے احکام یکساں ہیں۔ اور دیار کفر ودیار اسلام میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ اس بارے میں بھی ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے گرامی واضح کر چکے ہیں۔

حضرت تھانوی کے افادات

انوار الباری جلد ۱۶ میں ہم مفصل بحث احکام دارالحرب کی لکھ چکے ہیں اور حضرت تھانویؒ نے بھی آخر میں حضرت امام اعظمؒ کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے خود اپنا عمل بھی اسی کے مطابق کر لیا تھا اور حضرت تھانویؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ آئندہ جب آزادی کا دور آئے تو یہاں کے مسلمانوں کو غیر مسلموں سے جنگ وجدال کے بجائے صرف قانونی چارہ جوئی کا طریقہ ہی اختیار کرنا بہتر ہوگا۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ اگرچہ پورا انصاف تو انگریزوں کے دور میں بھی نہیں تھا مگر آزادی کے بعد اتنے کی بھی توقع نہیں ہے۔ (وقد صدق وللہ درہ)

نزاعی امور میں ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے تو اپنے خطبہ صدارت میں یہ تک فرما دیا تھا کہ اگر یہاں کے باشندے باہم صدق دل سے معاہدائی سیاست اپنا لیں اور ایک دوسرے کا احترام کریں تو ایسی حالت میں یہاں کے مسلمان یہ بھی پسند نہ کریں گے اور نہ

شرعاً اس کا جواز ہوگا کہ کوئی بیرونی اسلامی حکومت آ کر یہاں حکومت کرے چونکہ آئندہ دور جمہوریت، قومیت و وطنیت کا آنے والا تھا۔ اس لئے بھی حضرتؒ کا یہ فیصلہ بڑی دور اندیشی پر مبنی تھا۔ واللہ ولی الامور.

پھر ایسے بڑے اور اہم فیصلے کا حق بھی صرف حضرتؒ ہی کو حاصل تھا جو علم میں بحر لا ساحل اور عمل میں نمونۂ سلف تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

ضروری تنبیہ

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا دیار کفر کے الگ احکام صرف حنفی مذہب میں ہیں اس لئے یہاں دوسرے فقہی مذاہب یا سلفی وغیر مقلدین کے مذاہب کے نقاط نظر شائع کرنا بے محل ہے جیسا کہ حال میں "نقیب" کے اندر شیخ ابن باز کا مضمون شائع ہوا ہے۔

فتنوں اور زلزلوں وغیرہ کی کثرت

حضرتؒ نے فرمایا: ۔فتنہ آزمائش وابتلا کو کہتے ہیں جس سے مخلص غیر مخلص سے ممتاز ہو جائے۔ حدیث میں ہے کہ امت محمدیہ میں فتنے بکثرت آئیں گے اس سے میں یہ سمجھا کہ پہلی امتوں کا تو معاصی اور نافرمانیوں کی وجہ سے بطور عذاب کے استیصال اور خاتمہ ہو جاتا تھا۔لیکن اس امت محمدیہ کا چونکہ بقا مقدر ہوا اور فاجر و فاسق بندوں کو صالح و مطیع بندوں سے ممتاز کرنا بھی تھا۔ اسی لئے ان میں فتنے مقدر کئے گئے جن کے ذریعہ سے تمیز ہوتی رہے گی۔ خاص طور سے قرب قیامت میں کثرت معاصی کی وجہ سے فتنوں کی اور بھی زیادہ کثرت ہوگی۔

ترمذی شریف کے باب اشراط الساعۃ (علامات قیامت) میں بہت سے بڑے معاصی اور ان کی وجہ سے بہت سی بلاؤں میں مبتلا ہونے کا ذکر بھی ہوا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اشراط، جمع شرط کی ہے اور شرط کی جمع شروط آتی ہے۔

فائدہ: ترمذی شریف کے باب مذکور میں خاص طور سے پندرہ معاصی کا ذکر آیا ہے کہ جب میری امت ان کا ارتکاب کرے گی تو اس پر طرح طرح کی بلاؤں کا نزول ہوگا۔

وہ یہ ہیں۔ (۱) مال غنیمت کو حلال سمجھیں گے۔ (۲) امانت میں خیانت کریں گے (۳) زکوٰۃ کو بوجھ سمجھیں گے۔ (۴) مرد بیویوں کی اطاعت کریں گے۔ (۵) اپنی ماؤں کی نافرمانی کریں گے۔ (۶) اپنے دوستوں سے تعلق بڑھائیں گے اور باپ سے گھٹائیں گے۔ (۷) مساجد میں شور وشغب کریں گے۔ (۹) فاسق و فاجر لوگ سردار قوم ہوں گے۔ (۱۰) ان کے شر سے بچنے کے لئے ان کی عزت کی جائے گی۔ (۱۱) شراب پینے والوں کی کثرت ہو جائے گی۔ (۱۲) مرد ریشمی کپڑے پہنیں گے۔ (۱۳) باجوں (۱۴) گانوں وغیرہ کا رواج زیادہ ہوگا (۱۵) پہلے بزرگوں کی تحقیر وتذلیل کی جائے گی۔ دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ علم دین کو دنیا کے لئے حاصل کیا جائے گا۔

جب ایسے حالات ہوں تو سرخ ہوا (جس کی وجہ سے بلائیں اور بیماریاں ظاہر ہوں گی اور زلزلے وغیرہ پے در پے آئیں گے تاکہ لوگ ان معاصی اور برائیوں سے بچیں اور بارگاہ خداوندی میں توبہ وانابت کے لئے متوجہ ہوں)

مقبور کے لئے عذاب قبر پر اعتراض و جواب

فرمایا:۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم تو قبر کو اتنا ہی دیکھتے ہیں جتنی ہوتی ہے۔ اس کا جواب ہمارا خواب ہے کہ ہم اپنے آپ کو عالی شان مکانوں اور محلات کی سیر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں چلتے پھرتے ہیں سیر گاہوں میں تفریح کرتے ہوئے دیکھتے ہیں حالانکہ ایک ہی جگہ سوتے ہوئے ہوتے ہیں۔

فرمایا:۔ فلسفہ جدید نے ثابت کیا ہے کہ مقدار (کم متصل) اور وزن کا کوئی حقیقی واصلی وجود نہیں ہے۔ مقدار کا تو یہ حال ہے کہ خوردبین سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزیں بہت بڑی اور سینکڑوں گنا معلوم ہوتی ہیں پس آنکھوں کا فرق ہے ممکن ہے کہ عالم برزخ کی آنکھیں وہ کچھ دیکھ سکیں جو ہماری آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ قال تعالیٰ "**فکشفنا عنک غطاء ک فبصرک الیوم حدید** وغیرہ

وزن جس قدر خط استواء سے کوئی چیز قریب ہوتی جاتی ہے کم ہوتا جاتا ہے کیونکہ جدید قطب شمالی وجنوبی جو پچاس سال کی تحقیقات میں دریافت ہوئے ہیں ان میں قوت

مقناطیسی بدرجہ کمال پائی جاتی ہے اور جو چیز جس قدر اس سے قریب ہوتی ہے اس کا وزن بھاری ہوتا ہے کشش کی وجہ سے۔

اس طرح ہر جگہ کے اوزان میں تفاوت ثابت کیا گیا ہے اور وزن و مقدار کو بلحاظ مشاہدہ ایک اعتباری چیز قرار دیا گیا ہے۔

تقدیر نہایت بدیہی مسئلہ ہے

فرمایا:۔ ہم تمام افعال خود اپنے اختیار سے کرتے ہیں مگر اختیار ہم کو بجبر سونپ دیا گیا ہے۔ پھر بندہ کو وافعال کا کاسب اسی لئے قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے مباشر فعل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو خالق افعال اس لئے کہا جاتا ہے کہ اختیار کا استناد اس کی طرف ہے۔

رہا یہ کہ ہم ہی کو اختیار بالا استقلال کیوں نہ عطا فرمایا تو یہ محال ہے کہ ممکن مستقل بالا اختیار ہو پھر اعمال پر ثواب وعقاب کا ترتب بسبب تسبب ہے کہ ہمارے یہی اعمال نعیم جنت یا عذاب دوزخ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جیسے صفراء وسوداٴ مرض بن جاتا ہے اور غذا فاسد ہو کر بیماری کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

’’الاسلام یعلو ولا یعلیٰ‘‘

بخاری شریف (ص ۱/۱۸۰) کے اس ارشاد کو بہ اعتبار تکوین لیا جائے تو اس لئے کہ مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک مشرق سے مغرب تک حکومت کی ہے۔ حالانکہ اس قدر عرصہ تک شروع دنیا سے اب تک کسی نے بھی حکومت نہیں کی ہے اور پھر حکومت بھی ایسی دبدبہ کی کہ تمام حکومتیں اس کے سامنے ہیچ تھیں۔ انگلستان کا بادشاہ تو بادشاہ اسلام کو براہ راست خط نہیں لکھ سکتا تھا جو خط لکھتا تھا وہ وزیر کو لکھا کرتا تھا۔ اور باعتبار تشریع کے ظاہر ہے۔

لوگوں نے بجائے اس کے الحق یعلو ولا یعلیٰ گھڑ لیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے اور اکثر حق کے مقابلہ میں باطل ہی کامیاب دیکھا ہے۔ اسی طرح کفر ہمیشہ زیادہ رہا ہے اور مسلمانوں کی تعداد بھی بالنسبۃ بہت کم رہی ہے۔

فوٹو اور تصویر میں فرق

احقر نے فوٹو کے متعلق دریافت کیا کہ مصری علماء فوٹو اور تصویر میں فرق کرتے ہیں اور اول کو عندالشرع جائز اور دوم کو ناجائز قرار دیتے ہیں تو فرمایا کہ یہ ان کا مسئلہ غلط ہے اور فوٹو اور تصویر کا حکم واحد ہے باقی ضرورت کے مواقع کا استثناء امر آخر ہے۔ (اسی طرح حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے بھی فرمایا) ۱۱۹ کتوبر ۳۱ء

واجب کا درجہ

فرمایا:۔ فخر الاسلام بزدوی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ وجب کے معنے ایسے ہیں کہ مثلاً کوئی شخص کام کو جارہا ہو اور دوسرا شخص اس کو اپنا بوجھ دے دے کہ ہمارے گھر پہنچا دینا تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ یہ چیز سر پڑ گئی۔ اسی طرح واجبات ہیں کہ فرض تو تھے ہی یہ بھی حالانکہ دلیل ظنی سے ثابت ہوتے ہیں۔ سر پڑ گئے۔

احتساب و نیت میں فرق

فرمایا:۔ فرق یہ ہے کہ نیت کا تعلق تو خیر و شر دونوں سے ہوتا ہے اور احتساب میں صرف نیک نیت ہی ہوتی ہے اور احتساب کے معنی بہ اصطلاح حدیث یہ ہیں کہ ایک فعل کو ہیّن و حقیر اور سہل تر سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں تو حدیث میں تاکید ہوتی ہے کہ توجہ کریں یا کوئی فعل بظاہر دشوار سمجھا جاتا ہے اور ہوتا ہے ثواب کا تو ترغیب دی جاتی ہے بہ لفظ احتساب یا کوئی فعل بطور عادت کیا جاتا ہو تو لفظ احتساب سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ نیت ثواب کر لیا کریں۔ وغیرہ۔

کفار مخاطب بالفروع ہیں

فرمایا:۔ حنفیہ کے اس میں تین قول ہیں۔ (۱) مخاطب ہیں اداءً لا اعتقاداً (۲) مخاطب ہیں۔ اعتقاداً لا اداءً (۳) مخاطب ہیں اداً و اعتقاداً۔ کما ذکرہ البحر اور میں بھی اسی کو اختیار کرتا ہوں کیونکہ یہ قول دوسرے ائمہ کے اقوال کے مطابق ہے امام شافعی و مالک و احمد کے۔

مشتبہات سے مراد کیا ہے؟

فرمایا:۔ حق تعالیٰ کے متعلق جو اعضاء انسانی وغیرہ کا ذکر ہے (یعنی مشتبہات) وہ بہ اصطلاح بخاریؒ نعوت کہلاتے ہیں اور نعت کے معنی بیان حلیہ کے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ان کا نام حقائق الٰہیہ رکھا ہے لیکن سب سے بہتر اور چست نام امام بخاری کا ہے کیونکہ صفات الٰہیہ لاعین ولا غیر اور زائد ہوتی ہیں ذات باری پر (جل ذکرہ) اور نعوت عین ذات ہوتی ہیں اور زائد نہیں ہوتیں جیسے حلیہ متعلق ذات ہوتا ہے نہ کہ زائد علے الذات۔

متشابہات قرآن مجید کا اعلیٰ حصہ ہیں

فرمایا:۔ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے تحریر فرمایا کہ قرآن مجید میں سے اعلیٰ حصہ متشابہات ہی ہیں۔ (اور وہ صفات میں ہوتی ہیں نہ کہ احکام میں) شاہ عبدالعزیزؒ نے کشف ساق میں جس قدر لکھا ہے وہ تمام مشتبہات کے لئے کافی ووافی ہے۔

داڑھی کی مقدار؟ اور طبی فائدہ

احقر نے داڑھی کی تحدید یکمشت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ حضرت ابن عمرؓ کے اثر سے ثابت ہے اور امام مالک کے نزدیک تحدید نہیں ہے بلکہ عرف پر ہے۔

پھر ۱۲۷ کتوبر ۳۱ء کو احقر نے بموجودگی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہ یہ دریافت کیا کہ یکمشت سے داڑھی کم رکھنے یعنی کٹوانے میں اور منڈوانے میں گناہ برابر ہے یا تشکیک ہے؟ فرمایا کہ منڈانے میں کترانے سے زیادہ گناہ ہے البتہ اگر جڑ سے کتروائے تو منڈانے کے ہی برابر ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ مالکی حج کرنے آتے ہیں جن کی داڑھیاں خس خسی یا منڈی ہوئی ہوتی ہیں اسی طرح مغرب کے شافعی حجاج آتے ہیں جن کی داڑھی منڈیاں ہوتی ہیں اس قدر عمل شریعت ودین پر رہ گیا ہے۔ حنفیہ حجاج کے عموماً داڑھیاں ہوتی ہیں۔

فائدہ: احقر بہ حیثیت طبیب کے عرض کرتا ہے کہ داڑھی منڈانا طبی نقطہ نظر سے رجولیت (مردانہ قوت) کے لئے بھی سخت مضر ہے۔ جبکہ موئے زار کے لئے استرے کا استعمال نہایت درجہ مفید ہے۔ (بجنوری)

مال میں علاوہ زکوٰۃ کے بھی حقوق ہیں

فرمایا:۔ وہ حقوق منتشر ہیں منضبط نہیں اور ایسے زائد صدقات کا لینا بعض کا ترغیباً اور بعض کا تاکیداً زمانہ صحابہ میں بھی ثابت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ذاتی حالات' خود ان کی زبانی

فرمایا:۔ میں بارادۂ ہجرت وطن (کشمیر) چھوڑ کر آیا تھا۔ اور دیوبند ۱۸ سال رہا۔ جن میں سے ۶ سال دارالعلوم سے کوئی وظیفہ بھی نہیں لیا۔ پھر نکاح ہوا۔ صرف اپنے بزرگوں کے اتباع میں علم پڑھا تھا۔ نہ دنیا پیش نظر تھی اور نہ دین ہی کے لئے خاص نیت تھی۔

ایک روز فرمایا کہ میں صرف حرمین میں رہا ہوں مصر وغیرہ نہیں گیا۔ عربی بولنے میں مجھ سے وہاں کے سارے لوگ ہیٹے تھے الا بغداد کے ایک عالم جو جہاز میں میرے ہمراہ تھے مگر وہ بھی تکلف کرتے تھے اور صاحب رسالہ حمیدیہ کہ وہ میرے ہمراہ ایک ماہ رہے اور سوچ سوچ کر تکلفاً میری باتوں کا تھوڑا بہت جواب دیتے تھے۔

ایک دفعہ اس بارے میں یوں فرمایا کہ میں عرب گیا تو مجھ سے کوئی صاف اور بے تکلف عربی بولنے والا ل نہ نہ ملا' صاحب رسالہ حمیدیہ البتہ مجھ سے اچھی طرح عربی بول لیتے تھے۔ لیکن میرے استفسار پر انہوں نے فرمایا کہ مجھے بھی تکلف کرنا پڑتا ہے تم سے بولنے میں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس کی وجہ حضرتؒ کے مقابلہ میں دوسرے علماء عصر کے علم کی کمی تھی۔ کیونکہ حضرتؒ بحر العلوم تھے یہی حال ہم نے بزمانۂ قیام مصر علامہ کوثریؒ کا بھی دیکھا کہ وہ علماء ازہر کے مقابلہ میں بڑی روانی کے ساتھ اور عمدہ فصیح و بلیغ عربی میں بے تکان بولتے تھے۔ اور وہ لوگ کمی علم کی وجہ۔ سے قاصر رہتے تھے اور ہم دونوں کا علم تو ان دونوں اکابر کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر علمی مطالعہ کی وجہ سے علماء حرمین و مصر کے ساتھ بے تکلف علمی مذاکرات کیا کرتے تھے۔ اسی لئے ہمارا خیال ہے کہ صرف ادبی عربی زبان کی مہارت اور تقریر و تحریر بغیر وسعت مطالعہ کے بے سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فرمایا میں نے دیوبند میں صرف چار کتابیں پڑھی ہیں ہدایہ اخیرین (تا کتاب الکفالۃ)

بخاری شریف ترمذی شریف ابوداؤد شریف اور مولانا محمد اسحاق صاحبؒ سے مسلم شریف ابن ماجہ موطأ امام مالکؒ کشمیر میں پڑھی ہیں۔

تائید مذہب حنفی کے لئے سعی مشکور

فرمایا:۔ میں نے حنفیہ کے لئے اس قدر سامان جمع کیا ہے کہ آج تک مجموعی طور سے بھی تمام سلف علماء احناف سے نہیں ہوسکا ہے لیکن افسوس ہے کہ میری یادداشتوں کو صاف اور منقح کرنے کے لئے کوئی صاحب سوادنہیں ملا اور نہ امید ہے۔

(آخر میں حضرتؒ کچھ احقر سے مطمئن ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ "یہ صاحب اگر ہمیں پہلے سے مل جاتے تو ہم بڑا کام کر لیتے" افسوس ہے کہ دیوبند کے بعد احقر کے تین سال کرنال میں ضائع ہوگئے۔ ورنہ ممکن تھا کہ اتنی مدت اور حضرتؒ کی خدمت اقدس میں رہ کر آپ کی مزید خوشنودی حاصل کر کے اس کو ذخیرۂ آخرت بنا سکتا۔ وللہ الامر من قبل و من بعد)

فقہ حنفی اور حدیث

فرمایا:۔ حنفیہ کی اکثر جزئیات احادیث کے ماتحت نکلیں گی۔ بخلاف دیگر مذاہب کے کہ ان کے یہاں تخصیصات زیادہ ہیں۔ پس حنیفہ کا مذہب زیادہ اسفر وروشن ہے۔

علم کی خامی و پختگی

فرمایا:۔ جس کا علم کچا ہوتا ہے اسی کو قواعد بازی کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ جس عالم کے سامنے خصوصی ذخیرہ اور جزئیات کا ڈھیر ہوتا ہے وہ قواعد کی حقیقت کچھ نہیں سمجھتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر اور وسعت مطالعہ

فرمایا:۔ میرا مطالعہ و نظر بہت سے شراح حدیث سے زیادہ ہے اور حافظ ابن حجر سے بھی تتبع طرق و اسانید میں تو کم لیکن معانی حدیث میں زیادہ ہی کلام کر سکتا ہوں۔ پس جن پر کلام کرتا ہوں ان سے زیادہ جانتا ہوں۔

حافظ کے حوالوں میں غلطیاں

پھر فرمایا کہ حافظ سے بھی حوالے وغیرہ بہت غلط ہوئے ہیں۔ میرے کم غلط ہوں گے اور حافظ

گو بعض قیود حدیث بھی محفوظ نہیں رہیں اور میں ان ہی قیود سے جوابدہی کرتا ہوں۔
معنے حدیث ان کا موضوع بھی نہیں ہے اس لئے ہر جگہ ان سے بڑھ جاؤں گا یوں ہی دعوے نہیں ہیں اور حقائق و معارف میں شیخ اکبر کے سوا سب سے زیادہ واضح کر سکتا ہوں ان سے بھی کہہ دیتا مگر دل میں نہیں ہے وہ نصوص سے نہیں ثابت کرتے اور میں نصوص سے منوا سکتا ہوں۔

رواۃ بخاری کی غلطیاں

فرمایا:۔ میں بھی اگر چاہتا تو بخاری کے رواۃ کی غلطیاں سو کے قریب جمع کر دیتا مگر افسوس ہے کہ اس پر میں نے کوئی یادداشت جمع نہ کی۔ اور صرف یہی جمع ہو جاتا کہ ایک راوی کئی کئی جگہ باہم متعارض و متخالف روایات کرتا ہے اور درس میں اس کو بتلا بھی دیتا ہوں اور یہ بھی کہ نئی چیز کہاں نکلی اور اس کا کیا فائدہ ہے؟

مساجد رسول اللہ بطور یادگار

فرمایا:۔ کتب سیر سے یہ ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے جہاں چند روز قیام فرمایا غزوات وغیرہ میں جیسے احزاب میں قریب پندرہ روز کے محاصرہ میں مقیم رہے تو ایک جگہ پتھروں کی چہار دیواری بنا دیتے تھے اور اندر فرش ہموار کر دیتے تھے۔ جس میں نماز ہوتی تھی اور اس کو مسجد نبوی کہتے تھے۔
سیر والوں نے بھی ان کو مسجد رسول اللہ کہا ہے تا کہ بعد والے یادگار سمجھیں یہ نہیں کہ وہ فقہی مساجد ہو گئیں تا کہ ان کے احکام مرتب ہوں۔

صلوٰۃ علے غیر النبی کا جواز

فرمایا:۔ اس کا جواب کتاب اللہ و حدیث سے ثابت ہے قولہ تعالیٰ **وصل علیھم** پس عدم جواز محض اس لئے ہے کہ عرفاً انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص بولا جانے لگا ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے عدم جواز کی۔ اور مذاہب اربعہ سب ناجائز ہی قرار دیتے ہیں۔
پیر جماعت علی شاہ صاحب کے متعلق کراچی سے ایک شخص نے دیو بند استفتاء بھیجا تھا کہ ان پر ان کے مرید درود بھیجتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ تو میں نے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا

تھا۔ اور اسی وقت سے انہوں نے ہم پر فتویٰ تکفیر کا دیا ہے۔

اظہار لاعلمی وجہ اہانت

فرمایا:۔ میں جس چیز میں تشفی نہیں پاتا یا کسی بات کو نہیں جانتا تو ہزاروں میں کہہ دیا کرتا ہوں کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ لیکن آج کل عموماً اس کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔

وقف وارصاد میں فرق

ارصاد وہ ہے کہ سلاطین جو چیزیں رفاہ عام کے لئے رکھتے ہیں (اس کا ذکر مبسوطات میں ہے متون میں نہیں ہے) اور حنفیہ کے نزدیک منقولات کا وقف بھی جائز ہے بشرطیکہ متعارف ہو۔

سامان جہاد تیار کرنا

فرمایا:۔ جنگ بدر میں صرف تین گھوڑے ساتھ تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں مدینہ سے تین منزل پر تیس ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے اور جہاں کہیں ضرورت ہوتی تھی بھیجے جاتے تھے۔ آج ہم یورپ کے جنگی ساز و سامان پر حیرت کرتے ہیں مگر مسلمانوں کے اس قسم کے گذشتہ انتظامات سے بے خبر ہوتے ہیں اور آج کل بھی گو زمانہ پلٹ گیا ہے لیکن عرب کا گھوڑا دنیا کا بہترین گھوڑا مانا جاتا ہے اور عربی اصیل گھوڑا تیس تیس ہزار میں بکتا ہے۔

حضرت عمرؓ جہاد کے گھوڑوں پر ''الوقف للہ'' کا ٹھپہ لگوا دیا کرتے تھے۔

زیادہ اور کم خوراکی

ایک شخص کا واقعہ سنایا جو ۲۵ نان اور اڑھائی سیر گوشت کھالیا کرتا تھا اور بظاہر جسم و جثہ سے اوروں کی طرح تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ میں نے صرف تین شخصوں کو دیکھا ہے جو لذائذ دنیوی سے بے نیاز ہو کر گزر کرتے تھے۔ بقیہ کو تو عیش و راحت اور لذیذ کھانوں پر ہی مائل دیکھا۔

نمبر ا:۔ حضرت مولانا شیخ الہندؒ کہ سوا یا ڈیڑھ چپاتی کھاتے تھے اور بہت زیادہ سادہ و بے مزہ سالن کھاتے تھے اور مہمانوں کے لئے جب کچھ تکلف ہوتا اس وقت بھی مکلّف کھانا دکھلانے کو کچھ کھا لیتے تھے مگر قطعاً رغبت نہ فرماتے تھے۔

نمبر۲:۔ مولانا محمد اسحاق صاحبؒ صبح کے وقت چاء پیا کرتے تھے میں صبح غلس ہی میں پڑھنے جایا کرتا تھا لیکن مجھے چائے کے لئے کبھی نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے بھی نصف پیالی دیدی جو بغیر دودھ کے بالکل کڑوی سبز اور نمکین تھی۔ میں نے اس کو بدمزہ ہونے کی وجہ سے مشکل سے پی۔

نمبر۳:۔ مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوریؒ جیسا بھی کھانا سامنے آجاتا کھا لیتے تھے۔ کبھی نہ کوئی عیب نکالتے تھے اور نہ لذیذ کھانوں کی فرمائش کرتے تھے۔

درحقیقت جیسی بھی عادت بچپن سے پڑ جاتی ہے ویسی ہی آخر تک رہتی ہے۔ پچھلے دنوں اخبارات میں آیا تھا کہ وزیر ایران وزیر جاپان کے پاس گیا اور لوٹا تو کھانا پسند نہ آنے کی شکایت کی میں نے کہا کہ وزیر تو ہو گیا مگر اتنی بات نہ سمجھا کہ کھانوں کا اچھا برا ہونا اپنی عادت کے موافق ہوتا ہے۔

اداءِ زکوٰۃ کی قیود

مولانا کفایت اللہ صاحب نے مجھ سے دو مرتبہ اس بارے میں گفتگو کی کہ زکوٰۃ کے مسئلہ میں جو قیود عند الحنفیہ ہیں وہ بر بناء مصالح اٹھا دینی چاہئیں تا کہ مدارس و مساجد وغیرہ میں صرف کی جاسکے میں نے کہا کہ یہی کرنا ہے تو بخاریؒ کا مذہب لے لو۔

نیز تفریق بین الزوجین کے مسئلہ میں دریافت کیا تو میں نے کہا کہ امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ زوج نفقہ نہ دے سکے تو تفریق کر دی جائے۔ پھر مأخذ پوچھا تو میں نے کہا کہ فلاں آیت سے امام مالک عام مراد لیتے ہیں اور دوسرے ائمہ خاص۔

امام اعظم سے روایت مرجوحہ

فرمایا:۔ اگر امام صاحبؒ کی کوئی روایت مجھ کو مل جاتی ہے خواہ وہ مرجوح ہی ہو تو میں اس کو لے کر حدیث کا جواب دے دیا کرتا ہوں۔

سنن بیہقی قلمی زیادہ صحیح ہے

فتح الباری میں ایک مقام پر حافظؒ بیہقی کے حوالے دیئے ہیں جو حنفیہ کے لئے مضر ہیں۔ میں نے تقریباً ۲۱ سال ہوئے ہیں کہ مولانا گنگوہیؒ کے یہاں قلمی بیہقی دیکھی تھی۔ (جواب بھی موجود ہے) اس میں حنفیہ کے موافق پایا اور اب طبع بھی ہو گئی ہے۔ لیکن اس میں حافظ کے موافق درج ہے۔

میرا خیال ہے کہ وہ نسخہ بھی غلط ہی ہوگا جو حافظ کے پیش نظر تھا اس لئے حافظ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں نے اب ۲۱ سال کے بعد اس کے قرائن بھی لکھنے شروع کئے ہیں کہ قلمی صحیح ہے۔

عورت کا کشف وجہ غیر

درس بخاری شریف قصہ فضل بن عباسؓ (ص ۲۰۵) کے تحت احقر کے استفسار پر فرمایا عورت کا اجنبی مرد کے سامنے کشف وجہ وکفین وقدم جائز ہے بشرطیکہ امن ہو اور اسی طرح اگر امن ہو تو عورت کو بھی اجنبی مرد کو دیکھنا جائز ہے۔

حجۃ الوداع میں تعداد صحابہؓ

فرمایا:۔ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بروایتے ستر ہزار اور بروایت ابی ذرعہ (امام حدیث) ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ شریک ہوئے تھے اور جس قدر بھی مسلمان ہو چکے تھے سب ہی شریک ہوئے ہیں۔

اناج پر بیٹھنا جائز ہے

فرمایا:۔ فتح الباری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں اسی اونٹ پر سوار ہوئے تھے جس پر زاد تھا۔ لہٰذا میں نے مسئلہ نکالا کہ اناج پر بیٹھنا جائز ہے۔

واجب کا درجہ سب کے یہاں ہے

فرمایا مالکیہ حنابلہ اور شافعیہ کے یہاں واجب نہیں ہے لیکن فقہ مالکی میں ہے کہ جماعت فرض عین ہے مگر شرط صحت نہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ تو حنفیہ کا واجب ہی ہوا۔ اور حنفیہ سے بھی تصریح ہے کہ واجب عملاً فرض ہے گو اعتقاداً فرض جیسا نہیں ہے۔

بعض الناس سے مراد

فرمایا:۔ بخاری شریف میں لفظ بعض الناس ۲۲ جگہ آیا ہے اکثر امام اعظمؒ مراد ہوتے ہیں اور کہیں کہیں امام شافعیؒ اور ایک دو جگہ امام محمدؒ اور ایک جگہ امام زفرؒ اور کہیں بعض الناس سے مقصد رد اور کبھی قبول بھی اور کسی جگہ توقف اور بعض جگہ محض نقل مذہب ہوتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے قران کیا ہے

فرمایا:۔ امام مالک وشافعی نے مان لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھا اور حنابلہ نے کہا کہ متمتع تھے۔ کیونکہ حدیث میں ولم یحل من اجل بدنة وارد ہوا ہے (بخاری ص۲۰۹/۱

حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ عدم حلت عن الاحرام بوجہ قران وسوق ہدیٰ ہر دو ہوگا۔

نیز بخاری ص۲۱۰/۱ میں تصریح ہے "وسمعتهم يصرخون بهما جميعاً" یہ بھی قرآن پر دال ہے۔

دوسرے وقت فرمایا:۔ حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں قرآن کیا ہے اس کے لئے میری ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ ہدی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے اور وہ قارن تھے۔

ہدیٰ کے سو اونٹ تھے جن میں سے (احادیث صحیحہ سے میرا استنباط ہے کہ) ۶۳ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ذبح فرمائے گویا آپ کی عمر کے ہر سال کے مقابلہ میں ایک اونٹ تھا اور حضرت علیؓ کی عمر ۳۲ سال تھی لہٰذا ۳۲ انہوں نے ذبح فرمائے اور باقی پانچ کو دوسرے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح فرمایا ہے اور اسی لئے حدیث بخاری وغیرہ میں لفظ بدنات آیا ہے جو کہ جمع قلت ہے اور اس کا محمل میرے نزدیک یہی پانچ اونٹ ہیں۔

تلبیہ وطواف کی اہمیت

فرمایا:۔ حج میں اصل وظیفہ حاجی کا تلبیہ ہی ہے۔ باقی صلوٰۃ علی النبی و دیگر اذکار بھی ممنوع نہیں ہیں اور افضل عبادات حج کے زمانہ میں طواف کعبہ ہے کما صرح بہ الفقہاء۔

بہائم اور عظمت انبیاء علیہم السلام

فرمایا:۔ بہائم انبیاء کی کس قدر عظمت کرتے ہیں اور کس قدر پہچانتے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اونٹوں کو ذبح فرمانے لگے تو وہ ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے کہ پہلے ہمیں ذبح فرمائیں۔

موت کے لئے پیر کا دن افضل ہے

فرمایا:۔ یہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا ارشاد ہے کہ موت کے لئے پیر کا دن جمعہ سے افضل ہے اور پیر کے روز ہی ۶۳ سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمرؓ کی وفات ہوئی ہے۔

قبور روضہ نبویہ

فرمایا:۔ قبلہ مدینہ منورہ میں جنوب کی طرف ہے اور قبریں اس طرح ہیں (جنوب)، مشرق، مغرب، شمال) اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن ہے پھر حضرت ابوبکرؓ کا اور پھر حضرت عمرؓ کا۔

ذکر علامہ ابن تیمیہؒ کا

فرمایا:۔ میرا خیال ہے کہ ابن تیمیہ گو پہاڑ ہیں علم کے مگر کتاب سیبویہ کو نہیں سمجھ سکے ہوں گے کیونکہ عربیت اونچی نہیں ہے۔ فلسفہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ کم اتنا جاننے والے ہوں گے مگر ناقل ہیں۔ حاذق نہیں ہیں۔

معقولات کا حاضر رکھنے والا بھی ان جیسا کم ہوا ہے اور مطالعہ بھی بہت زیادہ ہے مگر باوجود اس کے کچی بات کو اختیار کر لیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاذق نہ تھے۔ سیبویہ کی سترہ غلطیاں نکالی ہیں اور میرا خیال ہے کہ خود ہی غلط سمجھے ہوں گے۔

عام خاص سے راجح ہے

فرمایا:۔ عام کا عموم اگر سلف میں زیر عمل رہ چکا ہو تو وہ خاص سے راجح ہے ورنہ خاص راجح ہے اور عام کو خاص پر حمل کریں گے (ابوبکر جصاص) لہٰذا معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں حمل عام علے الخاص مدام (ہمیشہ) نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے۔

سید کے لئے زکوٰۃ

فرمایا میرے نزدیک سید کو زکوٰۃ کا مال لینا سوال کرنے سے بہتر ہے۔ امام رازی و طحاوی بروایت امام ابی حنیفہ قائل جواز ہوئے ہیں اور امام رازی کو فقہ فی النفس حاصل ہے۔ اس لئے میں جواز کا فتویٰ دے دیتا ہوں۔

رجوع فی الہبہ کی تحقیق

فرمایا رجوع فی الہبہ اگر موانع سبعہ موجود نہ ہوں تب بھی بغیر قضاء قاضی یا بغیر رضاء موہوب لہ کے صحیح نہیں ہے اور بصورت عدم موانع سبعہ و بحقق قضاء قاضی یا تراضی بھی قضاء صحیح ہوتا ہے مگر دیانۃً پھر بھی عند بعض الحنفیہ مکروہ تحریمی ہے جس کو حنفیہ ناجائز کہتے ہیں اور بعض حنفیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ (درمختار مع شامی جلد۴)

پھر فرمایا کہ یہ شرائط تحقق قضاء و تراضی شامی وغیرہ میں نہیں ملتیں۔ بلکہ متن کنز میں ہیں۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے دیوبند میں ایک بار اسی مسئلہ رجوع فی الہبہ میں جواز کا فتویٰ دیا اور میرے پاس تصدیق کے لئے آیا تو میں نے عرض کیا کہ مسئلہ غلط ہے کیونکہ قضاء قاضی یا تراضی کا بھی ہونا ضروری ہے علاوہ موانع سبعہ کے ارتفاع کے۔ حضرت مفتی صاحب نے فتویٰ واپس لے لیا لیکن اگلے روز کہلا کر بھیجا کہ تمام شامی دیکھی گئی کہیں ان شروط کا ذکر نہیں ہے تو میں نے متن کنز کا حوالہ دیا اور اس کو مفتی صاحب نے قبول فرمایا۔

اسی طرح کنز کتاب الحج میں ایک باب ہے جو شامی وغیرہ بڑی کتابوں میں نہیں مل سکتا۔ دوسرے وقت بتلایا کہ وہ باب الفوات ہے کہ حج فوت ہو جانے کی صورت میں افعال عمرہ کر کے احرام سے نکلے گا اور اس عمرہ کو عمرۂ فوات کہتے ہیں۔ (بخاری عن ابن عمرؓ (ص ۲۴۳/ اباب الاحصار)

قیام میلاد کے بارے میں تحقیق

فرمایا:۔ ابن حجر اور علامہ سیوطی نے اس کو مستحب کہا ہے اور حضرت سعدؓ کے لئے حضور علیہ السلام کے فرمان "قوموا السید کم" کو حجت بنایا ہے۔ (سیرۃ حلبی) یہ حالت ہے علم حدیث کے اجل فاضلین کی کہ امر متیقن و مشاہد پر ایک امر موہوم و غیر مشاہد کو قیاس کرتے ہیں تفقہ نہ ہونے کے باعث اس لئے کہ حضور علیہ السلام کا تشریف لانا امر موہوم ہے عنایت ہو جائے تو آ جائیں ورنہ نہیں۔ حافظ ابن حجر حدیث کے پہاڑ ہیں کہ اگر کسی پر گریں تو ڈھا دیں اور فقہ میں درک نہیں ہے۔

تفقہ کا فقدان

فرمایا صاحب درمختار اور شامی وغیرہ محض ناقل ہیں اور فقہ سے (جو کہ صفت نفس ہوتی

ہے) مناسبت بھی نہیں ہے۔ محض حضرت گنگوہیؒ کو دیکھ کر ان کو کچھ مناسبت تھی اور گمان یہ ہے کہ تین صدی سے تفقہ مفقود ہے۔

زودنویسی کے شاہ کار

فرمایا علامہ عینیؒ نہایت زود قلم تھے اور انہوں نے خود لکھا ہے کہ قدوری ایک دن میں لکھ دی تھی اس پر مزید دو قصے بھی حضرتؒ نے سنائے۔

نمبر۱ میں اور والد صاحب اور ایک صاحب علاقہ دار (عبداللہ) ایک مرتبہ ساتھ جارہے تھے اور وہ شخص والد صاحب سے باتیں کرتا جاتا تھا اور بہت تیز لکھتا بھی جاتا تھا اور اس کی غلطیاں بھی نہیں دیکھیں۔

نمبر۲: ایک شخص نے گلستاں ایک دن میں لکھ دی تھی۔

رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کے ساتھ رفع یدین

فرمایا اس پر میرا ایک اعتراض ہے جو عرصہ سے لکھا ہے اور شافعیہ میں سے اس کا جواب کسی سے بھی نقل نہیں ہوا۔ وہ یہ کہ حج کے احکام میں وارد ہے کہ اونچائی پر چڑھتے ہوئے تکبیر اور نچائی پر اترتے ہوئے تسبیح کہے۔ لہٰذا جس طرح حج میں اترتے ہوئے تکبیر نہیں ہے نماز میں بھی رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر مع رفع یدین نہ ہونی چاہئے۔ باقی یہ کہ رکوع میں جاتے ہوئے بغیر رفع یدین کے تو حنفیہ کے یہاں بھی تکبیر ہے تو اس کا جواب سب ہی پر ہے اور ہم تو شارع سے نقل پیش کردیں گے اور وہ کافی ہے اور حضرت ابن عمرؓ سے ثابت ہے کہ سفر میں اترتے ہوئے تکبیر نہیں پڑھتے تھے۔

(حضرتؒ کا اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ رکوع میں جاتے ہوئے قولی تکبیر تو امر تعبدی کے تحت ہوئی لیکن اس کو ہم فعلی تکبیر (رفع یدین) سے موکد نہ کریں تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ اترائی میں سرے سے تکبیر ہے ہی نہیں اسی لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی نہیں پڑھتے تھے)

روضۂ اطہر عرش سے افضل ہے

فرمایا اکثر علماء اسی کے قائل ہیں کہ روضۂ مقدسہ نبویہ عرش سے بھی افضل ہے صرف ابن تیمیہ

توقف کرتے نظر آتے ہیں مجاہد سے مرسل صحیح مروی ہے کہ بروز قیامت جب حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی عرش پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر داہنی طرف ہوں گے (گویا اس روز بھی حضور علیہ السلام کو یہ عظیم منقبت حاصل ہوگی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی تجلی خاص طور سے اپنی سب سے بڑی مخلوق عرش پر ہوگی۔ یہ نہیں کہ وہ خود بھی عرش پر بیٹھا ہوگا یا کسی خاص جہت میں ہوگا وغیرہ)

پھر فرمایا کہ مدفن مبارک کے علاوہ باقی مدینہ منورہ مفضول ہے بیت اللہ سے، احد کے پیچھے پہاڑ ہے عیر اور مغربی جانب میں ہے عائر، ان دونوں پہاڑوں کے درمیان میں حرم مدینہ ہے۔

تمام احادیث قرآن مجید سے ماخوذ ہیں

حدیث بخاری شریف (ص ۲۵۱/ اباب حرم المدینہ) میں جو لعنت اللہ والملائکہ کی وعید آئی ہے۔ وہ قولہ تعالیٰ **ومن یردفیه بالحاد نذقه من عذاب الیم** سے ماخوذ ہے یہ بھی فرمایا کہ میرا دعویٰ ہے کہ تمام احادیث قرآن مجید سے ماخوذ ہیں۔

بچوں کی نماز کا حکم

فرمایا بچوں کے متعلق یہ کہنا چاہئے کہ پڑھ تو رہے ہیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء و فجر ہی لیکن وہ واقع ہو رہی ہیں نفل۔ یہ کہنا غلط ہے کہ وہ نفل پڑھ رہے ہیں اور اس امر کی بھی نقل نہیں ہے کہ بچوں کی عبادت کا ثواب والدین کو ملتا ہے۔

نذر مشی الی بیت اللہ کا حکم

فرمایا حنفیہ کے نزدیک یہ نذر صحیح و جائز ہے اور مشی لازم ہے البتہ معذور ہو جائے تو رکوب جائز ہے لیکن جزاء آئے گی۔ اس کے علاوہ کسی زیارت یا مسجد وغیرہ کے لئے چل کر جانے کی نذر کرے تو مشی لازم نہ ہوگی۔ امام طحاویؒ کے نزدیک علاوہ جزاء کے کفارہ یمین بھی ہے لیکن میرا گمان ہے کہ عام حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

خیر القرون سے مراد

حدیث بخاری شریف (ص ۳۶۲) خیر القرون قرنی الخ کے بارے میں فرمایا:۔ اکثر

علماء نے اس کو صحابہ' تابعین' وتبع تابعین کے زمانوں پر محمول کیا ہے اور بعض مصنفین نے لکھا کہ تدریجاً تنزل ہوتا جائے گا قیامت تک اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جمہور کے خلاف یہ شرح کی ہے کہ فقط تیس سال تک خیر القرون کا زمانہ رہا اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ دوسرا حضرت ابوبکر وعمرؓ کا زمانہ تیسرا حضرت عثمان وعلیؓ کا زمانہ۔

فضیلت وقرابت کا فیصلہ

بخاری ص ۵۱۶ باب فضل ابی بکرؓ پر فرمایا یہ تو حضرت ابن عمرؓ ہی صحابہ کرام کا فیصلہ بتلا رہے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ پر فضیلت دیا کرتے تھے اور پھر حضرت عمرؓ کو حضرت عثمانؓ پر اس کے بعد یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت امام اشعری کے نزدیک قطعی ہے اور علامہ باقلانی اس کو ظنی کہتے ہیں میری رائے میں امام اشعری کا فیصلہ راجح وصواب ہے۔ کیونکہ اس کے لئے احادیث اتنی زیادہ وارد ہوئیں کہ ان سے تواتر سے بھی اوپر کا درجہ ثابت ہوسکتا ہے پھر اسی طرح حضور علیہ السلام کے دونوں دامادوں حضرت عثمان وعلیؓ کا بھی حال ہے لیکن آگے جو ترتیب (۳۱۵) فضیلت (وخلافت) کی سامنے آئی اس میں قرابت کے لحاظ سے برعکس صورت بن گئی کہ جو قرابت ونسب کے اعتبار سے حضور علیہ السلام سے سب سے زیادہ قریب تھے ان کی یہ فضیلت آخر میں ظاہر ہوئی یعنی حضرت علیؓ پھر حضرت عثمان پھر حضرت عمرؓ کیونکہ حضرت علیؓ نسب میں بھی اقرب تھے پھر داماد بھی ہوئے' حضرت عثمان ذوالنورین ہوئے اور حضرت عمرؓ حضرت حفصہؓ کی وجہ سے حضور سے قریب ہوئے۔

معلوم ہوا کہ قرابت ووراثت کا درجہ ذاتی فضائل ومناقب کے مقابلہ میں مرجوح ہے جس کی وجہ سے خلافت میں معاملہ برعکس ہوگیا کہ حضرت ابوبکر کے بعد پہلے حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی خلیفہ ہوئے۔

آگے بخاری نمبر ۵۹۰ میں حضرت معاویہؓ کا قول ذکر ہوا کہ ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں بہ نسبت ابن عمر اور ان کے باپ کے۔

ترتیب خلافت کیلئے اہم تحقیق

اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قرابت نبویہ کا معاملہ ترتیب خلافت سے برعکس

ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ جو حضور علیہ السلام سے سب سے زیادہ قریب تھے وہ حضرت ابوبکرؓ سے برعکس ہوئے اور حضرت معاویہؓ بہ نسبت حضرت عمرؓ کے حضور علیہ السلام کے ساتھ زیادہ قربت والے تھے اسی لئے حضرت معاویہؓ نے اوپر والی بات کہی ہے۔

حضرتؒ کا یہی ارشاد فیض الباری ص ۱۰۰/۴ میں بھی ہے اور حاشیہ بخاری میں فتح الباری سے یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمر کی رائے حضرت معاویہؓ سے مختلف تھی۔

آخر میں حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت مہدی علیہ السلام سے بھی یقیناً افضل ہیں۔

(نوٹ) حضرتؒ کے ارشاد مذکور سے واضح ہوا کہ قرابت نبوی کا درجہ کتنا ہی زیادہ بھی ہو تو وہ ذاتی فضیلت ومنقبت کے وہ مدارج حاصل نہیں کرسکتا جو خلافت نبوی کے لئے ضروری واہم تر ہیں۔ اسی لئے حضرت علی وعثمانؓ کی خلافت موخر ہوگئی اور اسی سے ہمیشہ کے لئے امارت ایسی اہم ترین ذمہ داری کے واسطے بہ نسبت وراثت وقرابت کے ذاتی فضائل ومناقب کو ہی ترجیح حاصل ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اوپر کی تفصیل سے یہ زریں اصول امت محمدیہ کے لئے ہمیشہ کے واسطے قائم ہوگیا کہ کسی بھی اہم ذمہ داری کے منصب وعہدہ کے لئے نسب ووراثت وقرابت کی بجائے اس عہدہ کے واسطے ذاتی کمالات وفضائل اور اہلیت وصلاحیت ہی کو ترجیح دینی چاہئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام العصر شاہ صاحبؒ کے ملفوظات گرامی مدت ہوئی ''نطق انور'' حصہ اول کے نام سے شائع ہوئے تھے اب نئی کوشش سے باقی دوسرے ملفوظات بھی جمع کئے گئے ہیں اور ان سب کا یہ مجموعہ عزیزم عالی قدر مولانا محمد انظر شاہ صاحب سلمہ عمدہ اہتمام سے شائع کررہے ہیں۔

انوار انوری کا ابتدائیہ

ایک مجموعہ حضرت مولانا محمد انوری لائلپوری انوری قادریؒ نے بھی جنوری ۱۹۶۸ء میں ''انوار انوری'' کے نام سے شائع کیا تھا جو حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ دیوبند کے تلمیذ حدیث تھے ان کو بھی حضرتؒ کے علوم سے بڑا شغف تھا اور حضرتؒ کی معیت سفر وحضر کا بھی

بڑا شرف حاصل فرمایا تھا۔ آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ ان کے جمع کردہ ملفوظات کو بھی یہاں شامل کیا جارہا ہے جو ص سے ص تک ہیں)

اس میں حضرت شاہ صاحبؒ اور دوسرے اکابر کے حالات وسوانح کے علاوہ دوسرے بھی بے شمار علمی افادات ہیں جن کو ہم یہاں نہیں لے سکے۔ حضرت مؤلف انوار انوریؒ نے فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ ایک قطرہ ہے بحر محیط کمالات انوری میں سے۔ اس لئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پورے علوم کا احاطہ کرنا بڑا مشکل کام ہے ہمارے جیسے ہیچمدانوں کی کہاں وہاں تک رسائی ہوسکتی ہے۔

خود فرمایا کرتے تھے ہمیں مدت العمر کوئی صحیح مخاطب نہیں ملا۔ اس کتاب کو آپ حضرات بغور مطالعہ کر کے کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علوم انوری اتنے بے بہا تھے آپ کی کتاب اینا اس کا جو مطالعہ کرے حالانکہ وہ مختصر ہے تو پتہ چلے گا کہ گویا ساری عمر رد عیسائیت میں لگائی ہے اسی طریقے سے سبھی کتابیں ہیں۔

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

پھر حضرت شاہ صاحبؒ سے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ کے حسب ذیل ارشادات نقل کئے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ کا قصیدہ مدحیہ

حامداً ومصلیاً۔ روض الریاحین مصنفہ مولانا کفایت اللہ صاحب مرحوم مفتی مدرسہ امینیہ دہلی جس کے چار شعر نقل کئے جاتے ہیں۔ مولانا کفایت اللہ صاحب کا نہایت بلیغ قصیدہ ہے جس میں مدرسہ امینیہ دہلی کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کی تعریف بیان کی گئی ہے اور سولہ صفحے پر ختم ہوا۔ پہلا شعر ہے۔

عرفت اللہ ربی من بعید فکم بین الالہ والعبید

اصل میں یہ قصیدہ مدرسہ امینیہ ۱۳۲۶ھ کی روئیداد میں چھپا تھا۔ پھر اس کو علیحدہ رسالہ کی

شکل میں چھپوایا گیا۔

و نختم ذا الکلام بذکر حبر	فقید المثل علام فرید
اب ہم ایک بڑے عالم کے ذکر پر یہ کلام ختم کرتے ہیں	وہ بے نظیر علامہ یکتائے زمانہ ہیں
مریغ العلم مقتنص الفنون	لہٗ کل المزایا کالمصید
علم کو ڈھونڈ نکالنے والے فنون کو شکار کرنے والے	تمام فضیلتیں ان کے فتراک کا شکار ہیں
نبیہ فائق الاقران یدعیٰ	بانور شاہ[1] مرموق الحسود
بزرگ مرتبہ ہمسروں پر فائق جن کو	انور شاہ کہہ کر پکارا جاتا ہے حاسدوں کے محبوب
فھٰذا الحبر غارس ذی النخیل	واول موقظ القوم الرقود
کیونکہ یہ علامہ اس درخت کے لگانے والے ہیں	اور سوتی قوم کو اول اول جگانے والے ہیں

---

[1] **حضرت شاہ صاحب کے حالات و کمالات کا ذکر:** علامہ فہامہ جناب مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب ساکن کشمیر بے نظیر شخص ہیں۔ ذہن وذکا۔ ورع وتقویٰ میں فرد کامل مدرسہ ہذا میں مدرس اول تھے بلکہ جیسا آئندہ شعروں میں بیان کیا گیا ہے اس شجر علم کے لگانے والے آپؒ ہیں۔ کیونکہ مولوی محمد امین الدین صاحب جب دہلی تشریف لائے تو مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کے پاس نہ سامان تھا نہ روپیہ۔ آپ نے محض متوکلاً علی اللہ سنہری مسجد میں پڑھانا شروع کیا۔

اور مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب آپ کے شریک تھے دونوں صاحبوں نے جس طرح تکلیفیں اٹھائیں فاقے کئے مگر استقلال کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آہستہ آہستہ اہل دہلی کو خبر ہوئی اور لوگ متوجہ ہونے لگے یہاں تک کہ مدرسہ امینیہ اس حد تک پہنچا جو آپ کی نظر کے سامنے ہے۔ غرض کہ ابتدائی زمانہ کی کسمپرسی کی حالت میں مولوی محمد انور شاہ صاحب اس مدرسہ کے اعلیٰ واول محسن ہیں۔ ان کا شکریہ ادا کرنا اور ہمیشہ ان کو یاد رکھنا اہل مدرسہ کا فرض ہے۔ مولانا نے ایک عرصہ تک مدرسہ ہذا میں درس دیا اور طلباء کو مستفید فرمایا۔ پھر والدین سلمہما اللہ تعالیٰ کے تقاضے اور اصرار سے وطن تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۵ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی پر دہلی میں دو ماہ قیام فرمایا اور اب بھی وطن میں تشریف رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مولانا کو تادیر سلامت رکھے اور ان کے بے نظیر علمی کمال سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ آمین ۱۲ منہ۔

یہاں تک تو حضرت مولانا کفایت اللہؒ کا کلام تھا۔ آگے حضرت شاہ صاحبؒ خود فرماتے ہیں:۔

خود فرماتے تھے کہ جب میں نے شروع شروع میں مدرسہ امینیہ میں پڑھانا شروع کیا۔ ۱۳۱۵ھ تھا۔ شروع شروع میں مدرسہ میں کوئی آمدنی نہ تھی۔ محض توکل پر گزارا تھا۔ پھر دو سال کے بعد اہل دہلی کو توجہ ہوئی اور مدرسہ میں روپیہ آنے لگا تو مہتمم صاحب نے میری تنخواہ پانچ روپے کر دی۔

شاہ عبدالقادر کا تلمذ و عقیدت: میں وہی پانچ روپے مدرسہ میں ماہوار چندہ دے دیتا تھا۔ پھر آئندہ سال میری تنخواہ دس روپے ہو گئی پانچ روپے ماہوار تو میں مدرسے کو چندہ دے دیتا اور پانچ روپے مہتمم صاحب کی ملک کر دیتا کہ آپ مجھے اللہ کے واسطے کھانا دے دیا کرو''۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مربع نعتیہ فارسی

(از حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ)

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم

از سفر وا ماندہ آخر طالب منزل شدم
کر نگا پو سو بسو شام غریباں در رسید

دشت وگلگشت و بہارستاں وخارستاں بہم
فکر وہم ہمدم نفس اندر قفس زاد رہم

پیش وپس بانگ جرس از کارواں در ہر قدم
دیدۂ عبرت کشودم مخلصے نامد پدید

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رمضان گزارنے کے لئے گنگوہ تشریف لے جایا کرتے تھے کبھی دیوبند جاتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی پڑھتا تھا تو میں نے سنا کہ مولانا کریم بخش صاحب گلاؤٹھی ضلع بلند شہر سے حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کرنے تشریف لائے ہیں میرے چونکہ مولانا کریم بخش صاحب استاد تھے میں بھی گیا یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا مولانا کریم بخش صاحب تو ملے نہیں حضرت شاہ صاحب کو دیکھا کہ مدرسہ امینیہ کے اندر بیٹھے ہیں اور ذکر جہری سے اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ تب میں سمجھا کہ حضرت صوفی بھی ہیں یہ تو حضرت شاہ صاحبؒ نے خود فرمایا تھا۔ بہاولپور کے مقدمہ میں احقر نے ریل گاڑی میں جب امرتسر سے لاہور کو چلے سوال کیا کہ آپ کو اجازت کن بزرگوں سے ہے تو فرمایا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ ۱۳۱۹ھ میں حضرتؒ نے مجھے حدیث کی سند بھی دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی دی۔ ویسے تو ہمارا سلسلہ دس پشت سے سہروردی ہے اور مجھے حضرت مولانا محمد معظم شاہ والد صاحب سے بھی اجازت ہے۔

فائدہ: حضرت شاہ صاحب عموماً سہروردی سلسلہ میں اور چشتیہ سلسلہ میں بیعت کرتے تھے۔ دونوں حضرات کے ذکر تلقین کرتے تھے۔

علامہ تیموی محدث کا ذکر: ۱۳۱۵ھ سے پانچ سال تک دہلی میں رہے۔ پھر والد صاحب کے اصرار پر کشمیر تشریف لے گئے اور بارہ مولا میں مدرسہ فیض عام جاری کیا۔ غالباً پھر حج کو تشریف لے گئے۔ خود فرماتے تھے کہ میں مدینہ منورہ پہنچا تو مولانا ظہیر احسن صاحب شوق نیموی رحمہ اللہ کے لئے دعائے مغفرت ہو رہی تھی مدینہ منورہ مسجد نبوی میں تب معلوم ہوا کہ حضرت نیوی کا وصال ہو گیا۔ یہ بہت بڑی محدث ہو گزرے ہیں صاحب تصنیف ہیں۔ آثار السنن ان ہی کی ہے اور جامع الآثار مع الانوار وغیرہ ان کے مصنفات ہیں یہ بزرگ بہت اللہ سے ڈرنے والے صاحب ورع اور صاحب اتقا تھے۔ اپنی کتاب کتاب آثار السنن جب تصنیف کر چکے تو ایک ایک جز مجھے کشمیر میں بھیجا کرتے تھے۔ (یہ بات مجھے مفتی فقیر اللہ صاحب نے بھی سنائی تھی)

شاہ صاحب درس مسجد نبوی: مدینہ منورہ میں روضہ پاک کے پاس مسجد نبوی میں بھی آپ نے (شاہ صاحب نے) درس حدیث دیا ہے اہل مدینہ خصوصاً علماء بہت متوجہ ہوئے اکثر مسائل کا جواب آپ نے ان کو رسالوں کی شکل میں دیا۔ جو علماء دیوبند ان دنوں وہاں رہتے تھے۔ انہوں نے کوششیں کیں کہ شب باشی آپ کی مسجد نبوی میں ہو۔ پھر حج[۱] سے واپسی پر دیوبند تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[۱] یہ واقعہ ہمارے استاد مولانا فقیر اللہ صاحب نے ذکر کیا جو کہ ان دنوں میں دیوبند پڑھتے تھے

تا سروش غیب از الطاف قدسم یاد کرد — رحمت حق ہمچومن درمانده را امداد کرد
با من خیر الوریٰ بہر نجات ارشاد کرد — مقصد ہر طالب حق آں مراد ہر مرید
قبلۂ ارض و سما مرآت نور کبریا — سید و صدر علیٰ شمس ضحیٰ بدر دجےٰ
شافع روز جزا وانگہ خطیب انبیاء — صاحب حوض ولواء ظل خدا رو عتید
صاحب خلق عظیم و مظہر جود عمیم — آیت رحمت کہ شان اور رؤف ست ورحیم
رحمۃ للعالمین خواندش خداوند کریم — خلق وخلق وقول وفعل وہدی وسمت اوحمید
دست او بیضا ضیا جود تر از باد صبا — حبذا وقت عطا ابر سخا آب بقا
وقف امر عالمے برضحک آں رحمت لقا — عام اشبب از جمال طلعتش عید سعید
داغ مہر او چراغ سینہ اہل کمال — شور عشقش در سر عمار و سلمان و بلال
ثبت برایمائے وے نعمان ومالک بے خیال — والہٰ آثاروے معروف شبلی بایزید
از حدیث وے سمر در حیطۂ اھل اثر — مسلم ومثل بخاری وقف بر وصل سیر
سنت بیضائے وے نور دل ہر بابصر — اتقیا را اسوۂ اقدام وے تقلید جید
سید عالم رسول و عبد رب العالمین — آں زماں بوده نبی کآدم بد اندر ماوطین
صادق ومصدوق وحی غیب ومامون وامین — در ہر آں چیزے کہ آورد ست از وعد ووعید
منیر او سدره و معراج او سبع قباب — در مقام قرب حق بر مقدم او فتح باب
کاندر انجا نور حق بود ونبد دیگر حجاب — دیدو بشنید آنچہ جز وے کس نہ بشنید ونديد

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور دیگر علماء سے ملے۔ پھر شیخ الہند اور مولانا حبیب الرحمٰن مولانا حافظ محمد احمد مولانا احمد حسن امروہوی کے باہمی مشورہ سے طے پایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو تار دیا جائے کہ کشمیر سے دیوبند استاد ہو کر تشریف لائیں۔ جب سے ڈابھیل تشریف لے جانے تک دیوبند ہی رہے۔

فائدہ: یہ واقعہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دار العلوم دیوبند نے ۱۳۳۹ھ میں سنایا تھا جبکہ حضرت شیخ الہندؒ کے وصال پر نودرہ میں جلسہ ہو رہا تھا۔

شاہ صاحب کے اساتذۂ حدیث: حضرت کے استاذ حدیث مولانا محدث محمد اسحاق بھی ہیں جو مولانا خیر الدین آلوسی بغدادی کے تلمیذ ہیں۔ وہ اپنے والد صاحب مولانا سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی کے شاگرد ہیں۔ ایک استاد مولانا حسین جسر طرابلسی ہیں جو کہ اپنے والد کے شاگرد ہیں ان کا سلسلہ علامہ شامی اور علامہ طحطاوی تک پہنچتا ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحب کے حدیث کے استاد ہیں۔

اب آگے حضرت کے کچھ علمی مضامین درج کئے جاتے ہیں:۔

مدح حالش رفع ذکر وشرح وصفش شرح صدر او امام انبیاء صاحب شفاعت روز حشر

ہمگناں زیر لوائش یوم عرض ونیست فخر سید مخلوق و عبد خاص خلاق مجید

اخیر و خیر الوریٰ خیر الرسل خیر العباد قدوۂ اہل ہدایت اسوۂ اہل رشاد

نغمۂ از ہمت او خلق را زاد معاد عالم از رشحات انفاس کریمش مستفید

انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او برتر از آیات جملہ انبیا آیات او

مشرق صبح وجود ماسوا مشکوٰۃ او مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید

دین او دین خدا تلقین او اصل ہدیٰ نطق او وحی سما حقا نجوم اہتدا

صاحب اسرار اور نموس اکبر برملا علم او از اولین و آخریں اندر مزید

مولدیں ام القریٰ ملکش بشام آمد قریب خاک راہ طیبہ از آثار وے بہتر زطیب

شرق وغرب از نشر دین مستطابش مستطیب امتش خیر الامم بر امتاں بودہ شہید

خاص کردش حق باعجاز کتاب مستطاب حجت وفرقان ومعجز محکم وفصل خطاب

نجم نجمش در براعت ہست برتر زآفتاب حرف حرف او شفا ہست و ہدیٰ بہر رشید

الغرض از جملہ عالم مصطفٰی و مجتبٰے خاتم دور نبوت تا قیامت بے مرا

افضل و اکمل ز جملہ انبیاء نزد خدا نعت اوصاف کمال او فزوں تر از عدید

تا صبا گلگشت گیہاں کردہ میباشد مدام بوئے گل بردوش وے گردد بعالم صبح وشام

باد بروے از خدائے وے درود وہم سلام نیز بر اصحاب و آل و جملہ اخیار عبید

وز جناب وے رضا بر احقران مستہام خاصہ آں احقر کہ افقر ہست از جملہ انام

مستغیث ست الغیاث اے سرور عالی مقام در صلہ از بارگاہ ہست در نشید ایں قصید

۲، ۳، ۴ دسمبر ۱۹۲۷ء کے جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس پشاور میں صدارت کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

عالم کے تغیرات کسی قدرت قاہرہ کا پتہ دیتے ہیں

محترم حاضرین! خدائے قدوس کی قدرت کاملہ نے اگرچہ نظام کی بنیاد تغیر وتبدل پر رکھی ہے اور اس کی تمام تر فضاء انقلابات وحوادث سے معمور ہے۔ جیسا کہ مشہور مقولہ ہے:۔

کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

تاہم اس کے نظام کو مصالح کلیہ کے مناسب ایک منظم لڑی میں منسلک کر دیا ہے۔ اور جملہ مسببات عالم کو سلسلہ اسباب کی وابستگی سے خالی نہیں چھوڑا قدرت کاملہ نے یہ لوٹ پھیر اس لئے مقرر کیا ہے کہ اگر عالم میں گونا گوں تغیرات وانقلابات نہ ہوتے اور روز روشن شب تاریک کے ساتھ میدان مسابقت میں اس طرح نبرد آزمانہ ہوتا تو کوئی شخص ید قدرت کا جو بالا و پست تمام موجودات پر حاکم اور اس میں کار فرما ہے قائل نہ ہوتا اور عالم کی یکساں حالت کو دیکھ کر اس کی طبیعت اصلیہ کا نتیجہ سمجھتا اور کبھی نہ جانتا کہ اس بہترین نظام میں کوئی اور قوت کار فرما ہے۔

خیال فرمایئے کہ اگر آفتاب عالم تاب میں طلوع وصعود زوال وغروب اور اس کی شعاعوں میں ترقی وتنزل نہ ہوتا اور تاریکی کے بعد نور کا ظہور اور جلوہ گری نہ ہوتی اور نور کے بعد تاریکی نہ آتی اور فضائے عالم ہر وقت نورانی رہتی تو کوئی شخص یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ عالم کی یہ نورانیت چشمہ خورشید کی مرہون منت ہے۔ بلکہ وہ اس یقین کرنے پر مجبور ہوتا کہ طبیعت عالم ہمیشہ سے اسی طریق پر قائم ہے اور اس کی نورانیت کی مقتضی ہے۔ بقول قائل

تابود زمانہ ایں چنیں بود

عارف جامی قدس اللہ سرہ ارشاد فرماتے ہیں

ظہور جملہ اشیاء بضد است — دلے حق را نہ ضد است و نہ نداست

اگر خورشید بر یک حال بودے — شعاع او بیک منوال بودے

ندانستے کسے کیں پر تو اوست — نہ بودے ہیچ فرق از مغز تا پوست

الحاصل:۔ فطرت الٰہیہ نے اس لئے عالم کو تغیر وتبدل کے چکر میں ڈال رکھا ہے تا کہ یہ انقلاب وتحول اہل بصیرت کے لئے اس بات کی دلیل ہو جائے کہ اس کے تمام تر مظاہر و شیون میں دست قدرت کار فرما ہے۔ اور سطح عالم اس بات پر شاہد ہے کہ اس کا وجود خود بخود نہیں ہے بلکہ کسی دوسری قوت کا دست نگر اور کسی قوت قاہرہ کا تابع فرمان ہے۔ عقلاء حکماء نے عالم کی اس منقادانہ حیثیت کو بہت سے دل پسند طریقوں سے بیان کیا ہے۔ خاکسار نے بھی اس کو ایک قطعہ میں ظاہر کر دیا ہے۔

جہاں چونقش ونگارے است از ید قدرت — کہ بہر خویش چو نبود نمود بے بود است
سمات عجز و تسخیر ہر یکے پیدا — بقید سخت دریں قید خانہ مسدود است
نہ خود بخویش کہ برآمدہ زدست دگر — چناں کہ نقش کہ حیران و دیدہ بکشودہ است

یعنی ہستی عالم جو بہمہ خوبی قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں کا بہترین نقش ونگار ہے جبکہ خود اپنے لئے نہیں ہے تو پھر وہ ایک نمائش اور دکھاوٹ ہے اس لئے کہ کارخانہ عالم کی تمام اشیاء ید قدرت میں مسخر اور اس قید خانہ کی قید سخت میں گرفتار اور عاجز ہیں اس کا وجود اور اس کی ہستی اپنے ہاتھوں نہیں ہے بلکہ اس کا وجود ایک دوسرے ہاتھ سے کتم عدم سے نکل کر منصہٴ شہود پر اس طرح جلوہ نما ہوا ہے جس طرح کہ تصویر آنکھیں پھاڑے ہوئے بشکل حیران اپنے مصور ونقاش کا پتہ دیتی ہے۔ لیکن عالم کی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کے باوجود اس نظام و ترتیب کا ہونا اس لئے ضروری تھا کہ اگر یہ جہاں بہترین نظم کے ساتھ منتظم نہ ہوتا اور اشیاء عالم کے درمیان ارتباط ورشتہٴ اتحاد قائم نہ کیا جاتا تو عالم کی تمام اشیاء میں تجاذب وتصادم کا ایک طوفان برپا ہو جاتا اور زمین وآسمان اور تمام اجسام ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جاتے اور عالم کی پیدائش اور وجود میں آنے پر کوئی فائدہ مرتب نہ ہوسکتا۔

عالم کبیر و عالم صغیر کی تشریح

حضرات! مجموعہٴ عالم جس کو عالم کبیر یا شخص اکبر سے تعبیر کرتے ہیں اس کی ترکیب وتنظیم کو عالم صغیر یا شخص اصغر یعنی انسان پر قیاس کرنا چاہئے پس جس طرح شخص اصغر یعنی وجود انسانی کا نظم قلب ودماغ اور جوارح کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ تمام ملکات واخلاق کا حامل ومنبع قلب ہے اور معارف وعلوم کا حامل دماغ اور تمام اعمال وافعال کے مظاہر ترک واختیار کی تمام حرکات پہلے قلب سے اسی طرح صادر ہوتی ہیں جس طرح بادشاہ کی جانب سے اوامر وفرامین صادر ہوتے ہیں پھر قلب کی اس جنبش کا دماغ پر اثر پڑتا ہے اور دماغ اس کی صحیح تصویر اور موزوں نقشہ کھینچتا ہے اس کے بعد اعضا وجوارح انسانی اس کے امتثال میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔ گویا یوں کہنا چاہئے کہ قلب ایک بادشاہ ہے دماغ اس کا وزیر۔ اور اعضاء اس کے خدم وحشم ہیں۔ اس لئے تمام امور انسانیہ کے اصلاح وفساد کا مدار قلب پر ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے۔

ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله

یعنی جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب تک وہ صحیح رہتا ہے تمام جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب اس میں فساد آ جاتا ہے تو کل جسم فاسد ہو جاتا ہے اور دماغ بجائے مشیر خیر یا شر کے ہے اور اعضاء و جوارح رفیق نیک یا رفیق بد۔ ٹھیک اسی طرح شخص اکبر (مجموعۂ عالم) کے لئے بھی قلب اور دماغ اور اعضاء و جوارح ہیں۔ اس شخص اکبر کا قلب تو وہی ہے جس کو اصلاح شریعت میں اولی الامر یا اصحاب حل وعقد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا دماغ حکماء و علماء شریعت عراء ہیں اور اس کے اعضاء و جوارح عامہ افراد خلق۔

فریضۂ تبلیغ اسلام

مسائل ضروریہ میں سے ایک اہم مسئلہ فریضۂ تبلیغ اسلام اور پیغام توحید و رسالت کا ہے جس کے بغیر بقائے دین متین کسی طرح متصور نہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تبلیغ اور پیغام رسانی کے حق کا یہ اہم فرض صرف اسلام ہی کا حصہ ہونا چاہئے اس لئے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں حق اور صحیح راہ کی تعلیم ایک ہی مذہب دے سکتا ہے اور جو مذہب اپنے اندر خود سچائی اور راستی رکھتا ہو اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ دنیا میں تبلیغ اور پیغام حق کا کام انجام دے۔ لہٰذا اس اصل پر نظر رکھتے ہوئے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے ہادی اور پیغمبر نے ہر حرکت و سکون کے وقت خدا کی یاد کی تعلیم دی ہے۔ پیغمبر اسلام کی تعلیم جو آج دنیا میں شرق سے غرب تک پھیلی ہوئی ہے اس کے دیکھنے سے ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ اس ہادی برحق نے اپنی امت کے لئے ایک وقت بھی ایسا نہیں چھوڑا جس میں بندہ کو خدا کی یاد سے غافل رہنے دیا ہو آپ نے ہر مسلمان کو تعلیم فرمائی ہے کہ کھانے اور پینے کے شروع میں اور اس کے ختم پر اور سوتے وقت اور سونے سے جاگنے اٹھنے پر صبح و شام اور گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلتے وقت اور مسجد میں داخل ہونے اور پھر اس سے باہر آنے کے وقت اور بیت الخلاء میں داخل ہونے اور اس سے خارج ہونے کے اوقات میں اور بازاروں کے جانے کے لئے اور ٹیلوں پر چڑھنے اور اترنے کے لئے اور اس کے علاوہ تمام اوقات میں جو انسان پر گزرتے ہیں۔

خدائے قدوس کا ذکر ہر حال میں ضروری ہے

خدائے قدوس کا ذکر کرو اور اس کا نام ہر وقت اور اپنی ہر حالت نشاط واندوہ میں خدا کو کبھی نہ بھولو اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس امر وقیع کو خدا کا نام لئے بغیر شروع کیا جائے وہ ناتمام اور بے کار رہے۔

راہ تو باہر روش کہ پویند نکوست ذکر تو بہر زباں کو گویند خوش است

اب آپ ہی فرمائیے کہ نصاریٰ کس چیز کی تبلیغ عالم کے سامنے کریں گے۔ مسئلہ تثلیث کی جس کا یہ حال ہے کہ آج تک وہ اس کی حقیقت خود بھی نہیں سمجھ سکے۔

او خویشتن گم است کا رہبری کند

میرا خیال تو یہ ہے کہ دانایان فرنگ نے جو بالطبع نفع عاجل اور فوری نتیجہ کے طالب اور خواہشمند ہیں جب یہ دیکھا کہ بغیر داموں مفت تین خدا ملتے ہیں تو ان کو اس کی خریداری میں کچھ تامل نہ ہوا اور بغیر کسی پس وپیش کے بمصداق ''داشتہ آید بکار'' اس کے خریدار بن گئے ورنہ انہوں نے جو تفنن طبع اور جولانی اس مسئلہ کی تعبیر میں دکھلائی ہے اور تثلیث کو حل کرنا چاہا ہے اور اس کی تنقیح میں وقت صرف کیا ہے اس سے بغیر نقصان کے کوئی نفع اس کے حل کرنے میں ان کو حاصل نہیں ہوا اور بے مغز اور غیر وقیع باتوں کے سوائے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔

ع شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

اکثر عقائد نصرانیت بت پرستوں سے ماخوذ ہیں

اور اگر کسی نے کتاب (العقائد الوثنیہ فی الدیانۃ النصرانیہ) کا مطالعہ کیا ہے تو وہ اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے کہ عقائد نصرانیت کے اکثر اصول وثنیوں اور بت پرستوں سے مستفاد ہیں بلکہ ان مسائل کی تعبیر اور محاورات تک میں یہ امر بداہت کے درجے میں ثابت ہے اس کے علاوہ مروجہ انجیلوں سے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت زمانہ بعد کی تالیف ہیں بلکہ حسب تحقیق آج تک ان کے مؤلفین کا بھی حال معلوم نہیں کیا کوئی مستفید ہو سکتا ہے اور کیا ان سے مذہب وملت کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں بجز اس کے تم کچھ اور نہ پاؤ گے کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام فلاں گروہ کے درمیان سے اس طرح گزرے اور فلاں گروہ کے درمیان اس طرح اور لوگوں کی بھیڑ ان کے درپے اس طرح ہوئی اور اس طرح کیا۔ ان چناں اور چنیں کی طفل تسلیوں سے کسی عاقل اور محقق کا کوئی کام نکل سکتا ہے۔ یا اس کا کوئی صحیح راستہ مل سکتا ہے؟

نیز اگر آپ ان کلمات پر غور فرمائیں گے جو کہ ان کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور جن کو مقالات طیبات شمار کیا گیا ہے تو آپ خود بخود کہہ اٹھیں گے کہ ان میں وہ نورانیت جو وحی الٰہی اور حدیث نبوی میں ہونی چاہئے قطعاً موجود نہیں ہے اور ہرگز کسی طرح یہ ملفوظات مشکوٰۃ نبوت سے نکلے ہوئے نہیں اور ان کے مطالعہ سے بجز کوہ کندن وکاہ برآوردن کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اور باقی رہا وہ فرقہ جو مادہ اور روح کو قدیم بالذات مانتا ہے اس کو مذہب، ملت سے تو کجا خدائے قدوس کی ذات سے بھی کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس مذہب کے اصول مذکورہ کے ماتحت اگر ہم تحقیق وتدقیق سے کام لیں تو ہستی باری تعالیٰ کا وجود بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ ہستی باری تعالیٰ پر اگر کوئی دلیل قائم کی جاتی تو وہ یہی ہے کہ یہ سارے کا سارا عالم جو ممکن الوجود ہے غیر کے ہاتھوں قائم ہوا ہے۔ جس کا قیام دوسری قوت کا محتاج نہ ہو۔

قدیم بالذات تمام نقائص سے بری ہے

اور جب اس گروہ نے مادہ اور روح کو بھی قدیم بالذات مان لیا تو اب کسی قیوم کی کیا حاجت رہی۔ جس کو ہم اور تم خدا کہتے ہیں اور اس ناخواندہ مہمان کو کہاں جگہ دیں گے۔

ممکن ہے کہ اس جگہ پر یہ خدشہ پیدا ہو کہ روح اور مادہ اگرچہ قدیم بالذات ہیں لیکن پھر بھی وہ کسی قیوم بالذات کے اس لئے محتاج ہیں کہ یہ دونوں ناقص ہیں اور ضرورت نظام عالم اس کو مقتضی ہے کہ ان کے لئے ایک ایسا واجب الوجود ہو جو قدیم بالذات کے ساتھ ساتھ تمام صفات میں کامل ہوتا کہ وہ ان سے کام لے تو یہ خدشہ کم علمی اور نقصان فہم پر مبنی ہے اس لئے کہ یہ کسی طرح عقل میں نہیں آسکتا کہ جو شئے قدیم بالذات ہو وہ ناقص بھی ہو کیا آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ کوئی شئے وجود میں جو کہ تمام صفات میں اعلیٰ اور اعظم صفت ہے تو کسی کی محتاج نہ ہو بلکہ خود ہی اپنی ذات سے موجود ہو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی دوسری صفات میں ناقص رہ

جائے اوران میں کامل نہ ہو سکے اور کسی دوسری قدیم بالذات کی محتاج رہے۔ کیا دنیا میں کوئی شئے بھی اپنے کو بحالت خودمختاری ناقص رکھنا گوارہ کرسکتی ہے اور اگر وہ ان صفات کے ناقص رکھنے میں مجبور ہے تو سب سے اعلیٰ واکمل صفت وجود میں وہ کسی طرح دوسرے کی احتیاج سے مستغنی ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ روح اور مادہ کوان کی صفات میں ناقص مان کر کبھی ان کو قدیم بالذات نہیں مانا جاسکتا اور اگران کوذات وصفات میں مکمل مانا جائے تو پھر واجب الوجود عزہ اسمہ کے ماننے کی کوئی حاجت نہیں رہتی اور اگر یہ کہا جائے کہ قدیم بالذات اور قدیم بالغیر دونوں امکانی قسمیں تھیں تو ضرورت تھی کہ بلحاظ استیفائے اقسام یہ دونوں وقوع پذیر ہوں۔ اس لئے دونوں احتمال کو مان لینا اوران پر ایمان رکھنا استیفاء کو مفید ہوگا تو یہ نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان بلکہ ایک خوش کن خطابت ہے اس کی کیا دلیل کہ احتمالات ممکنہ سب متحقق ہوجائیں۔

ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ عالم کی اکثر اشیاء میں تمام احتمالات ممکنہ کا استیفاء اور تحقق نہیں ہوتا۔ پھر عالم غیب کی باتوں پر اٹکل کے تیر لگانا کہاں تک درست ہے۔ علاوہ ازیں مادہ میں جو نقائص ہیں کہ تمام اشیاء سے زیادہ ارذل اور بےشعور شمار ہوتا ہے۔ نیز روح پر جو آلام وہموم کے بیش از بیش حوادث گزرتے ہیں جن کو دیکھ کر یہی کہا جاتا ہے کہ خدا کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے ان کو دیکھتے ہوئے کون عقل مند کہے گا یہ قدیم بالذات ہیں۔

غور تو فرمائیے کہ قدیم بالذات کوان ذلیل ترین نقائص سے کیا سروکار۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کی تمام اشیاء مختلف صورتوں اور نوعیتوں پر قائم ہیں جس کو علمی اصطلاح میں صور نوعیہ کہا جاتا ہے۔ پس اگران سب میں ذرات مادہ متشابہ الوجود اور یکساں ہیں تو یہ صورتوں کا اختلاف جو رنگارنگی عالم میں موجود ہے کس طرح پیدا ہوگیا۔ کیا دنیا میں آپ کوئی ایسی نظیر دکھا سکتے ہیں جو متشابہ الوجود اور ایک رنگ ہونے کے باوجود مختلف الوجود اور مختلف الانواع کا موجب ہو۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ صور کا یہ تنوع اور اختلاف بھی قدیم بالذات ہے۔ تو پھر تھوڑی سی سخاوت اور بھی فرمائیے اور صاف کہہ دیجئے کہ یہ نظام عالم اوراس کی ہر شئ بھی جو تغیرات وحوادث پر ہے قدیم بالذات ہے تاکہ ہستی باری تعالیٰ واجب الوجود کے انکار میں کوئی شے حائل نہ ہو اور اس اہم ترین بار سے سبکدوشی حاصل ہوجائے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک

بغیر مادہ کے عدم سے وجود اشیاء کی صورت

البتہ آپ شبہ کر سکتے ہیں کہ اگر مادہ موجود نہ تھا تو پھر عدم سے وجود کیسے بنا لیکن یہ مغالطہ دشوار اور امر لا ینحل نہیں اس لئے کہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ کوئی فاعل اپنے فعل میں مادہ کا محتاج نہیں ہوتا۔

انسان وحیوان کو دیکھئے کہ وہ کبھی حرکت کرتے اور کبھی ساکن رہتے ہیں اور یہ حرکت وسکون ان کا فعل ہے جس میں وہ کسی مادہ کے جو کہ ان کی اس حرکت یا سکون کا محسل بن سکے محتاج نہیں۔

ایک انسان کبھی اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھاتا اور نیچے کر لیتا ہے اور کبھی خاموش کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ ان تمام افعال میں کسی مادہ یعنی لکڑی پتھر لوہے کا محتاج نہیں ہے کہ جب تک وہ نہ ہو یہ شخص ان حرکات کو پورا نہ کر سکے۔ ہاں کوئی فاعل مادہ کا محتاج اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا فعل کسی دوسرے فاعل کے مفعول پر واقع ہو اس کو اس طرح سمجھئے کہ ایک بڑھئی تخت کو بنانا چاہتا ہے تو اس وقت جبکہ وہ تخت کو بنائے گا چار چیزیں موجود ہوں گی۔ ایک بڑھئی دوسری نجارت یعنی اس کا عمل یا فعل جو اس کے ہاتھ کی حرکت ہے۔ تیسری لکڑی چوتھی تخت کی وہ صورت و ہیئت جو بننے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ تو بڑھئی اپنے اس فعل و عمل میں جس کو ہم اس موقع پر نجر یا گھڑنے سے تعبیر کرتے ہیں کسی مادہ کا محتاج نہیں بلکہ اس کی فاعلیت کے لئے صرف ہاتھ کی حرکت کافی ہے۔ لکڑی ہو یا نہ ہو البتہ جبکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لکڑی کا تخت بنا دے تو اس وقت وہ مادہ یعنی لکڑی کا محتاج ہے اور ظاہر ہے کہ خود لکڑی اس کا مفعول نہیں ہے اور نہ نجار اس کا فاعل بلکہ اس کا فاعل دوسری ہستی ہے اس کا مفعول جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں صرف اس کی حرکت ہے۔ الحاصل کوئی فاعل جب ان چار چیزوں میں سے دوسری چیز کو پیدا کرے یعنی اپنے فعل کو تو وہ کسی اور چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ فاعل حقیقی اور اس کے مفعول کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہو سکتی ورنہ وہ فاعل حقیقی نہیں ہو سکتا ہاں اگر وہ چوتھی چیز بنانا چاہے تو وہ بغیر کسی تیسری چیز کے چوتھی چیز نہیں بنا سکتا۔ اس لئے چوتھی چیز پہلے تیسری کا ہونا ضروری ہے جب آپ اس اہم مقدمہ کو سمجھ گئے اور یہ امر آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو آپ خود بخود سمجھ لیں گے کہ یہ

سارا عالم فاعل حقیقی خدا کا فعل ہے

سارے کا سارا عالم خواہ جواہر ہوں یا اعراض فاعل حقیقی یعنی خدائے قدوس کا فعل ہے اور جس طرح انسان اپنی حرکت وسکون بغیر مادہ کے پیدا کر لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عالم کو کتم عدم سے نکال کر موجود کر دیا اور چونکہ حق تعالیٰ یعنی فاعل حقیقی کے لئے عالم دوسری چیز تھا نہ کہ چوتھی چیز اس لئے وہ تیسری چیز سے قطعاً مستغنی رہا اور اس کو کسی اور شئے کی کوئی احتیاج نہ پڑی۔

نیز جب کہ ہر مذہب وملت اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ بارگاہ صمدیت حدود زمانہ سے منزہ اور برتر ہے یعنی زمانہ کی حدود میں محدود ومحصور نہیں اور اس جناب میں زمانہ معدوم ہے تو پھر اس میں ہی کیا حرج ہے کہ اسی طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ بھی سرے سے معدوم تھا اور اس کا وجود عالم کے وجود کے ساتھ آیا ہے۔ احقر نے اسی کے متعلق لکھا ہے۔

آنکس کہ بابداع زماں رفت نہ فہمید — کز عمر حق ایں حصہ بمخلوق بہ بخشید

چوں واحد حق است بہر مرتبہ باید — نے مرتبۂ ذہن کہ یک گفت بعد ید

وہ شخص کچھ بھی نہ سمجھا جس نے زمانہ کو قدیم سمجھ لیا اس لئے کہ اس نے اپنے عقیدہ کے ماتحت خدائے قدوس کی صنعت قدم کا حصہ زمانہ کے حوالہ کر دیا جبکہ خدائے قدوس کو واحد مانتے ہو تو پھر اس کی وحدت صحیح معنی میں جب ہوگی کہ ہر مرتبہ میں اس کو واحد مانا جائے ورنہ ذہنی مرتبہ میں اس کو واحد کہنا اور پھر زمانہ کو اس کی صفات میں شریک بنانا گنتی میں ایک کہنا نہ کہ حقیقت میں اور شمار میں تو ہر چیز اسی چیز کے مقابلہ میں اول کہلائی جا سکتی ہے قدم تو صفات کمالیہ میں سب سے اونچی اور اعلیٰ صفت ہے اس میں کسی کو شریک ماننا عقل وانصاف دونوں سے بعید ہے اور اگر شبہ کیا جائے کہ اگر عالم کو قدیم نہ مانیں تو خدائے قدوس کا غیر متناہی وقت میں معطل ہو جانا لازم آتا ہے تو یہ بھی سوء فہم اور عقل کی نارسائی ہے اس وقت صفات ربانیہ میں وحدت مطلقہ کا ظہور حق تعالیٰ کو تعطیل سے منزہ اور برتر ثابت کرتا ہے اور یہ بجائے خود ایک عظیم الشان امر ہے عدم تعطیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمام صفات کے مظاہر موجود ہوں۔

مسئلہ ربط حادث بالقدیم کی تحقیق

علمائے محققین نے اسی ربط حادث بالقدیم کے مسئلہ میں بہت کچھ لکھا ہے چنانچہ عارف

جامی جوصوفیائے وجودیہ میں بہت جلیل القدر مرتبہ پر ہیں فرماتے ہیں۔

مجموعۂ کون را بقا نون سبق　　کردیم تصفح ورقاً بعد ورق

حقا کہ ندیدیم و نخواندیم درو　　جز ذات حق و شئون ذاتیۂ حق

ہم نے کائنات کی کتاب کوایک ایک ورق کر کے سبق کی طرح پڑھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم نے ذات حق اور کل یوم ھو فی شان کے مظاہرے کے سوانہ کچھ اس میں دیکھا نہ پڑھا۔

اور مجدد سرہندی کہ صوفیائے شہودیہ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

در عرصۂ کائنات بادقت فہم　　بسیار گزشتیم بسرعت چوں سہم

گشتیم ہمہ چشم و ندیدیم درو　　جز ظل صفات آمدہ ثابت دروہم

میدان کائنات میں ہم عقل وفہم اور دقت نظری کے ساتھ بہت دوڑے اور تیر کی طرح اس میں اس طرح گزرے کہ سرتاپا چشم حقیقت بن گئے لیکن بجز صفات کے پرتو اور اس کی پرچھائیں کے اور کچھ بھی حاصل نہ کر سکے اور وہ بھی ہمیں پوری طرح حاصل نہ ہوسکی۔

اس خاکسار نے بھی اپنی ہیچمدانی کے باوجود بقدر ہمت اس پر کچھ لکھا ہے۔

مجموعۂ کون بود در کتم عدم　　از حرف کن آرد بایں دیر قدم

فعلے است کہ بے مادہ ید قدرت او کرد　　کز ضرب وجودی بعدم نیست قدم

اشارہ کن سے سارا عالم پیدا ہوئے

یہ سارے کا سارا عالم پہلے پردۂ عدم میں تھا اس کے بعد کن کے اشارے سے یہ وجود موجود ہوا۔ یہ خدائے قدوس کا ایک فعل ہے جو اس کے دست قدرت سے بغیر مادہ کے ظاہر ہوا ہے اس لئے کہ اگر وجود کو عدم میں ضرب دیں تو حاصل ضرب قدم نہیں ہوسکتا۔ بلکہ حادث ہی نکلے گا یا یوں کہئے کہ عدم ذاتی ممکن کو وجود واجب ذاتی میں ضرب دیں یعنی اول کا ثانی سے تعلق اور ربط پیدا کریں تو حاصل ضرب یا نتیجہ تعلق حدوث زمانی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا خیر یہ ایک طویل بحث ہے اس جگہ تو صرف اس قدر گزارش کرنا ہے کہ جن مذاہب وملل کا یہ حال ہو کہ نہ ان میں توحید کا پتہ اور نہ ان کے مذہبی اصول کے مطابق خدا کے وجود کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

تو پھر وہ کیا تبلیغ اور پیغام الٰہی پہنچا سکتے ہیں۔ یہ حق اگر ہے تو فقط مذہب اسلام ہی کو

ہے۔ خدائے قدوس مسلمانوں کو توفیق نیک عطا فرمائے کہ وہ اس اہم فریضہ کی طرف پوری قوت سے متوجہ ہوں اور اپنی عام سعی کو اس کام کے لئے وقف کریں۔

حضرات! حقیقتاً اس اہم فریضہ کی اولین خدمت علمائے کرام کا حق ہے اور یہ کام انہی کے سپرد ہونا چاہئے تھا۔ اور قوم کا یہ فرض تھا کہ وہ علماء کا ہاتھ بٹاتے اور اس عظیم الشان مقصد کے لئے بدامے یا درامے یا قدمے یا قلمے ہر طرح امداد کرتے اور اپنے اطمینان کے لئے ان سے برابر حساب لیتے رہتے مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا اور تقسیم کار کو ترک کر کے ہر شخص اور جماعت ہر ایک کام میں دخیل ہو جاتی ہے اور نتیجہ بجز انتشار اور پراگندگی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

اصول تبلیغ

حضرات! جو لوگ اسلام کے اس اہم فریضہ کے لئے تیار ہوں ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ پیغام دین متین اور نشر و ابلاغ حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ اور خلوص نیت اور فراخ حوصلگی اور راست بازی' شیریں کلامی وسعت صدر ایثار' جاں فشانی اور جفاکشی کے اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں اور ایک لمحہ کے لئے ان کے دل میں حرص و طمع غرض نفسانی ریاکاری شوق حصول دنیا نہ آنے پائے ورنہ جو شخص ان امور کا لحاظ نہیں رکھتا اس کی آواز کسی طرح کارگر نہیں ہوتی اور اس کے کلام کا سامعین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

الحاصل:۔ مبلغ کو چاہئے کہ جو کچھ دوسروں کو نصیحت کرتا ہے خود بھی اس پر کاربند ہو۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی ہر ایک بات لوگوں کی نظروں میں دروغ بیانی اور ہرزہ سرائی سے زیادہ وقیع نہ ہوگی۔ خدائے قدوس پیغمبر برحق حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے سلسلہ میں ان کا مقولہ نقل فرماتا ہے۔

وما ارید ان اخالفکم الیٰ ماانھا کم عنہ ان اریدالاالاصلاح مااستطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تم کو منع کرتا ہوں وہ خود کرنے لگوں میرا ارادہ تو سوائے اصلاح اور کچھ نہیں۔ جہاں تک میرے امکان میں ہوگا (اصلاح کروں گا) اور صرف خدا کی طرف سے ہی مجھے توفیق ہوگی اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے:۔ اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

یایها الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتاعندالله ان تقولوا مالا تفعلون.

ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ خدا کے نزدیک بڑے غصے کی بات ہے کہ جو باتیں نہیں کرتے وہ کہو۔

مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ

ہمارے علمائے احناف رحمہم اللہ نے اس معاہدۂ متبرکہ کو سامنے رکھ کر دارالحرب اور دارالامان کے بہت سے احکام و مسائل اخذ کئے ہیں۔

فقہائے احناف رحہم اللہ نے دارالحرب میں عقود فاسدہ کے جواز کا حکم دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ دارالحرب اور دارالاسلام کے احکام میں بہت فرق ہے۔ عقود فاسدہ کے جواز کی اصل ان کے نزدیک یہ آیت کریمہ ہے۔ فان کان من قوم عدولکم و هو مومن فتحریر رقبة مومنة.

یعنی اگر کسی مسلمان مہاجر کے ہاتھ سے کوئی ایسا مسلمان مقتول ہو جائے جو کہ دارالحرب میں رہتا تھا اور اس نے ہجرت نہ کی تھی تو اس قاتل پر کفارہ واجب ہوگا نہ دیت۔ اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اسلام سے اسلام لانے والے کی جان محفوظ و معصوم ہو جاتی ہے۔ مگر عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عصمت مؤثمہ یعنی ایسی عصمت جس کے توڑنے والے پر گناہ تو ہوتا ہے مگر کوئی بدل واجب نہیں ہوتا۔ دوسری عصمت مقومہ یعنی اس کے توڑنے والے پر اس نفس معصومہ کا بدل بھی واجب ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کی جان اسلام لاتے ہیں معصوم اور واجب الحفظ ہو جاتی ہے اور مسلمان کے قتل کرنے والے کے لئے حضرت حق تعالیٰ نے نہایت صاف و صریح حکم نازل فرمایا ہے۔

عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ کی تشریح

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءه جهنم.

یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے گا اس کی جزا جہنم ہے۔ اس آیت کریمہ میں

جزائے اخروی مراد ہے جو عصمت موثمہ کے توڑنے پر واجب ہوتی ہے اور اس قاتل پر اس مقتول کی جان کا بدلہ یعنی قصاص یا دیت بھی واجب ہوتی ہے۔ جو مقتول کی جان کی عصمت مقومہ توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتی ہے۔ بس اگر مقتول مسلمان دارالاسلام کا رہنے والا تھا تو اس کو عصمت موثمہ اور عصمت مقومہ دونوں حاصل تھیں اس لئے اس کا اخروی بدلہ جہنم ہے اور دنیوی جزا قصاص یا دیت ہے لیکن اگر یہی مقتول مسلمان دارالحرب کا رہنے والا تھا تو شریعت مطہرہ نے اس کے قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں کی بلکہ صرف کفارہ واجب کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانیں عصمت مقومہ نہیں رکھتیں اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمت موثمہ تو صرف اسلام لانے سے حاصل ہو جاتی ہے مگر عصمت مقومہ کے لئے دارالاسلام اور حکومت وشوکت اسلامیہ کا ہونا شرط ہے۔

دارالحرب میں غیر مسلموں سے معاہدہ کیا جائے

اور میرا مقصود اس بحث کو ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کے احکام کا فرق واضح ہو جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے ہم وطن غیر مسلموں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کتنی مذہبی رواداری اور تمدنی ومعاشرتی شرائط پر صلح ومعاہدہ کر سکتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کا بے نظیر حافظہ

آپ کا حافظہ یعنی حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کا حافظہ ضرب المثل تھا۔ درس حدیث کے وقت کتاب سے حوالہ نکال کر عبارت بلند آواز سے پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ عموماً یہ دیکھا گیا کہ حسبنا اللہ فرمایا اور کتاب کھول دی وہی صفحہ نکل آتا تھا اور شہادت کی انگلی اس عبارت پر ہی پڑتی تھی جہاں سے حضرت کو حوالہ کی عبارت سنانا ہوتی تھی۔

ناظرین حیران ہو جاتے تھے بہاولپور کے بیانات میں جب حوالہ نکالتے تو عموماً یہی ہوتا تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے استحضار وحافظہ کے واقعات

ایک دفعہ بہاولپور ہی میں ابی کی شرح مسلم سے حوالہ نکالنا تھا۔ کتاب ہمارے پاس نہ تھی قادیانی مختار مقدمہ کے پاس یہ کتاب تھی۔ حضرت نے فرمایا جج صاحب لکھئے ان صاحب

نے حوالہ دینے میں دھوکہ دیا ہے۔ یہ کتاب میرے پاس نہیں ہے۔ اس کو کہو عبارت پڑھے جب اس نے عبارت نہ پڑھی تو آپ نے خود کتاب اس سے لے کر حسبنا اللہ فرمایا اور فوراً حوالہ نکال لیا وہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ابی کی عبارت ہے۔

ابی کی شرح مسلم کا حوالہ

”و فی العتمیة قال مالک بینا الناس قیام یستمعون لاقامة الصلوة فتغشاهم غمامة فاذا عیسیٰ قدنزل (ص ۲۶۶ ج ا شرح مسلم للابی (مصری) اکمال اکمال المعلم)

مولانا عبدالواحد صاحب خطیب جامع مسجد گجرانوالہ (پنجاب) احقر کو سناتے تھے کہ جب میں ڈابھیل میں دروہ حدیث میں شامل تھا میرے چچا صاحب حضرت مولانا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ صاحب نبراس الساری فی اطراف البخاری کا خط میرے نام آیا کہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں جا کر عرض کریو کہ حضرت ہمیں ایک حدیث کی ضرورت ہے۔ "الاحکام التی تفارق المرأة الرجل" فرمایا کل کو آنا اس وقت میں مصروف ہوں میں دوسرے دن حاضر ہوا تو مراسیل ابوداؤد سے حدیث نکال کر میرے حوالے فرمائی۔

سنن بیہقی کا حوالہ

”ان رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم مرعلے امرأتین تصلیان فقال اذا سجد تما فضما بعض اللحم الارض“

اور سنن کبریٰ بیہقی کی کتاب سے بھی حوالہ نکال کر عنایت فرمایا۔

”اذا سجدت المرأة لصقت بطنها بفحذها کاستر ما یکون لها“

وہیں بہاولپور ہی کا قصہ ہے کہ قادیانی شاہد نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ”ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کے اقسام میں سے .... کسی ایک قسم کا منکر بھی کافر ہے۔“ آپ کو چاہئے کہ امام رازی پر کفر کا فتویٰ دیں کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحرالعلوم نے لکھا ہے کہ امام رازی نے متواتر معنوی کا انکار کیا ہے“۔

ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب بھی نہ تھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

''جج صاحب لکھئے کہ میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے امام رازی یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے''۔ **لاتجتمع امتی علی الضلالة** یہ حدیث تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچتی اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کے منکر ہیں۔

مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب (جو اس مجلس میں موجود تھے۔ حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے۔سن کر حیرت میں رہ گئے۔

ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکہ سے کام لیا۔اس کو کہو کہ عبارت پڑھے ورنہ میں اس سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں۔ چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی بعینہ وہی عبارت پڑھی جو حضرت نے پہلے حفظ پڑھ کر سنائی تھی۔جج خوشی سے اچھل پڑا۔حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری بھی اس مجمع میں تھے۔حضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ کا چہرۂ مبارک مسرت سے کھل گیا۔(یہ حضرت۔حضرت مولانا عبیداللہ صاحب کے مربی تھے اور مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری کے بھی پیر تھے)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جج صاحب یہ صاحب ہمیں مفحم کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ طالب علم ہوں میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں۔میں ان شاءاللہ مفحم نہیں ہونے کا۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ نے ایک اجتماع کیا تھا۔وہاں حضرت مولانا شیخ الہندؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اکابر دیوبند وسہارنپور مدعو تھے۔

ہزاراں ہزار علماء مجتمع تھے۔قادیانیوں نے کہا کہ ہر دو مناظرین عربی زبان میں تقریر کریں گے حضرت شاہ صاحب بھی مدعو تھے ان حضرات نے حضرت شاہ صاحب کو تیار کر دیا۔حضرت نے فرمایا کہ دونوں مناظرین عربی اشعار میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کریں گے۔ فی البدیہہ بولنا ہوگا اور نہ کاغذ یا کوئی کتاب اپنے پاس رکھیں گے وہ لوگ تیار نہ ہوئے۔

یہ قصہ حضرت رائے پوریؒ کو لاہور میں مولانا ابراہیم صاحب میاں چنوں والے نے بھی سنایا تھا مولانا ابراہیم صاحب اس وقت بھاگلپور میں مدرس تھے مولانا فرماتے تھے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بھی تھے اور حضرت شاہ صاحب نے خود بھی درس ترمذی میں ہمیں

سنایا تھا۔ پھر فرمایا جاہلین تم نے کیا سمجھا میں ان شاء اللہ اس پر قادر ہوں۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے یہ بھی سنایا کہ پھر حضرت شاہ صاحب نے عربی زبان میں تقریر فرمائی۔

حضرت شاہ صاحب کا سلسلہ بیعت

احقر نے ریل گاڑی میں عرض کیا (جب امرتسر سے لاہور کو تشریف لے جا رہے تھے) کہ شجرۂ چشتیہ میں آپ کے نام (یہ سفر بہاولپور ۱۹۳۱ء کا واقعہ ہے کے بعد کن بزرگوں کا نام پڑھنا چاہئے' فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا۔ اور مجھے اپنے والد (مولانا معظم شاہؒ سے بھی سہروردی خاندان میں بیعت لینے کی اجازت ہے۔

ایک بزرگ عالم کا واقعہ

جب ۱۳۳۸ھ' ۱۳۳۹ھ میں ہم لوگ حضرت کی خدمت میں حدیث پڑھتے تھے ایک مولانا جو کہ معمر تھے حضرت کی ملاقات کے لئے آئے۔ فوراً فرمایا "ہیر بڈھی ہوئی تداں رانجھا آیا" پنجابی میں فرمایا اور مسکرائے پھر نشانات فرمادیئے کہ اس قسم کا مکان تھا۔ جہاں آپ دہلی میں قیام پذیر تھے۔ سیڑھیوں سے چل کر جانا ہوتا تھا۔ وہ بزرگ حیران رہ گئے کہ مدت کی بات ہے۔ مجھے تو یاد بھی نہیں رہا۔

مالیر کوٹلہ کے اجتماع کا واقعہ

مالیر کوٹلہ میں حضرت شاہ صاحب تشریف لائے مولانا بدر عالم مہاجر مدنی بھی ساتھ تھے۔ پنجاب کے مولانا خیر الدین صاحب مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ التحصیل مولانا محمد غوث جو مولانا عبد العلی صاحبؒ کی خدمت میں دہلی رہے تھے۔ مولانا عبد الجبار بوہری مرحوم اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب و مولانا محمد صدیق صاحب حصاروی وغیرہم تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ کر مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف شہباز کی باتیں ہونے لگیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مولانا نور محمد صاحب کے وصال کو اسی سال ہو گئے مولانا محمد صدیق صاحب نے حساب لگایا تو اسی سال ہوئے تھے نہ کم نہ زیادہ مولانا نور محمد صاحب کی باتیں خوب یاد تھیں۔

دو سال کی عمر کا واقعہ

فرمایا کہ میں دو سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ مسجد میں جایا کرتا تھا۔ ایک دن دیکھا کہ دو ان پڑھ نمازیوں میں مناظرہ ہو رہا ہے۔ ایک کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا۔ دوسرا منکر تھا کہ عذاب روح ہی کو ہوگا جو کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن کو ہوگا اس نے مثال دی کہ ایک باغ میں ایک نابینا دوسرا لنگڑا چوری کے خیال سے گئے۔ لنگڑا کہنے لگا کہ میں ٹانگ سے چل نہیں سکتا۔ نابینا کہتا ہے کہ میں پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا۔

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ نابینا لنگڑے کو اپنے کندھے پر اٹھالے اور لنگڑا پھل توڑے اتنے میں اگر باغبان آ گیا تو وہ دونوں ہی کو گرفتار کرے گا اور سزا کا مستحق قرار دے گا۔ میں نے یہ بات سن لی۔ پھر ایک زمانہ دراز گزرا میں ''تذکرۃ القرطبی'' دیکھ رہا تھا۔ اس میں یہی مثال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکور تھی۔ میں اس کو پڑھ کر اس ان پڑھ کی فطرت سلیمہ پر حیران رہ گیا کہ کیسا صحیح جواب دیا۔

حضرت شاہ صاحب نے یہ لدھیانہ میں مارچ ۱۹۲۷ء کو بستان الاسلام کے جلسہ میں فرمایا تھا۔ لوگ حضرت شاہ صاحب کے حافظہ پر حیران رہ گئے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں عالم آخرت کی ایسی باریک بات یاد رکھی۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

حضرت مولانا محمد امین صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۳۳۴ھ' ۱۳۳۵ھ میں جب ہم بخاری شریف حضرت شاہ صاحب سے پڑھتے تھے حضرت مولانا تھانوی تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث سننے کا شوق ظاہر فرمایا۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب حضرت تھانوی کے ہمراہ درس کے کمرہ میں تشریف لائے۔ نکاح شغار کے متعلق حدیث کا درس ہو رہا تھا وقت چونکہ ختم ہو گیا تھا لہٰذا حضرت نے کتاب بند کر دی۔

حضرت شاہ صاحب کے درس بخاری میں حضرت تھانوی کی شرکت اور فرمایا کہ یہ علوم وہبیہ میں کسبیہ نہیں

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ شاہ صاحب حضرت تھانوی صاحب تشریف

لائے ہوئے ہیں۔ جناب کا درس سننا چاہتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ نے پھر کتاب کھول لی۔ ڈیڑھ گھنٹہ درس دیا۔ اگلی حدیث پر بیان فرماتے رہے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا شاہ صاحب یہ علوم وہبیہ ہیں کسبیہ نہیں۔ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

ترک موالاۃ کا فتویٰ سب سے پہلے شاہ صاحب نے دیا

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ مالٹا سے تشریف لائے تو حضرت کو فکر تھی کہ یہاں کے علماء اختلاف نہ کریں۔ اس لئے سب سے پہلے حضرت شاہ سے انگریزی موالات ترک کرنے اور ان کی ملازمت چھوڑنے پر فتویٰ حاصل کیا۔ احقر کے والد صاحب زیارت کے لئے لائکپور سے دیوبند آئے ہوئے تھے اور حضرت شیخ الہند کے کئی روز مہمان رہے تھے۔

حضرت شیخ الہند کی غایت مسرت اُس فتویٰ سے

ان ہی ایام میں مسئلہ تحریر فرما کر حضرت شاہ صاحب شیخ الہندؒ کی خدمت میں لائے۔ کوئی دس بجے کا وقت ہوگا۔ گرمی کا موسم تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں مولانا احمد اللہ صاحب پانی پتی بھی حاضر تھے اور بھی بہت مہمان تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے نہایت ادب سے بیٹھ کر مسئلہ سنایا۔ حضرت شیخ الہندؒ کا چہرہ مبارک خوشی اور مسرت سے کھل گیا۔ احقر مع والد صاحب بھی حاضر تھے۔ درس میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ جاں بازی جو حضرت شیخ الہند نے دکھائی ہے وہ تو کوئی کیا دکھائے گا ہاں حق ضرور واضح کر دینا چاہئے۔

حضرت شاہ صاحب کا نعرہ جہاد

مولانا ادریس سیکر وڈوی مرحوم کو سفر میں ساتھ لے جاتے تھے ان ایام میں ضلع مراد آباد کا دورہ فرمایا تھا۔ مولانا محمد ادریس فرماتے تھے کہ شاہ صاحب اکثر یہ جملے فرماتے تھے کہ اب مسئلہ واشگاف ہوگیا ہے۔ اب حق میں حجاب نہیں چاہئے اور یہ شعر فرمایا کرتے تھے۔

اٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے　　　پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

حضرت کا اپنے اساتذہ کیلئے غایت ادب

ان ہی ایام میں قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے چھوٹے بھائی قاری محمد طاہر صاحب مرحوم کا

نکاح تھا۔حویلی دیوان صاحب (مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے سامنے ایک عمارت بوسیدہ کے) صحن میں ہزاروں علماء اور صلحاء کا مجمع تھا۔نکاح کی مجلس تھی۔حضرت شیخ الہند تشریف فرما تھے میرے والد صاحب بار بار حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف دیکھتے تھے کہ سب سے پیچھے خاموش بیٹھے ہیں حالانکہ آپ کے سینکڑوں شاگرد آگے بیٹھے تھے تاکہ شیخ الہند کے قریب ہو جائیں۔حضرت والد صاحب مرحوم حضرت شاہ صاحب کا غایت تادب دیکھ کر حیران رہ گئے۔

حضرت نے ایک پادری کو چالیس دلائل نبوت سنا کر اتمام حجت کی

ایک دفعہ کشمیر کو تشریف لے جا رہے تھے بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈہ پر تشریف فرما تھے ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں؟ فرمایا نہیں۔ میں ایک طالب ہوں۔اس نے کہا کہ آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟ فرمایا کچھ کچھ۔ پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ تم غلط سمجھتے ہو اس کی یہ شکل نہیں ہے۔پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے۔دس قرآن سے، دس تورات، دس انجیل سے، دس عقلی۔وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا اگر مجھے تنخواہ کا لالچ نہ ہوتا تو میں آپ کی تقریر آپ کا علوم میں اس قدر استحضار دیکھ کر مسلمان ہو جاتا۔نیز یہ کہ مجھے بہت سی باتیں اپنے مذہب کے متعلق آپ سے معلوم ہوئیں۔فرمایا جب آپ کو حق معلوم کر کے بھی توفیق نہ ہوئی کہ ایمان لے آتے تو معلوم ہوا کہ ایمان کی کوئی قدر و قیمت آپ کے ہاں نہیں۔ محض تنخواہ کا لالچ ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون. وہ پادری نہایت شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

حضرت شاہ صاحب اپنے زمانہ کے بے نظیر عالم تھے

مولانا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں جو اس امر پر کھائی جائے کہ مولانا انور شاہ صاحب اس زمانہ میں بے نظیر عالم ہیں۔مولانا غلام رسول انی والے استاد رحمہ اللہ نے جب پہلی بار قادیان میں حضرت شاہ کی تقریر سنی تو فرمایا علم ہو تو حضرت شاہ صاحب والا ہو۔ورنہ ہمارے علم سے تو جاہل ہی اچھے۔

مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے اس وقت فرمایا تھا یعنی قادیان ہی میں کہ مجسم علم دیکھنا ہو تو شاہ صاحب کو دیکھ لو۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہم اللہ نے وفات پر دیوبند میں تعزیتی جلسہ میں فرمایا تھا کہ میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں۔ ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظ یاد تھیں۔ لیکن ایسا عالم دین کہ کتب خانے کا کتب خانہ ہی سینہ میں محفوظ ہو سوائے حضرت مولانا انور شاہ کے اور کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت شاہ صاحب سے متعلق علامہ کوثری مصری کے تاثرات

علامہ محمد زاہد کوثری حضرت شاہ صاحبؒ کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ عقیدۃ الاسلام کا جدید ایڈیشن مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا مقدمہ دیکھنا چاہئے۔ علامہ محمد زاہد کوثریؒ عبارتوں پر عبارتیں نقل کرتے چلے گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی ''عقیدۃ الاسلام'' اور ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' یہ دونوں کتابیں علامہ محمد زاہد تعویذ کی طرح اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہ حضرت بڑے صاحب کمال حافظ حدیث والفقہ قسطنطنیہ میں ایک بڑے عہدہ پر فائز تھے۔ پھر مصطفےٰ کمال پاشا سے اختلاف کے باعث مصر تشریف لے آئے۔ بڑی نادر تحقیقی کتب کے مصنف ہیں۔

''تانیب الخطیب'' میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی ''نیل الفرقدین'' کی بڑی تعریف کی ہے۔ آپ کو علامہ البحر الجبر کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی سے سلسلہ طریقت ملتا تھا۔

علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا تاثر

دین ودانش کا مہر انور ۳ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کی صبح دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ یعنی مولانا محمد انور شاہ صاحب جانشین حضرت شیخ الہندؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند۔

''دو برس کی علالت بواسیر اور ضعف ونقاہت کے بعد ۵۹ برس کی عمر میں وفات پائی' مرحوم کا وطن کشمیر تھا۔ مگر تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مدت تک مدینہ منورہ میں اقامت کی۔ پھر واپس آکر استاد کی خواہش اور اصرار سے دارالعلوم کی صدارت کی ذمہ داری

قبول فرمائی۔ جس کو شیخ الہند کے زمانۂ جنگ میں ہجرت کے بعد سے ۱۹۲۷ء تک اس طرح انجام دیا کہ چین سے لے کر روم تک ان کے فیضان کا سیلاب موجیں مارتا رہا۔ ہند اور بیرون ہند کے سینکڑوں تشنگان علم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی۔

مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن ہو لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قدر خزانوں سے معمور ہوتی ہے وہ وسعت نظر قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔

علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس علوم ادب میں بلند پایہ معقولات میں ماہر شعر و سخن سے بہرہ ور زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ و قال الرسول کا نعرہ بلند کیا۔

مرحوم کو سب سے پہلے ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں دیکھا تھا جب کہ وہ اور مولانا حسین احمد مدنی سرزمین عرب سے تازہ وارد ہند ہوئے تھے۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں میری حاضری کی تقریب پر طلبہ اور مدرسین کا جلسہ ترتیب پایا جس میں انہوں نے میری عربی تقریر کے جواب میں تقریر فرمائی تھی۔ پھر جب حاضری ہوتی رہی یا خلافت اور جمعیۃ کے جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

۱۹۲۷ء میں جب وہ پشاور کے اجلاس جمعیۃ العلماء کے صدر تھے۔ میں بھی حاضر تھا حضرت مرحوم سے ملاقاتوں میں علمی استفادہ کے مواقع ملتے رہے۔ ہر سوال کے وقت ان کی خندہ پیشانی سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ سوال سے خوش ہوئے۔ اہل کمال کی یہ بڑی پہچان ہے کیونکہ وہ مشکلات سے عبور کر چکتا ہے اور جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو شبہ کی اصل منشا کو سمجھ جاتا ہے اور جواب دے کر خوش ہوتا ہے۔

مرحوم معلومات کے دریا' حافظہ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے۔ ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید کوئی کتاب مطبوعہ یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔ میری تصنیفات میں سے ''ارض القرآن'' ان تک پہنچی تھی۔ اس پر اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ مرحوم آخری ملاقاتوں میں زیادہ عربی نصاب کی اصلاح پر مجھ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔''

(معارف) ربیع الاول ۱۳۵۲ھ اعظم گڈھ

مکاتیب حرمین کا معاملہ

فرمایا قبہ محمودیہ (مدینہ منورہ) کا کتب خانہ میں نے تمام دیکھا۔ بعض نایاب کتب سے حوالے بھی لکھے بہت یادداشتیں مکہ مکرمہ کے کتب خانہ سے جمع کیں۔ مغنی ابن قدامہ کا صحیح قلمی نسخہ مکہ مکرمہ میں دستیاب ہوا۔ اس سے کئی ورق یادداشت کے لکھے۔ حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی ''السیر الکبیر'' مدینہ منورہ میں دیکھی۔ قلمی نسخہ تھا۔ نہایت عمدہ کتابت اس کا مطالعہ کیا یادداشتیں لیں۔ پھر جب ترکی حکومت کو زوال آیا اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس کتاب کو ساتھ لے گئے۔ اب بعض شوقین اور علم دوست علماء نے نسخہ تلاش کیا۔ نہ پایا۔ یہ کتاب قبہ محمودیہ میں تھی۔

حضرت شاہ صاحب کا قیام جب دارالعلوم دیوبند ہی تھا مظفر گڑھ پنجاب کے عظیم الشان جلسہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی بھی تھے۔ مولانا ظفر علی خاں اور دیگر زعماء قوم بھی مدعو تھے۔ غالباً ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بھی تھے۔ حضرت کی زیارت کے لئے ہزاراں ہزار خلق اللہ جمع تھی۔ علماء اور زعماء کی تقاریر ہوئیں۔ حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہ نے نام حق کا ایک شعر پڑھا۔

غم دین خور کہ غم غم دین است — ہمہ غمہا فرو ترا زاین است

اور اس پر بڑی رقت آمیز و پر تاثیر تقریر فرمائی۔ خود روئے اور حاضرین کو رلایا۔

غم دنیا مخور کہ بے ہود است — ہیچکس در جہاں نیا سود است

علامہ سید سلیمان ندویؒ پر اس صحبت کا بڑا اثر پڑا۔ کئی علمی سوالات کئے اور جوابات سن کر بہت متاثر ہوئے فرمایا کرتے تھے ''مولانا محمد انور شاہ صاحب علم کا بحر مواج ہیں۔ حافظہ کے بادشاہ ہیں۔''

ظفر علی خاں تو حضرت کے چہرے کے عاشق تھے۔ کہا کرتے تھے ''جی چاہتا ہے کہ شاہ صاحب کے چہرے کو دیکھتا رہوں۔''

اگست ۱۹۳۲ء میں زمیندار کے ایک شمارہ میں ایک طویل مقالہ حضرت شاہ صاحب کے مناقب و کمالات پر لکھا لکھتے ہیں کہ۔

''حضرت مولانا انور شاہ صاحب مدظلہ' کی نظیر علوم میں خصوصاً علم حدیث میں پیش کرنے سے تمام ایشیا عاجز ہے۔''

مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل گاڑی کے انتظار میں حضرت تشریف فرما تھے۔ خدام کا اردگرد مجمع تھا۔ ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں لئے ہوئے آرہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہوگئے اور زار و قطار رونے لگے اور ایمان لے آئے۔ حضرت کے دست مبارک پر بیعت کرلی۔ کہتے تھے کہ ''ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام سچا دین ہے۔''

آیت یغفر مادون ذلک مسلک حق کی دلیل

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ''ویغفر مادون ذلک لمن یشآء'' یہ آیت اہل سنت والجماعت کے مسلک کے حق ہونے میں صریح دلیل ہے۔ علامہ زمخشری کو تاویل کرنا پڑی۔

شرک اور کفر میں فرق

فرمایا شرک کے معنیٰ کفر مع عبادت غیر اللہ ہیں۔ لہٰذا وہ تمام انواع کفر سے اقبح ہے اور کفر اس سے عام ہے لیکن آیت مذکورہ بالا میں شرک سے مراد کفر ہی ہے کیونکہ اگر ایک شخص عبادت غیر اللہ کی نہیں کرتا مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منکر ہے یا آپ کو خاتم الانبیاء بمعنی آخری نبی نہیں مانتا وہ بلا شک و بلا خلاف کافر ہے۔ اس کی بھی مغفرت نہیں ہوگی گو وہ مشرک نہ ہو لہٰذا اس آیت مبارکہ میں شرک کا ذکر اس لئے ہوا کہ وہ لوگ شرک فی العبادۃ بھی کرتے تھے۔

حدیث التقی المسلمان کی تشریح

کسی نے پوچھا کہ حدیث بخاری اذاالتقی المسلمان یسیفھما فالقاتل والمقتول فی النار و قلت یا رسول اللہ ھذا المقاتل فما بال المقتول قال انه کان حریصاً علےٰ قتل صاحبه۔

اس حدیث میں جو آیا قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ یہ اس حدیث کے خلاف ہے

جس میں ارشاد ہے ''السیف محاء الذنوب'' یہ حدیث بھی صحیح ہے اور قوی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے وہ مقتول مراد ہے جو قاتل کے قتل کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ لہٰذا وہ ہر طرح مظلوم اور شہید ہے یہی صورت ہابیل اور قابیل کے قصہ میں پیش آئی اور ہابیل نے قابیل کو سنایا'' انی اریدان نبوء باثمی واثمک فتکون من اصحاب النار'' اس کی تفسیر بھی اس شرح سے حل ہو جاتی ہے یعنی میں اس پر راضی ہوں کہ تو اپنے گناہ (قتل کی وجہ سے جہنمی بنے اور میرے گناہ تیری تلوار کی وجہ سے محو ہو جائیں کہ تلوار محاء الذنوب ہے۔ کیونکہ جب اس کے گناہ قابیل کی تلوار سے محو ہوئے تو وہی اس کے گناہ لے جانے والا ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ ہابیل کے گناہ قابیل پر ڈال دیئے گئے کیونکہ ''لاتزروازرة و زراخری'' کے خلاف ہے۔ پھر اس عنوان کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو ظلماً قتل کرنے کی غیر معمولی قباحت خوب واضح کردی جائے۔ تاکہ جو اس کی برائی کو سمجھ لے گا وہ بچنے کی سعی کرے گا۔

روافض کا انکار حدیث من قام لیلۃ القدر کی تشریح

روافض کے اکفار میں اختلاف ہے۔ (علامہ شامی) ابن عابدینؒ عدم تکفیر کی طرف ہیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اکفار کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ اصل میں جو ابتلاء حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو پیش آیا وہ علامہ شامی کو پیش نہیں آیا۔ مسئلہ کا اختلاف نہیں ابتلاء کا ہے۔ ویسے ہمارے نزدیک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ علامہ شامی سے فقیہ ہیں اور حضرت گنگوہیؒ کو بھی ہم نے شامی سے فقیہ النفس پایا۔

ایک دفعہ فرمایا یہ جو حدیث میں آیا ہے ''من قام لیلة القدر ایماناً و احتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه'' (بخاری)

اس کی شرح کے وقت مسند احمد کی یہ روایت بھی پیش نظر رکھنی چاہئے۔ ''من هم بحسنة کتب له عشر حسنات اذا اشعربه قلبه و حرص به'' یہ اشعار قلب اور حرص ثواب ہی میرے نزدیک احتساب ہے جو نفس نیت پر ایک امر زائد ہے۔ نیت پر بھی ثواب ملتا ہے۔ اور احتساب پر ثواب مضاعف ہو جاتا ہے۔ گویا احتساب نیت کا استحضار

ہے۔ فرمایا ”او کسبت فی ایمانھا خیرا“ میں او بمعنی واؤ ہے چنانچہ علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں یہی لکھا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں تو واؤ ہی آیا ہے۔

معتزلہ نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے ”لا ینفع ایمانھا لم تکن امنت من قبل او امنت ولم تکن فی ایمانھا خیرا“ تاکہ مقابلہ صحیح ہوسکے اس کا جواب کلیات میں ابی البقاء نے بھی دیا۔ ابن حاجب نے بھی جواب دیا ہے اور حاشیہ کشاف میں علامہ طیبی اور ناصر الدین نے ذکر کیا ہے اور ابن ہشام نے مغنی میں بھی ذکر کیا ہے۔ میرے نزدیک یہاں او دو چیزوں میں منافات کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ مقصد ایمان اور کسب خیر دونوں کی نفی ہے۔

کفار کی طاعات وقربات نفع بخش ہیں

فرمایا حضرت حکیم ابن حزامؓ سے مسلم شریف میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اسلام سے پہلے جو طاعات میں نے کی ہیں ان سے کچھ فائدہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا” اسلمت علی ما اسلفت من خیر“ تم اپنے سابق اعمال خیر کے ساتھ تو مسلمان ہوئے ہو یعنی اسلام کی برکت سے تمہارے وہ اعمال خیر بھی قائم رہے اور اس وقت کی طاعات بھی نیکیاں بن گئیں۔

فرمایا مجھے اس بات کا یقین ہوگیا ہے کہ کفار کی طاعات وقربات ضرور نفع پہنچاتی ہیں کیونکہ ان میں نیت اور معرفت خداوندی ضروری نہیں۔

طاعات وقربات سے مراد صلہ رحمی، تحمل، بردباری، غلام آزاد کرنا، صدقہ رحم وکرم جواں مردی بخش دینا عدل وانصاف ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کفار کے اعمال خیر بغیر اسلام کے نجات اخروی کا سبب نہیں بن سکتے۔ نہ وہاں کے ثواب ونعمت کا مستحق بنائیں گے۔

البتہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے تخفیف عذاب کا سبب بن سکیں گے۔ اسی لئے علماء نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ عادل کافر کے عذاب میں بہ نسبت کافر ظالم کے تخفیف ہوگی چنانچہ ابوطالب نے جو خدمات انجام دی تھیں ان کا فائدہ صراحتاً احادیث میں مذکور ہے۔

فرمایا یہ جو حدیث ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا احسن احدکم اسلامہ فکل حسنۃ یعملھا تکتب لہ بعشر امثالھا انی سبعمائۃ ضعف و کل سیئۃ یعملھا تکتب لہ بمثلھا" (بخاری)

میرے نزدیک احسان اسلام یہ ہے کہ دل سے اسلام لائے اور زمانہ کفر کے تمام برے اعمال سے توبہ کرے اور اسلام کے بعد ان سے بچنے کا عزم مصمم کرے ایسے شخص کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔

اور اساءۃ اسلام یہ ہے کہ اسلام لائے مگر زمانہ کفر کے تمام معاصی سے توبہ نہ کرے اور ان کا ارتکاب برابر کرتا رہے ایسا شخص اگر چہ اسلام میں داخل ہو گیا اس سے تمام اگلے پچھلے معاصی کا مواخذہ ہوگا۔ پس جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اسلام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اس سے مراد وہی صورت ہے کہ گناہوں سے توبہ بھی شامل ہو۔(من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ)

حضرت کے دل میں مضامین عالیہ کا جوش مارنا

فرمایا کہ میرے دل میں مضامین ابلتے اور جوش مارتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ بذریعہ تحریر ان کو ظاہر کروں مگر افسوس کہ میں تحریر میں کوتاہ قلم ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ دوسرا آدمی قابل تیز قلم ہر وقت میرے پاس رہے۔ جب وہ مضامین جوش ماریں تو میں لکھوا دیا کروں۔ افسوس ہے کہ ایسا آدمی نہیں ملتا جو ملتا ہے وہ قابل نہیں ہوتا۔ اور جو قابل ہوتا ہے فراغت نہیں نکالتا۔

مغنی ابن قدامہ کا صحیح نسخہ مکہ مکرمہ میں ہے

حضرت مولانا خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان نے فرمایا کہ میں نے ایک عبارت مغنی ابن قدامہ کی پوچھی حضرت شاہ صاحب نے فرمایا وہ ابن قدامہ کی مغنی جو کہ مطبوعہ ہے وہ غلط ہے۔
صحیح نسخہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں ہے۔ میں جب عرب گیا تھا تو مکہ مکرمہ میں اس کا مطالعہ کیا تھا۔ اس مسئلہ کے متعلق عبارت نقل کر لی تھی چنانچہ باوجود ضعف کے اٹھے اور اندر سے دو تین ورق لائے اور عبارت پڑھی۔ میں نے وہ عبارت نقل کی (افسوس کہ وہ عبارت ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں جالندھر کے کتب خانہ میں رہ گئی)

میں اس وقت اپنا رسالہ "خیر الکلام فی ترک الفاتحہ خلف الامام" لکھ رہا تھا۔ چنانچہ اس کے اٹھائیس صفحے تیار ہوئے تھے۔ میں نے پہلے تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت مرشدی ومولائی حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب قدست اسرار ہم کو سنائے حضرت والا نے میری حوصلہ افزائی کے لئے دس روپے بطور انعام دیئے۔ یعنی اس رسالے کے دو چار ورق سنائے تھے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے بھی پسند فرمائے۔ تو میں نے سوال کیا کہ آپ

غیر مقلد کی کتاب المستطاب پر نقد

غیر مقلد کا رسالہ "الکتاب المستطاب" دیکھا ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ میں جہلاء حمقاء کی کتابیں نہیں دیکھا کرتا۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس واسطے پوچھتا ہوں کہ میں آج کل اس کا جواب لکھ رہا ہوں۔ اور اس میں بعض باتیں قابل استفسار ہوتی ہیں (یہ کتاب پنجاب کے ایک غیر مقلد نے حضرت شاہ صاحبؒ کے رسالہ فصل الخطاب کے رد میں لکھی تھی)

فرمایا جو بات قابل استفسار ہوا کرے تو اس کو آپ اپنی طرف نسبت کیا کریں۔ میں جواب دوں گا۔ اگر کسی اور شخص کی طرف نسبت ہوئی تو میں جواب نہیں دوں گا۔

اعتماد کی صورت میں بغیر سے سند دینا

پھر میں نے عرض کیا کہ مجھے سند حدیث دیجئے اور اطراف کتب حدیث سن لیجئے۔ فرمایا کہ میں آپ کو بلا سنے سند دیتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں۔ میرا آپ پر اعتماد ہے اگر سند مطبوعہ میرے پاس ہوتی تو آپ کو اس وقت دے دیتا۔ جب میں ڈابھیل پہنچوں تو مجھے یاد دلانا میں مطبوعہ سند بھیج دوں گا۔

۱۳۳۲ھ میں شیخ الاسلام فلپائن کا ورود دار العلوم

۱۳۳۲ھ میں شیخ الاسلام فلپائن دیوبند تشریف لائے ان کی آمد پر جلسہ ہوا۔ حضرت شیخ الہند نے شرکت فرمائی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے طلباء اور اساتذہ کے مجمع میں جو تقریر فرمائی وہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ علیہ نائب مہتمم دار العلوم دیوبند کی زبانی سنئے۔ آپ "القاسم ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ اور محرم ۱۳۳۲ھ میں فرماتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی عربی تقریر

اس کے بعد جناب مولانا سید محمد انور شاہ صاحب مدرس دارالعلوم نے نہایت فصیح بلیغ عربی زبان میں برجستہ تقریر فرمائی مولانا موصوف کے فضل وکمال علمی اور فصاحت و بلاغت سے اکثر حضرات واقف ہیں۔ مولانا کی تقریر ایک جانب اگر باعتبار زبان دانی اور فصاحت وروانی کے بے مثل تھی تو دوسری جانب ایسے مضامین اور حقائق اصول دین ونکات علم کلام وحدیث پر حاوی تھی جو کم کسی نے سنی ہوگی۔ حضرت شیخ الاسلام موصوف بھی آپ کی تقریر ومضامین پر محو حیرت تھے۔ نہایت غور کے ساتھ ہمہ تن گوش بنے ہوئے متوجہ تھے اور استحسان وتسلیم کے ساتھ گردن ہلاتے تھے۔ مولانا نے جو مضامین بیان فرمائے وہ حقیقت میں ایسے تھے کہ دوسرا شخص گو کتنا ہی وسیع النظر اور قادر علی الکلام ہو متعدد مجالس میں بھی ادا نہ کرسکتا تھا۔ مگر آپ کا دوسرا کمال یہ تھا کہ ان ہی مضامین دقیقہ کو نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں بہت تھوڑے سے وقت کے اندر اس طرح بیان کردیا کہ نہ فہم مضامین میں کوئی خلل واقع ہوا اور نہ کوئی ضروری بات فروگزاشت ہوئی۔ نہ بے ضرورت زائد از حاجت ایک جملہ زبان سے نکلا۔ اس میں بھی ذرا شک نہیں کہ اگر ہفتوں سوچ کر اور عبارت کو مہذب منقح بنا کر کوئی شخص لکھتا اور یاد کر کے سناتا تو ایسی سلاست وروانی کے ساتھ نہ پڑھتا اور ایسی واضح وبرجستہ تقریر نہ کرسکتا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

(شیخ الاسلام فلپائن نے جوابی تقریر میں یہ بھی فرمایا) اور ابھی مجھ کو استاذ جلیل (مولانا سید محمد انور شاہ صاحب) نے اس مدرسہ کے موسس اور بانی کے اصول دربارۂ اشاعت علوم تائید دین سمجھائے ہیں۔ تو مجھ کو معلوم ہوگیا کہ اس جگہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہی طریقہ میرے نزدیک اہل سنت و جماعت کا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے متبع ہیں اور طریقہ سنت کی تائید اور مبتدعین کا رد بھی عین سنت اور فرائض علماء میں داخل ہے''۔

اور آخر میں قسم کھا کر فرمایا ''آج استاذ جلیل (مولانا محمد انور شاہ صاحب) کے ذریعے سے حقائق اور معارف علوم دین کے ایسے بے بہا موتی میرے کان میں پڑے جو آج تک کبھی نہ سنے تھے اور یہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔''

لماظرفیہ کی تحقیق

ایک دفعہ لاہور اسٹریلیا مسجد حوض کی چھت پر چارپائی پر تشریف فرما تھے احقر نے دریافت کیا کہ کیا لماظرفیہ کا صلہ فاء بھی آتا ہے۔ فوراً فرمایا کہ شرح الفیہ میں اشمونی نے لکھا ہے کہ جائز ہے اوراستدلال میں آیت پیش کی۔ " فلما نجھم الی البرفمنھم مقتصد الآیہ"۔

اور بھی بلغاء کے ہاں یہ استعمال ہوا ہے۔ پھر احقر نے تلاش کیا تو مختصر المعانی ص۴ ثم لما وفقت بعون اللہ و تائیدہ للاتمام الخ فجاء بحمد اللہ کما یرون النواظر" نیز تفسیر ابن کثیر جلد ا ص۹۳ مصری اور ملا عصام نے اس پر بحث نفیس کی اور اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

ذو کی اضافت مضمر کی طرف جائز ہے

احقر نے عرض کیا کہ ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ ذو کی اضافت مضمر کی طرف جائز نہیں ہے۔ فوراً فرمایا کہ مسلم شریف کے خطبہ ہی میں ہے مثل ابی ھریرہؓ و ابن عمرؓ و ذریھما" ص۳۳ مسلم میں آخر سطر میں نے جستجو کی تو بہت سی کتابوں میں یہ مل گیا۔

مختصر المعانی ص ۱۸ مطبوعہ مجتبائی دھلی "لسلم من الفصل بین الحال و ذیھا بالا جنبی وجادلتم خاصمتم عنھم عن طعمۃ و ذویہ" جلالین ص ۸٦ مطبوعہ نور محمد کراچی۔

مقامات حریری ص۱۰۱ میں ہے۔ فجاء ت بابن یسر ذویہ (وغیرہا من الکتاب)

اجتمع کا صلہ مع آتا ہے

ایک صاحب نے اجتماع کا صلہ مع آنا ناجائز لکھا ہے اور درۃ الغواص کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ جوہری نے اس کا رد کیا ہے اور صحاح جوہری میں ہے "جامعہ علی کذا ای اجتمع معہ" مسلم شریف میں بھی ص۵۲ پر فرماتے ہیں۔ ولم یذکر قدوم ابن المسعود و اجتماع ابن عمرؓ معہ"۔

اور ابن عقیل شرح الفیہ مصری ص۸۴ میں ہے۔: ان یقع ظرفاً لما اجتمع معہ" شرح ملا جامی ص ۵٦ لایجتمع مع اللام والاضافۃ" تذکرۃ الحفاظ ص۱۸۴ ج ۳

"رایت یوماً اجتمع مع الدار قطنی".

تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۴۲۹ "اجتمع معه" و ص ۴۰۸ "ان یجتمعا مع الاولا دالیٰ غیر ذلک من العبارات.

فرمایا کہ ابن سینا نے روح کی تحقیق پر ایک قصیدہ لکھا اور اپنی حیرت کا اظہار کیا۔ پھر روح ہی کی تحقیق پر حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے بھی ایک قصیدہ لکھا جو بلیغ بھی اور تحقیقی بھی ہے۔ فرمایا کہ شاہ صاحب جب روحانی آدمی تھے اس میں علم کو مضاف استعمال کیا ہے۔

علم کو مضاف استعمال کرنا

اس پر اعتراض ہوا کہ علم کو مضاف تو استعمال نہیں کیا جاتا۔ یہ محاورۂ عرب کے خلاف ہے۔ پھر یہ معاملہ صاحب نفحۃ الیمن تک پہنچا تو اس نے کہا علم کو مضاف وہی استعمال کر سکتا ہے جو لغات عرب پر عبور تام رکھتا ہو۔ یہ کوئی بڑا ادیب ہے جس کا یہ کلام ہے۔ تو اعتراض کرنے والوں کو تسلی ہوئی۔

احقر مارچ ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ دیوبند حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں مولانا محمد ادریس سیکروڈوی بھی حاضر تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ فصل الخطاب کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ مگر مولانا حل نہ کر سکے۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے اذکار و اوراد سے فارغ ہو کر ہمیں اندر بلا لیا میں نے پھر وہی عبارت پیش کی۔

فلا تفعلوا الا بام القرآن کا مطلب

فرمایا فلا تفعلوا الا بام القرآن میں کلمہ استثنا کے بعد تعیین فاتحہ کرنا شارح کو منظور ہے یہ نہیں کہ تعمیم فاعل بیان کرنا مقصود ہے۔ پس لا تفعلوا الا ان تفعلوا بام القرآن میں ناظرین پر ملتبس ہو گیا کہ الا ان تفعلوا جو کلمہ ام القرآن سے قبل مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر جو واؤ ہے اس کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ حالانکہ مقصود ام القرآن کی تعیین ہے گویا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ فاتحہ مقتدی سے بطور لزوم پڑھانا مقصود نہیں اگر کوئی پڑھے تو اباحت مرجوحہ موجود ہے۔

فصل الخطاب ص ۶۷ کی اصل عبارت یہ ہے۔

و یحتمل ان یکون لفظ محمد بن اسحق من اوله الٰی اخرہ مسئلة وجوب الفاتحة فی الصلوة قصداً مع الاباحة للمقتدی تبعاً و لیس التعلیل لعموم الفاعل وھو الضمیر فی الاان تفعلوا المقدر بل لتعیین المفعول به ایاھا و ھو قوله الابام القرآن وھما امران فالمطلوب ذات الفاتحة و وجودھا علےٰ شاکلة فرض الکفایة لاعمل کل واحد لزوماً فان فعل من شاء منھم فھو فی حدالاباحة المرجوحة والتبس علی الناظرین تعیین المفعول به بتعمیم الفاعل لزوماً.

غرض حضرت شاہ صاحب کے تقریر فرمانے کے بعد بندہ کا تو شرح صدر ہو گیا اور بات سمجھ میں آ گئی۔

ادھر ایک صاحب نے اعتراض کیا وہ جلدی میں یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ شاہ صاحب لفظ ان تفعلوا جو الا کے بعد مقدر ہے اس سے بحث کر رہے ہیں۔ تقدیر عبارت یوں ہے لاتفعلوا الا ان تفعلوا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم یقرابھا"

چنانچہ حدیث مرفوع میں اسی طرح ارشاد ہے۔ "قال لاتفعلوا الاان یقرا احدکم بفاتحة الکتٰب فی نفسه"

یہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا انور شاہ صاحبؒ کو یہ معلوم نہیں کہ لاتفعلوا میں ضمیر مقدر ہے یا بارز۔

دیکھئے غور نہ کرنے سے مطلب کیا سے کیا بن گیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است   سخن شناس نہ ٔ دلبرا خطا اینجا است

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"وھو الضمیر فی لاتفعلوا البارز" حضرت شاہ صاحب فرما رہے ہیں۔

"ھو الضمیر فی الاان تفعلوا المقدر".

اول تو جناب نے لفظ ہی بدل دیا۔ الاان تفعلوا کی جگہ لاتفعلوا نہی کا صیغہ لکھ مارا۔ پھر یہ بھی خیال نہ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے مقدر ضمیر کو نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ ان

تفعلوا جو کہ مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر واؤ کی تعمیم مقصود نہیں۔ چنانچہ اس سے صریح عبارت فصل الخطاب ص ۶۸ میں یہ ہے۔

"ای ان قوله فانه لا صلوة لمن لم يقرابها ليس تعليلاً لعموم الفاعل في الاان تفعلوا بل لتعيين المقروء ان كان فهو الفاتحة لاغيرها وهو المناسب انتهى"۔

اب ناظرین غور فرما سکتے ہیں کہ معترض کو عبارت سمجھنے کا سلیقہ نہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا"۔

اسی طرح اور بھی کچھ اعتراضات کئے جس کے تحقیقی جوابات ہم نے دوسری جگہ دیئے ہیں۔

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کا واقعہ

فرمایا حضرت علامہ ابن جریر طبریؒ درس حدیث دے رہے تھے کوئی رئیس آیا اور حضرت کی خدمت میں اشرفیوں کی تھیلی پیش کی اور رکھ کر جانے لگا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے تھیلی کو اٹھا کر پھینک دیا۔ تھیلی پھٹ کر دینار ادھر ادھر بکھر گئے اور رئیس ان کے پیچھے دوڑنے لگا اور جمع کرنے لگا۔ حضرت ابن جریرؒ فرمانے لگے جب تم نے یہ اشرفیاں مجھے دے دی تھیں تو اب تم کس لئے جمع کرتے ہو۔ اب تو یہ تمہاری ملک رہی نہیں۔ سچ ہے دنیا کی حرص بری چیز ہے۔

انما الاعمال بالنیات کی تشریح

انما الاعمال بالنيات وانما لامرءٍ مانوى فمن كانت هجرته الى الله و رسوله فهجرته الى الله و رسوله و من كانت هجرته الىٰ دنيا يصيبها او امرأة ينكحها فهجرته الىٰ ماها جر اليه " بخاری وغیرہ۔

فرمایا یہاں تین چیزیں ہیں۔ عمل، نیت، غایت۔ پہلی کی طرف اشارہ فرمادیا کہ فمن كانت هجرته" عمل کی طرف اشارہ کردیا اور ثانی کی طرف اشارہ فرمادیا "الى الله و رسوله" پس الی اللہ یہ نیت ہے۔ تیسری چیز کی طرف اشارہ فرمادیا "فهجرته الى الله و رسوله" پس وہ غایت ہے ایسا ہی جملہ ثانیہ ہے۔

لفظ مسیح کی تحقیق انیق

فرمایا لفظ مسیح ماشیح کا معرب ہے۔ اس کے معنیٰ عبرانی زبان میں مبارک اور لفظ عیسیٰ یشوع سے لیا گیا ہے۔ اس کے معنی مخلص اور فارقلیط کا جو لفظ انجیل میں آیا ہے اس کے معنی محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ہیں۔ جب مراد اس سے خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول انبیاء کی تصدیق عملی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی منتظر باقی نہیں ہے کیونکہ ان کے واپس تشریف لانے سے ثابت ہوگیا کہ انبیاء کی تعداد چونکہ ختم ہوگئی اس لئے پہلے انبیاء میں سے لایا گیا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے خاص مناسبت ہے اس لئے ان ہی کا انتخاب ہوا۔ جس نبی نے صراحۃً بشارت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی دی وہی آ کر تصدیق بھی فرمائیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل پیرا ہوں گے۔

سلطان عالمگیرؒ کا وفورِ علم وتقویٰ

لاہور میں خدام الدین کے جلسے پر بہت سے علماء جمع تھے۔ حضرت مولانا مدنیؒ بھی تشریف فرما تھے۔ مولانا سید محمد طلحہ صاحب بھی تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اساتذہ کی روایت ہے کہ جب سلطان عالمگیرؒ نے فتاویٰ مرتب کرایا تو علماء رات کے وقت بعد نماز تہجد جو مسائل روزانہ لکھے جاتے سنایا کرتے تھے اور جب کسی مسئلہ میں علماء الجھ جاتے تو سلطان عالمگیرؒ جو کہتے تھے وہی مسئلہ پاس ہو کر تحریر ہوتا تھا۔ یہ اس کے وفور علم اور تقویٰ کی دلیل ہے۔

عالم کی کی بقاء یاد الٰہی پر منحصر ہے

حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہ کا وعظ سادہ ہوتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جملے جو پوری طرح ذہن نشین ہو جائیں ارشاد فرماتے تھے۔

لدھیانہ میں ایک دفعہ وعظ فرمایا۔ غالباً ۱۳۴۳ھ ہجری تھا۔ تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہے گی عالم قائم رہے گا۔ جب دنیا اللہ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کوچ کا وقت آ گیا۔

حدیث میں ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' لاتقوم الساعة حتیٰ لایقال فی الارض اللہ اللہ ''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک متنفس بھی اللہ اللہ کرنے والا رہ جائے گا۔ جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ جب روح نہ رہی تو ڈھانچہ کسی کام کا نہیں اسے گرادیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ سارے عالم کی روح اللہ کا ذکر ہے۔ مقصود اصلی ذکر الٰہی ہے اور یہ نماز' روزہ' حج' زکوۃ وغیرہ احکام سب اس کے پیرائے ہیں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذاکر کے لئے موت نہیں اور غافل کے لئے حیات نہیں کیونکہ اصلی زندگی یاد الٰہی ہے اعمال صالحہ دراصل زندگی کے کام ہیں اسی واسطے حدیث میں آیا ہے:۔

"الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" (ترجمہ) انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں۔ نمازیں پڑھتے ہیں یعنی زندگی والے کام بھی کرتے ہیں۔ ان کی قبور والی زندگی بھی اعمال صالحہ سے معطل نہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور زندوں والے کام بھی کرتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے صحیح فرمایا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

از یکے گو دز ہمہ یک سوئے باش یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

سب سے یک سو ہو کر فقط اس ایک کا ہو جا تیری ظاہری و باطنی توجہ اس یک ہی کی طرف رہے۔

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید وحدہٗ لاشریک لہ گوید

حضرات! اللہ تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو۔ ظہیر فاریابی اپنے دیوان میں کہتے ہیں اور سارے دیوان میں یہی ایک شعر ہے جو خلاصہ سارے دیوان کا ہے۔

من نمے گویم زیاں کن یا بہ بند سود باش اے زفرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

میں یہ نہیں کہتا کہ تو اپنے نقصان کا کام کر یا نفع کی فکر میں ہو۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ کرنا ہے جلدی کر لے۔ موت کو یاد رکھنا چاہئے۔ وقت ہمارا انتظار نہیں کرتا بلکہ تیزی سے نکلا جارہا ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔

رنگا لے چیز یا گندا لے ری سیس تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن

نہ جانے بلا لے پیا کس گھڑی کھڑی منہ تکے گی اری دن کے دن

معلوم نہیں کہ ادھر سے بلاوا کس وقت آ جائے کف افسوس ملتی رہ جائے گی۔ (یہ اشعار پڑھتے وقت اتنی رقت ہوتی تھی کہ ریش مبارک تر ہو جاتی تھی اور سامعین وقف گریہ و بکا ہو جاتے تھے۔)

حدیث بخاری سبحان اللہ نصف المیز ان

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ بندہ ایک دفعہ اخلاص[1] سے سبحان اللہ کہتا ہے تو آدھا پلہ آخرت کی ترازو کا بھر جاتا ہے۔ آخرت کی ترازو اتنی بڑی ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کا درمیانی حصہ نظر آتا ہے اور جب بندہ الحمد للہ کہتا ہے۔ صدق من قلبہ تو نصف پلہ باقی بھی بھر جاتا ہے۔ ''سبحان اللہ نصف المیزان والحمد للہ تملأ المیزان'' اور جب یہ کہتا ہے۔ ''ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر'' تو اس کی سمائی زمین و آسمان میں نہیں ہوتی چیر کر عرش کو نکل جاتا ہے اور ترمذی شریف میں یہ بھی آیا ہے ''ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم'' جنت کے خزانوں میں سے ایک مخفی خزانہ ہے۔ اس کا ثواب آخرت میں کھلے گا۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کو اس حدیث پر ختم فرمایا ہے۔ **کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔**

دو کلمے جو زبان پر خفیف ہیں۔ آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں آخرت کی ترازو میں بڑے وزنی ہیں۔ رحمٰن کو بہت محبوب ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

خیال فرمائیں جو شخص ان کا ورد ہر وقت رکھتا ہے کس قدر ثواب اس کو ملے گا۔

پہلے جو حدیث **"لاتقوم الساعۃ حتی لایقال فی الارض اللہ اللہ"**. ذکر کی گئی ہے اس سے ثابت ہوا کہ مجرد اللہ اللہ بھی ذکر ہے۔ (خلافاً للحافظ ابن تیمیہ)

یوں بھی روایت ہے:۔ **سبحان اللہ والحمد للہ تملآن المیزان** یعنی سبحان اللہ

---

[1] قولہ علیہ السلام التسبیح نصف المیزان والحمد للہ یملأہ ولا الہ الا اللہ لیس لھا حجاب دون اللہ حتی تخلص الیہ (ترمذی ضعیف) مشکوۃ ص ۲۰۲

الطھور شطر الایمان' والحمد للہ تملأ المیزان و سبحان اللہ والحمد للہ تملآن او تملأ ما بین السمٰوات والارض (مسلم مشکوۃ ص ۳۸)

والحمدللہ دونوں مل کر ترازو کا پڑا ابھر دیتے ہیں۔

ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق

غالباً ۱۹۵۹ء ماہ نومبر میں لاہور میں حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی پر حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا علی میاں صاحب ندوی لکھنوی بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے۔ حضرت اقدس نے احقر سے فرمایا کہ ختم نبوت کے متعلق اگر کوئی تقریر حضرت شاہ صاحب کی یاد ہو تو سناؤ۔ میں نے عرض کیا تقریریں تو بہت سی ہیں۔ "ماکان محمد ابااحدمن رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین و کان اللہ بکل شئ علیماً.

اس پر بھی ایک تقریر طویل آپ نے کی تھی۔ اب میں ایک اور تقریر سناتا ہوں۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیمن

"واذاخذاللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن به ولتنصرنه' قال ء اقررتم و اخذتم علےٰ ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین.

نبوت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا۔ اس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں رکھ دیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں منحصر کر دیا۔ وجعلنا فی ذریته النبوة والکتاب' الایہ پھر اس کی دو شاخیں کر دیں۔ ایک بنی اسرائیل چنانچہ ان کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرار پائے۔

دوسری بنی اسماعیل ان میں خاتم النبیین علی الاطلاق حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائے اور سلسلہ نبوت آپ پر اختتام فرما دیا اور نبی آدم کی سیادت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی۔

"انا یوم القیامة سید ولد آدم ولا فخربیدی لواء الحمد ولافخر وقد اخذاللہ میثاق النبیین اے منھم بنصرته ان ادرکوازمانه وقد

ادرکوہ فی المسجد الاقصی و یدرکونہ یوم العرض الاکبر"۔

اور فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اور سب نبی میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور سب نے آپ کا مسجد اقصیٰ میں زمانہ پالیا اور آئندہ بھی پالیں گے اور اگر سب کے سب ایک زمانہ میں ہوتے تو آپ کی مثال ایسی ہوتی جیسا کہ امام اکبر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ آگے پیچھے ظاہر ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمال شیٔ کے رتبے میں ظاہر ہوئے اور یہ تاخر زمانہ کے اعتبار سے ظاہر ہوا۔

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ" بدی بی الخلق و کنت اخرھم فی البعث" میرے ذریعے خلق ظاہر ہوئی اور ابتداء مجھ سے ظاہر ہوئی اور تمام انبیاء علیہم السلام سے بعد میں مجھے مبعوث کیا گیا۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے "کنت اول النبیین فی الخلق و اخرھم فی البعث (کمافی روح المعانی جلدے)" میں خلق میں سب سے اول ہوں اور بعث میں سب سے آخر" یہ حدیثیں درمنثور کنز العمال میں ہیں۔

حضرت قتادہ سے مرفوعاً ثابت ہے اور روح المعانی میں حضرت قتادہ سے دوسری روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے اخذ میثاق کیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور یہ بھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان کرنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یعنی نبوت کسی کو تفویض نہیں کی جائے گی۔"ان لا نبی بعدی" کو تفسیر درمنثور" مسند احمد' ابن جریر اور حاکم اور بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس روایت کی تصحیح کی ہے۔

"انا عنداللہ فی ا م الکتاب لخاتم النبیین و آدم لمنجدل فی طینه"

الحدیث اور یہ میثاق نبیوں سے لیا گیا ہے۔

"واذاخذاللہ میثاق الذین اوتوا الکتٰب" (الایہ) "واذاخذنا میثاقکم ورفعنافوقکم الطور" واذاخذنا میثاق بنی اسرائیل و ارسلنا الیھم رسلاً" (الایہ) و اذاخذنا من البیین میثاقھم و منک و من نوح و ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم و اخذنا منھم میثاقا غلیظا" (الایہ)

حاصل یہ کہ اخذ میثاق نبیین سے ہمارے نبی اکرم صل اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا گیا ہے
میری ایک نظم نعتیہ ہے اس میں ایک شعر ہے۔

آیت میثاق دروے ثم ہست　　　　ایں ہمہ از مقتضائے ختم است

آیت میثاق میں جو ثم آیا ہے یعنی "ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم" الآیہ یہ سب کچھ بہ مقتضائے ختم نبوت ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف رکھا گیا اور تمام انبیاء کو ایک طرف رکھا گیا۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اس امت کے نبی ہیں نبی الانبیاء بھی آپ ہی ہیں۔ ثم جاء کم اس سے امر کی دلیل ہے کہ وہ عظیم الشان رسول سب نبیوں کے بعد آئے گا۔ سورۃ صافات میں ہے بل جاء بالحق و صدق المرسلین' وہ رسول حق لے کر آ گیا اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کر دی اگر غور سے دیکھو گے تو اس آیت واذاخذاللہ میثاق النبیین" میں لام استغراق کے لئے ہے اور جو رسول آئے گا وہ سب کے بعد ہوگا۔ اور نزول عیسیٰ علیہ السلام میں جو حدیث میں آتا ہے۔ حکماً عدلاً وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا نزول بحیثیت پیغمبر نہیں ہوگا۔ پیغمبر تو آپ ہوں گے۔ لیکن بحیثیت حکم عدل تشریف لائیں گے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ پیغمبر تو تھے لیکن بحیثیت پیغمبر کے تشریف نہیں لے گئے تھے۔ شریعت یوسفی پر عامل تھے۔ جیسا کہ "لو کان موسیٰ حیاً لما وسعہ الااتباعی" میں ہے۔

الحاصل یہ نکھر گیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے میثاق لیا گیا۔ قرآن عزیز میں ہے ولماجا ء ھم رسول من عنداللہ مصدق لما معھم نبذفریق من الذین اوتوا الکتٰب کتاب اللہ وراء ظھورھم کانھم لایعلمون"

(ہدایۃ الحیاریٰ) میں ہے "لو لم یظھر محمد بن عبداللہ صلے اللہ علیہ وسلم لبطلت نبوۃ سائر الانبیاء"

اگر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور نہ ہوتا تو تمام انبیاء کی نبوت باطل ہو جاتی' سو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی تصدیق فعلی ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے "بل جاء بالحق و صدق المرسلين " یہ تفسیر حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمائی جو اجل مفسرین میں سے ہیں۔ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا اس کی دلیل ہے کہ باری تعالیٰ اور کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔ یعنی آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ کی جائے گی۔ عدد انبیاء کا ختم ہو گیا ہے اور حسب حاجت کسی پہلے نبی ہی کو بھیجا جائے گا تا کہ دلیل ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی خاتم النبیین ہیں اور حضرت عیسیٰ تشریف لا کر بھی حضور کی ہی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے تا کہ سب پر ثابت ہو جائے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی سب سے افضل اور خاتم النبیین ہیں۔ تورات میں ہے "نابی مینا بیخ مقرنج یا خیم لخ الاوخ الاو تشما عون" یعنی نبی من قربک من اخیک کاخیک یقیم لک الهک الیه تسمعون"۔ "میں تیرے قریبی بھائی بندوں میں سے ایک نبی مبعوث کروں گا تم اسی کو سنیو"۔

بنی اسرائیل کے قریبی بھائی بند بنی اسماعیل ہی ہیں۔ ان ہی میں سے نبی برحق مبعوث ہوئے ان ہی کی اتباع کا حکم فرمایا جا رہا ہے۔ وہ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح بھی کریں گے اور اولاد بھی ہوگی اور حج وغیرہ بھی کریں گے اور چالیس سال قیام فرمانے کے بعد انتقال فرمائیں گے ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ پھر روضہ پاک میں دفن ہوں گے جہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حج کیا ہے

چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ایک وادی سے گزرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "ای و ادھذا" "معلوم ہوا کہ وادی ازرق ہے" تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کانی انظر الیٰ موسی" کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو گویا دیکھ رہا ہوں۔ اپنی انگلی کانوں میں دے کر بلند آواز سے تلبیہ کہتے جا رہے ہیں۔

پھر یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ "وادی ہرشیٰ سے گزر رہے ہیں۔ یہ مسلم شریف میں بھی ہے۔ شاید ان دونوں نبیوں نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا تھا۔ مسند احمد اور مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج اور عمرہ کریں گے اور فج روحا سے احرام باندھیں گے۔

اور امام بیہقیؒ نے حیات انبیاء پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے مسلم شریف میں ہے" مررت بموسیٰ لیلة اسری بی عندالکثیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبره"
اور مسند احمد میں صحیح ابن حبان اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام علاتی بھائی ہیں۔ دین انکا واحد ہے۔
"انا اولی الناس بعیسی بن مریم لانه لیس بینی و بینه نبی و انه خلیفتی علیٰ امتی و انه نازل فاذا رائیتموه فاعرفوه". (الحدیث)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا دائرۂ نبوت طے کیا ہے

اور مستدرک حاکم میں ہے" ولیاتین علیٰ قبری حتی یسلم علی و لاردن علیه اور فتح الباری میں بھی ہے اور ایک ٹکڑا مسلم شریف میں بھی ہے اور واضح رہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا تمام دائرہ از اول تا آخر طے فرمایا ہے۔ لہٰذا اول اور آخر میں ظہور فرمایا اور تمام دورۂ نبوت پر حاوی ہو گئے۔ اس تقریر پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور پذیر ہونا اگر چہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کے طور پر ہی ہو اس میں صریح منقصت ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی۔

بس اتنی تقریر کی تھی کہ حضرت اقدس حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا اس کو قلم بند کرو اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ بھی میرے پاس بیٹھے تھے اور بڑے غور سے سن رہے تھے۔ بہت ہی اصرار کیا کہ اسے ضرور قلم بند کرو ورنہ میں آپ کے دروازے پر بیٹھ جاؤں گا۔ علی میاں بھی فرماتے تھے کہ بہاولپور کے حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے بیان کو بھی ضرور قلم بند کر دینا چاہئے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیوں کی عملی شکل

فرمایا کرتے تھے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں دنیا میں عملی شکل اختیار نہ کرلیں گی اس وقت تک قیامت نہ آئیگی۔ (انبیاء کے معجزات کا عملی مشاہدہ کرادیا جائیگا۔
(ف) اس بات کو اب پچاس سال کے قریب ہو گئے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ سب حقائق

کا تجربہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور آج کل کے خلائی سفر کرنے والے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سیر کرتے ہیں ابھی یہ بھی ابتدائی حیثیت ہے۔ مستقبل قریب میں خلائی مسافروں کا سفر نہایت تیز رفتار ہوگا۔ وہ بہت حیرت انگیز ہوگا۔ کیونکہ ستاروں کی درمیانی مسافت کو بہت تیزی سے طے کرلیں گے۔ جس کا تصور بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔

گارڈن کوپر کا زمین کے اردگرد ۹۰ منٹ میں ۲۲ چکر لگانا ایسے نئے دور کا پیغام ہے جسے آئن سٹائن نے اپنے نظریئے اضافت کی بناء پر پہلے ہی صحیح مان لیا تھا۔ یہ خلائی سفر گارڈن کوپر نے ۹۰ منٹ میں طے کرلیا اور گارڈن کوپر کی عمر اس خلائی سفر میں کم ہوگئی۔

سفر معراج اور حضرت مسیح علیہ السلام کا عروج ونزول

اب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا اور قرب قیامت میں نازل ہونا ایک حقیقت ثابتہ بن چکا ہے۔

وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون کی تفسیر تجربہ میں آ گئی۔ ایک فلاسفر نے لکھا ہے کہ ”خلائی کشتی کے ذریعے ایک سے دوسرے کہکشاں تک آنا جانا ممکن الوقوع ہے اور وہاں کے حساب سے پچپن سال اور زمین کے حساب سے تین لاکھ سال گزر چکے ہوں گے“۔

یہ اس نے بڑے تھکانے والے تجربے کے بعد حساب لگایا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے کئی بار فرمایا تھا۔ ”لیس عند ربک صباح ولا مساء

هنا موطن فوق الزمان ثباته

علے حالة لیست به غیر تتری

وہاں ایسا مقام ہے جہاں زمانے اور تغیر وتبدل کا گزر نہیں ہے۔ علامہ ابن قیمؒ کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے۔

قال ابن مسعودؓ کلاماقد حکاه الدارمی عند بلانکران ما عنده لیل ولانهار قلت تحت الفلک یوجد ذان نور السموات العلیٰ من نوره والارض کیف النجم والقمران من نوروجه الرب جل جلاله وکذا حکاه الحافظ الطبرانی

یہی مراد ہے اس حدیث کی۔

"ان اللہ لاینام ولا ینبغی له ان ینام یخفض القسط ویرفعه و یرفع الیه عمل اللیل قبل عمل النهار و عمل النهار قبل عمل اللیل حجابه النور فهذه حضرة فوق اللیل والنهار". کما فی روح المعانی.

معانی آخرت میں متجسد ہو جائیں گے

روح المعانی میں واشرقت الارض بنور ربها دیکھنا چاہئے۔"و ان جهنم لمحیطة بالکفرین "میرے نزدیک یہ محقق ہو گیا کہ معانی آخرت میں متجسد ہو جائیں گے۔ شیخ اکبر کی بھی یہی تحقیق ہے چنانچہ فتوحات میں لکھا ہے اور دوانی نے اپنے رسالہ "الزورا میں آیت بالا سے اس کو تقویت دی ہے۔ یعنی اب بھی جہنم محیط ہے لیکن آنکھوں سے مستور ہے اور حشر میں یہ سب کچھ منکشف ہو جائے گا۔ فکشفنا عنک غطاء ک فبصرک الیوم حدید".

بندوق کا شکار

درس بخاری شریف میں فرمایا تھا کہ مجھ سے بعض احباب نے مدینہ منورہ میں یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ بندوق کا شکار کیا ہوا جائز ہے یا ناجائز؟ میں نے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں جواب لکھا تھا۔ حاصل یہ کہ بندوق کی گولی توڑتی ہے زخم نہیں کرتی۔ تو یہ وقیذ کے مشابہ ہوا۔ گو مالکیہ کے ہاں جائز ہے۔ بہرحال اگر بندوق کا شکار زندہ مل جائے تو ذبح کرنا چاہئے اگر مر جائے تو کھانا ناجائز ہے۔

نماز کے لئے رغبت

حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ فرماتے تھے کہ مولانا سید انور شاہ صاحبؒ ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا" حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آ جائے"۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا" اور رہ ہی کیا گیا" سبحان اللہ نماز ہی کی فکر رہی۔

اختلاف میں اتحاد

ارشاد ہوا دو شریف آدمی مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود آپس میں مل جل کر شریفانہ زندگی گزار کر سکتے ہیں۔

فرمایا:۔ "قل ادعواالذین زعمتم من دون الله لا یملکون مثقال ذرة فی السمٰوات ولا فی الارض".

ابوعبداللہ رازی کہتے ہیں جو مذاہب کہ مفضی الی الشرک ہیں وہ چار ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین اور زمینیات کو ان کے حکم میں کردیا اور ہم زمینیات میں سے ہیں۔اس لئے ہم کواکب اور ملٰئکۃ کو پوجتے ہیں۔ جو کہ آسمانی ہیں اور وہ ہمارے الٰہ ہیں اور اللہ ان کا معبود ہے۔لہٰذا ان کا قول باری تعالیٰ نے رد کردیا۔

"لایملکون مثقال ذرة فی السموات" کما اعترفتم "ولافی الارض" کما زعمتم

(۲) آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔مستقل اور زمینوں اور زمینیات کا خالق ہے بواسطہ کواکب۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عناصر پیدا کئے اور جو ترکیبات ان میں ہیں اتصال اور حرکات اور طوالع اس لئے انہوں نے شریک قرار دیئے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور پہلوں نے زمین کو اللہ تعالیٰ کے غیر کی قرار دیا اللہ تعالیٰ نے فرمادیا۔ ومالهم فيهما من شرک ای الارض کالسماء لله لالغيره فيهما من نصيب.

(۳) وہ جو قائل ہیں اس بات کے کہ ترکیبات تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے سپرد کردیا ستاروں کے اور حوادثات کا انتساب اذن دینے والے کی طرف کیا جاتا ہے نہ کہ ماذون کی طرف اور فقط آسمانوں ہی کو منسوب باری تعالیٰ کی طرف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے باطل قرار دیا' اس کلام سے 'وماله منهم من ظهير".

(۴) بعض کہتے ہیں کہ ہم اصنام کو پوجتے ہیں۔جو ملائکہ کی تصویریں ہیں تا کہ ہماری شفاعت کریں۔پس اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا "لاتنفع الشفاعة" جملہ الشفاعۃ میں الف لام ظاہر ہے کہ عموم کے لئے ہے۔اور شفاعت سے مراد شفاعت تمام مخلوقات کی ہے بعض کہتے ہیں کہ الف لام عہد کے لئے ہے یعنی شفاعت ملائکہ کی جن کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

فرمایا "ان الله لايغفران يشرک به و يغفرمادون ذلک لمن يشاء".

جو موت علی الکفر کی عدم مغفرت قرآن پاک میں بار بار ذکر فرمائی گئی ہے۔(چنانچہ آل

عمران میں ہے۔"ان الذین کفروا وما توا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملٔ الارض ذھباً ولو افتدیٰ بہ اولٰئک لھم عذاب الیم و مالھم من نٰصرین. (الایہ)

اوراس سے قبل بھی یہی مضمون فرمایا گیا ہے نیز سورۂ نساء میں فرمایا گیا ہے۔

ولاالذین یموتون وھم کفار اولئک اعتدنا لھم عذاباً الیماً وغیرھا من الآیات.

لہٰذا اس آیت کے ساتھ اس کا ذکر چھوڑ دیا گیا کیونکہ دو چیزیں ہیں اگر چہ شرعاً حکم شرک کا بھی کفر ہی ہے کیونکہ ان دونوں میں تغائر نہیں ہے کیونکہ شرک اقرار الوہیۃ کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب ایسے ہی تھے اور کفر کبھی تو جحود باری تعالیٰ سے ہوتا ہے اور کبھی اس کے رسولوں کے انکار سے بھی کفر ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہاں آیت میں شرک کو ذکر فرمایا اس لئے یہاں پر عنوان شرک کا رکھا اور قرآن میں رعایت عنوان کی اور لغت کی اہم ہے۔

فرمایا اشراک باللہ کی کئی اقسام ہیں "اشراک فی العبادۃ" "اشراک فی الصفات" "اشراک فی الطاعۃ"

"اشراک فی العبادۃ" کہ عبادت غیر اللہ کی کرے۔ لیکن اس کو معبود یقین کرے یا نہ کرے جیسے مشرکین عرب کہتے تھے۔ "مانعبدھم الالیقربونا الی اللہ زلفی".

"اشراک فی الطاعۃ" یہ ہے کہ تحلیل الحرام میں اور تحریم حلال میں غیر اللہ کا کہنا مان لے جیسا کہ حضرت عبدالقادر دہلویؒ نے متنبہ کیا ہے۔ کہ نصاریٰ "ارباباً من دون اللہ" مانتے تھے۔ یہ بھی ایک نوع شرک کی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اس کو اشراک فی الطاعۃ فرمایا ہے۔

وحدت دعوت انبیاء

فرمایا ابن رشدؒ نے "تھافۃ الفلاسفہ" میں فرمایا ہے کہ تعلیم قیامت توراۃ سے قبل نہیں تھی۔ میں کہتا ہوں بلکہ تعلیم قیامت تو نجات ہے اور ادیان سماویہ کی اور شرائع انبیاء کی اساس ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم بھی شروع سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ کیونکہ شرائع اگر چہ بدلتی رہی ہیں لیکن اصل تو تبدیل نہیں ہوئی۔

تفاسیر میں ہے کہ حرمت خنزیر حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے۔ ہاں ان نقول کے

انعقاد کی ضرورت ہے تو قیامت کا عقیدہ جو کہ اصول دین سے ہے پہلے سے کیوں نہ موجود ہوگا۔

تعظیم مفرط پر نکیر

جس روز بہاولپور تشریف فرما ہوئے۔ظہر کی نماز ایک چھوٹی سی مسجد میں ادا کرنے کے بعد مولانا فاروق احمد صاحب سے فرمانے لگے یہ اتنا مجمع کیوں ہے؟ جواب دیا یہ لوگ حضرت کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔فرمایا زیارت کسی اللہ تعالیٰ کے پاک بندے کی کرنی چاہئے۔ہم تو عام آدمی ہیں۔خیر بیٹھئے۔میں ایمان اور اسلام اور اذکار کے متعلق کچھ سنانا چاہتا ہوں۔پھر اس پر وعظ فرمایا' قرآن وحدیث پیش فرماتے گئے اور شرح وبسط کے ساتھ مسئلہ بیان فرمایا کہ نماز میں جو ارکان شریعت نے رکھے ہیں ان میں قیام تو مشترک ہے ہم ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی یہ چاہے کہ میں بیٹھوں اور لوگ میری تعظیم کے لئے کھڑے رہیں۔تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔رہا رکوع تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور سجدۂ تحیہ اور تعظیمی یہ حرام ہے فقط مصافحہ سنت ہے۔

سجدۂ تحیہ کا عدم جواز

ایک صاحب نے ایک رسالہ میں سجدۂ تحیہ کا جواز لکھ کر میرے پاس ڈابھیل بھیجا میں اردو کے رسائل کم دیکھتا ہوں۔اٹھا کر ایک دو جگہ سے دیکھا انہوں نے لکھا کہ سجدۂ تحیہ کی حرمت کسی نص سے ثابت نہیں۔حالانکہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ پہلے وقت سجدہ تعظیم تھی آپس کی۔فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے وہ رواج موقوف کیا اور فرمایا۔

"**و ان المساجد لله**" اس وقت پہلے رواج پر چلنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی آدمی بہن سے نکاح کرے کہ آدم علیہ السلام کے وقت ہوا۔(سورۂ یوسف کی تفسیر میں "**وخروا له سجداً**" کے تحت شاہ صاحبؒ نے یہ ذکر فرمایا ہے) اور سورۂ جن میں **وان المساجد لله** کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ:۔

"سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے"

غرض سجدۂ تحیہ کی حرمت احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے مثلاً اپنے استاد کو یا کوئی اور واجب الاحترام آدمی ہو (درمختار)

لفظ قدر کی تحقیق

فرمایا"فظن ان لن نقدر علیه" پس گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں پکڑیں گے۔(ف)"کما فی فقدر علیه رزقه" پس اس پر رزق تنگ کردیا۔"کما بینه الطحاوی فی مشکله"

رؤیت انبیاء مشاہدہ ہے

"والشجرة الملعونة فی القرآن" شجر ملعونہ کے ذکر کو معراج سے اس لئے ملا دیا کہ یہ بھی کفار کا ایک طعنہ تھا جیسے کہ معراج میں ان کو اعتراض تھا۔ چنانچہ "عمدۃ القاری" میں ہے کہ کفار کہتے تھے کہ آپ کیسے راتوں رات بیت المقدس تک ہو آئے۔ اور شجرہ کے متعلق کہتے تھے کہ "درخت آگ میں کیسے ہوسکتا ہے؟ حالانکہ آگ کا کام تو جلانا ہے"۔ خدا کی قدرت کو سب کچھ آسان ہے۔

رؤیا کی تحقیق

فرمایا کہ عالم غیب کی چیزیں حالت یقظہ میں مشاہدہ کرنے کی تعبیر رؤیا سے کی گئی ہے۔ میں نے تورات میں اکثر دیکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مشاہدات عالم یقظہ میں ہوئے یہاں یہ لفظ اکثر استعمال کیا گیا ہے تورات ہی میں ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام ایک ندی کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ایک رؤیا دیکھا۔ حالانکہ یہ عالم بیداری میں رویا تھا۔ فوراً مجھے تنبہ ہوا کہ یہ لفظ رؤیا انبیاء علیہم السلام کے عالم یقظہ کے مشاہدات پر بھی بولا گیا ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں بھی اس پر بحث کی ہے۔

یہ ایسا ہے جیسے کشف کا لفظ صوفیا کے ہاں لغت میں تو کشف کے معنی وضوح کے ہیں۔ کبھی باصرہ کے ساتھ عالم یقظہ میں دیکھنے پر بھی کشف کا لفظ بولا گیا۔

قادیانی کا ایک اعتراض وجواب

فرمایا کہ قادیانی نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے تو شب معراج میں

حالانکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی مگر آپ نے آنے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دھوکہ ہے۔ اس لئے کہ ابن ماجہ میں واقعہ ملاقات ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام مذکور ہے اور باہمی گفتگو بھی مذکور ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ (سنن ابن ماجہ) ص ۳۰۹ باب فتنہ الدجال وخروج عیسیٰ علیہ السلام)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں

"لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقی ابراهیم و موسیٰ و عیسیٰ فتذاکروا الساعة فبدؤا باابراهیم فسألوه عنها فلم یکن عنده من علم ثم سألوا موسیٰ فلم یکن عنده من علم فردا الحدیث الی ابن مریم فقال قد عهد الی دون وجبتها اما وجبتها فلا یعلمها الا اللہ فذکر خروج الدجال قال فانزل فاقتله' (الحدیث)

ایام قیام قبا کی تحقیق

فرمایا یہ یادرکھنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں چودہ روز قیام پذیر رہے۔ چنانچہ بخاری صفحہ ۵۰۶ جلد ایک میں تصریح ہے اور جو سیر محمد بن اسحاق میں ہے کہ قباء کا قیام چار دن رہا۔ پس وہ سہو ہے اس کا منشا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں داخل ہوئے۔ منگل کے روز اور شہر مدینہ میں تشریف لائے جمعہ کے روز پس جمعہ اسی ہفتہ کا شمار کرلیا گیا۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ جمعہ ثانیہ کا اعتبار کرنے سے بھی حساب پورا نہیں ہوتا کیونکہ منگل منگل آٹھ روز۔ بدھ جمعرات جمعہ تین دن مل کر گیارہ دن ہوگئے تو بخاری شریف میں مذکورہ چودہ دن تو پورے نہ ہوئے جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن تشریف لے جانا قیام کی خاطر نہ تھا۔ بلکہ جمعہ کی نماز ادا کر کے واپس آجانا مقصود تھا۔ پھر ہفتہ اتوار پیر قباء میں رہ کر منگل کو مدینہ میں تشریف لائے۔ یہ پندرہ یا چودہ روز ہوگئے۔

فضیلت حضرت ابوبکر قطعی ہے

ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت امام اشعریؒ کے نزدیک قطعی ہے اور

امام باقلانی کے نزدیک ظنی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اشعری کا فرمانا اصوب ہے کیونکہ اس کثرت سے احادیث اس باب میں مروی ہیں جن سے تواتر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ تواتر سے بھی فوق ایسے ہی افضلیت شیخین بھی ثابت ہے پھر ترتیب بھی قرابت کے برعکس ہے۔ پس جو اقرب ہے نسباً وہ آخر ہے۔ افضلیت میں اس طرح کہ علیؓ عثمانؓ عمرؓ ابوبکرؓ۔ نیز افضلیت میں صدیق اکبرؓ اقدم ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمانؓ پھر علی کرم اللہ وجہہ۔

امتناع قرأة خلف الامام

بخاری جلد اول ص ۵۲۳ میں ہے کہ فاروق اعظمؓ پہلی رکعت فجر کی نماز میں سورۃ یوسف یا نحل پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ پھر رکوع کرتے۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ رکوع کے قریب ملتے تھے وہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔ پس مدرک رکوع مدرک رکعت ہوا۔ پھر فاتحہ خلف الامام کہاں گئی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''حتیٰ یجتمع الناس''

توسل فعلی وقولی

بخاری میں قول عمر آیا ہے ''اللّٰھم انا نتوسل الیک بعم بیننا فاسقنا'' یہ توسل فعلی ہے۔ رہا قولی توسل تو ترمذی میں ہے۔ اعمیٰ کی حدیث میں ہے ''اللّٰھم انی اتوجہ، الیک بنبیک محمد نبی الرحمة الیٰ قولہ فشفعہ، فی''۔

(ف) یہ حدیث ترمذی کے علاوہ زاد المعاد میں بھی ہے اور تصحیح فرمائی ہے۔ متدرک حاکم میں بھی ہے۔ حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ذہبی نے حاکم کی تصحیح کی تقویب کی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۳۸۲/۴ میں مفصل تخریج ہے)

فقہاء سبعہ مدینہ

فرمایا فقہائے سبعہ مدینہ ان کے نام مبارک یہ ہیں۔

الاکل من لایقتدی بائمة فقسمته ضیزی عن الحق خارجه
فخذھم عبیداللہ عروۃ قاسم سعید ابو بکر سلیمان خارجه

پس وہ عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود عروہ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق سعید بن المسیب

ابوبکر بن عبدالرحمٰن سلیمان بن یسار مدنی مولی میمونہؓ خارجہ بن زید بن ثابت الانصاری اگر کوئی ان اسماء کو کاغذ پر لکھ کر چھت سے تعویذ باندھ دے تو چھتی کی لکڑی کو کیڑا نہیں لگتا۔

لفظ دون کی ادبی تحقیق

فرمایا۔ "واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفة و دون الجهر من القول بالغدو و الاصال" اس میں دون الجهر معطوف واقع ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ ذکر جہر کا بھی جواز ہے اور دون بمعنی ذرا کم یعنی جہر مفرط سے ذرا کم۔ فقہا کا جہر مراد نہیں بلکہ "لایحب الله الجهر بالسؤمن القول کے قبل سے ہے مثلاً "ولاتجهر واله بالقول" یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چیخ کر نہ بولو۔ جیسے اعراب بولتے تھے۔ جیسے "ویغفر مادون ذلک" یعنی جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہوگا اسے بخش دے گا۔

"ولنذیقنهم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر" یعنی تھوڑا عذاب جو ورے ہے اس بڑے کے۔

"ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما"

یعنی پھر دو رکعتیں ادا فرمائیں جو کہ پہلی دو رکعتوں سے کم طویل تھیں۔ غرض ثابت فقہا کے جہر کو کیا جو چیخ کر بولنے سے ذرا کم ہوتا ہے۔

سنن ابی داؤد ص ۲۶۳ میں ہے۔ "فان افتانا بفتیاً دون الرجم قبلنا ها" پس اگر انہوں نے فتویٰ دیا رجم سے کم سزا کا تو ہم اس کو قبول کرلیں گے (اسد الغابہ صفحہ ۱۶۸) وغیرہ۔ غرض یہ کہ جہر مفرط کی نفی ہے۔ مطلقاً جہر کی نفی نہیں۔

(ف) حضرت عبداللہ ذوالبجادین تو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر جہر کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے شکایت بھی کی کہ یہ شخص ریاکار ہے۔ فرمایا "انه من الاواهین" اور خود حضرت عمرو بن عبسہؓ کے ایمان کے واقعہ میں رات کے وقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا لا اله الا الله کا کعبہ میں بلند آواز سے ذکر فرمانا آیا ہے۔ کعبہ شریف تو مساجد میں افضل ہے۔ کتب سیرت میں مصرح ہے۔ (ص ۱۶۱ اسد الغابہ) (محمد عفا اللہ عنہ)

فرمایا بزازیہ میں کلام مضطرب کیا ہے اور شامی میں تفصیل کی ہے۔ مختصر المعانی میں ہے۔ ص ۲۰۵

"ومعنیٰ دون فی الاصل ادنیٰ من الشیٔ یقال دون ذاک اذاکان احط منه قلیلاً (ترجمہ) "دون اصل میں کسی شئ کا کم درجہ ہونا" "ھذادون ذات" وہاں بولتے ہیں جب وہ شئ دوسری کی نسبت سے تھوڑی سی کم ہو"

لاہور میں ایک شخص کو تلقین ذکر کرتے وقت زور سے ضرب لا الٰه الا الله کی لگا کر دکھائی۔ دیوبند میں احقر جن حضرات کو بیعت کی غرض سے لے جاتا تھا۔ جہر سے ذکر کرنا تلقین فرماتے تھے۔

اعجاز قرآنی

ایک دفعہ فرمایا کہ قرآن مجید و حکیم کا اعجاز مفردات اور ترکیب و ترتیب کلمات اور مقاصد و حقائق کی جملہ وجوہ سے ہے مفردات میں ہے کہ قرآن مجید وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے "اوفیٰ بالحقیقة و اوفی بالمقام" سارے انس وجن بھی نہیں لاسکتے۔ مثلاً جاہلیت کے اعتقاد میں موت کے لئے "توفی" کا لفظ درست نہ تھا کیونکہ ان کے عقیدے میں نہ بقاء جسد تھی نہ بقاء روح۔

"توفی" وصول کرنے کو کہتے ہیں۔ ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا۔ اور بتلایا کہ موت سے وصولیابی ہوتی ہے۔ فناء محض اس حقیقت کو کلمہ توفی سے کشف کر دیا اور کہیں کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنیٰ جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

"وجعلوا لله شرکاء الجن" ظاہر قیاس یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی "وجعلوا الجن شرکاء لله" لیکن مراد یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے۔ کوئی معمولی جرم نہیں کیا۔ خدا کو جن کا شریک قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی عظمت اور کبریائی کو جن کا ہم رتبہ قرار دے دیا۔ پس یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہوسکتی ہے۔

مقصد قرآنی کی تشریح

مقاصد سے میری مراد مخاطبین کو سبق دینا لینا ہے۔ جیسا کہ علماء کرام نے اسماء حسنیٰ کے شروح میں لکھا ہے۔ مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبدأ اور معاش اور

معاد اور فلاح ونجاح دنیا کی آخرت وابستہ ہو۔

قرآنی حقائق

اس سے میری مراد امور غامضہ ہیں۔ جن سے عقول وافکار قاصر رہے اور تجاذب وتجانب اور نزاع عقلا باقی رہا جیسا کہ "مسئلہ خلق افعال عباد" کہ عبد کا ربط اپنے فعل سے کیا ہے اور کیسے ہے اور اس فعل کا ربط قدرت ازلیہ سے کیا ہے۔ قرآن مجید ایسے مقام میں وہ تعبیر اختیار فرمائے گا جس سے "اوفی بالحقیقة" تعبیر بشری طاقت سے باہر ہے۔

حضرتؒ کے ابتدائی دور کے حالات

ریل گاڑی میں بہاولپور سے براستہ راجپورہ واپسی دیوبند کے سفر میں مجھے فرمایا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حاکم سے ملتے ہیں اور حاکم دار قطنی سے لیتے ہیں۔

احقر نے عرض کیا کہ سنن کبریٰ بیہقی پر علامہ ماردینی بیہقی کے لفظی اغلاط پر بھی گرفت کرتے جاتے ہیں۔ فرمایا "ان کی نظر چوکتی نہیں"۔

حضرت شیخ الہندؒ سے تلمیذ

فرمایا میں نے عمدۃ القاری کا حضرت شیخ الزمن مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کی خدمت میں صحیح بخاری شروع کرنے سے ایک سال پہلے ہی مطالعہ کر لیا تھا اور فتح الباری کا مطالعہ درس بخاری کے سال میں کیا تھا۔ مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری فرماتے تھے کہ قسطلانی کی ارشاد الساری شرح بخاری کا مطالعہ بھی اسی سال کیا کرتے تھے خود فرماتے تھے کہ میرے مطالعہ کی رفتار تیز ہوتی تھی کہ دو دو سو ورق مطالعہ کر لیتا تھا۔

مولانا محدث محمد اسحاق کشمیری سے میں نے صحیح مسلم، سنن، نسائی ابن ماجہ پڑھی ہیں۔ وہ تلمیذ مولانا خیر الدین آلوسیؒ کے ہیں وہ اپنے والد سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی کے ہیں۔ "الجواب الفسیح لما لفق عبد المسیح اور بلوغ الارب وجلاء العینین فی المحاکمة بین الاحمدین" اور بھی بڑی نفیس کتب کے مولف ہیں۔ الجواب الفسیح تو احقر کے پاس بھی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ احقر نے ایک دفعہ امرت سر اور لاہور کے

درمیان عرض کیا کہ علامہ خیرالدین آلوسی کی ایک کتاب ردعیسائیت میں ہے۔

لاہورشاہ عالمی دروازے پر میں نے چھ آنے میں خرید کی تھی۔فوراً فرمایا۔

الجواب الفسیح ہے؟ میں حیران رہ گیا۔ مولانا محمد اسحاق صاحب کشمیریؒ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۳۲۲ھ میں ہوا۔ فرماتے تھے ایک میرے استاد تھے۔ اتنا رعب تھا کہ میں تھک جاتا تھا لیکن گھٹنا نہیں بدلتا تھا۔ اب تو طالب علم اس کو کہتے ہیں کہ خوب شوخ وشنگ ہو۔ میں تو حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے کبھی بولتا نہ تھا۔ چپ سنتا رہتا تھا۔

فرمایا حضرت شیخ الہندؒ سے ہدایہ کے آخری دو جز بھی میں نے پڑھے تھے۔

حسین الجسر طرابلسیؒ

فرمایا ایک میرے استاد محدث حسین الجسر طرابلسیؒ بھی ہیں۔ ان کا سلسلہ علامہ ابن عابدین شامیؒ اور علامہ طحطاوی سے ملتا ہے۔ رسالہ حمیدیہ ان ہی کی تصنیف ہے۔ ان کا زہدو اتقا' بڑا کامل تھا۔ فرمایا میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بھی پڑھا ہے۔ جب میں اپنے وطن کشمیر جانے لگا تو گنگوہ حاضر ہوا تھا یہ مدرسہ امینیہ کی واپسی پر ہوا تھا۔

محدث علامہ نیمویؒ کا ذکر

فرمایا ایک دفعہ میں گنگوہ حاضر ہوا تو جامع الاثار مولفہ مولانا نیمویؒ حضرت گنگوہیؒ کے ہاں آیا ہوا تھا۔ کسی غیر مقلد نے اس پر اعتراضات کئے تھے تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ غیر مقلد کے اعتراضات بے جا ہیں۔ میں نے جامع الآثار کی حمایت میں بھی مولانا نیموی کو لکھا تھا۔ مولانا نیموی کے خطوط دہلی میں بھی میرے پاس آتے تھے۔

تقویٰ کے معانی

ایک بار فرمایا کہ تقویٰ ایمان پر بھی بولا گیا ہے "**والزمھم کلمة التقویٰ**" توبہ پر بھی اطلاق ہوا ہے۔" **وان اھل القریٰ امنوا واتقوا**" طاعت کے معنیٰ پر بھی بولا گیا ہے۔

"**ان انذروا انه لااله الا انا فاتقون**" ترک گناہ پر بولا گیا ہے۔ "**واتوا البیوت من ابوابھا واتقوا اللہ**" کبھی اخلاص کے معنی بھی دیتا ہے۔ "**فانھا من تقویٰ**

القلوب'' حضرت شاہ عبدالعزیز نے اس پر خوب لکھا ہے۔

قرآن کریم میں تنسیخ آیات

فرمایا کہ قرآن میں نسخ کے متعلق قدماء میں بھی بہت توسع ہے کہ ان کے نزدیک عام کی تخصیص اور خاص کی تعمیم بھی نسخ ہے۔ ایسا ہی مطلق کی تقیید اور تقیید کا اطلاق اور استثنیٰ اور ترک استثناء بھی نسخ ہے۔ ایسے ہی حکم کا انتہا اس کی علت کے انتہا کی وجہ سے بھی اس میں داخل ہے۔ متاخرین کی سعی اسی میں رہی کہ نسخ میں کمی ثابت کی جائے۔ حتیٰ کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے صرف بیس آیات کو منسوخ مانا ہے اور ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے صرف پانچ جگہ نسخ تسلیم کیا ہے۔ (دیکھو الفوز الکبیر)

میرے نزدیک قرآن متلو میں کوئی آیت بالکلیہ منسوخ نہیں کہ اس کا کوئی محمل ہی نہ نکل سکے بلکہ اس کا حکم کسی مرتبہ میں مشروع ضرور رہے گا۔

فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح العزیز میں لکھا ہے کہ اگر ہم باری تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح کا اعتبار کریں تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ زمانہ، مکان و اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ دوا گرم مزاج مزاج بارد اور موسم بارد میں مفید ہوتی ہے اور مزاج گرم اور موسم گرما میں مضر ہوتی ہے اور چونکہ زمانہ ازل سے ابد تک واقعات جزئیہ پر منقسم و موزع ہے ظہور و خفا سابق اور لاحق اعدام و ایجاد وغیرہ یہ سب کچھ ہمارے اعتبار سے ہے یعنی یہ نسبت اہل زمان اور زمانیات کے اعتبار سے ہے لیکن باری تعالیٰ کی نسبت سے تو ہر چیز اپنے وقت پر واقع ہے بغیر تغیر و تبدل کے۔

حاصل یہ ہے کہ علم ازلی میں ہر ایک چیز کی ایک انتہا ہے۔ لیکن مکلفین اس غایت اور انتہا کو نہ سمجھتے ہوئے اپنے احوال کے قرائن سے گمان کر لیتے ہیں کہ یہ حکم دائمی ہے۔ جب باری تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کی انتہا ظاہر ہوتی ہے سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور دوسرا حکم اس کا ناسخ ہے۔

مکلفین چونکہ قاصر العلم ہیں۔ یہ تقدم اور تاخر اور یہ تجدید و تغییر ان کے اعتبار سے ہے۔ لیکن باری تعالیٰ کے اعتبار سے یہ سب اپنے وقت مقررہ پر ہے کچھ تغیر و تبدل تقدم و تاخر نہیں اور

یہ معاملہ صرف احکام شرعیہ ہی میں نہیں بلکہ ہر شے میں جاری وساری ہے اور جو کوئی اس نسخہ وجود کا (کہ بے انتہا حوادث متعاقبہ پر مشتمل ہے) بنظر غائر مطالعہ کرے گا سمجھ لے گا کہ اس کا پڑھنے والا ایک ایک سطر اس کتاب کی پڑھ کر جا رہا ہے اور کلمہ بعد کلمہ اس کی زبان سے گزر رہا ہے۔ جب چند سطور یا کلمات ختم ہوتے ہیں تو چند سطور اور کلمات سامنے آ جاتے ہیں جو منتفی ہو گیا وہ وجود لفظی سے محو ہو گیا۔ جو کلمات بعد میں آئیں گے وہ وجود لفظی کی لوح پر ثابت ہو جاتے ہیں۔ یہ محو و اثبات ہمیشہ جاری رہتے ہیں اس کو ''کتاب المحو والاثبات'' کہتے ہیں اور اگر اس مجموعہ کو ہیئات اجتماعی (کہ علیم و حکیم نے مبادی اور مقاطع کے ساتھ مرتب کیا ہے) ملاحظہ کرے گا یعنی بغیر تلاوت اور یکے بعد دیگرے کلمات کے آنے سے اس کو ''ام الکتاب'' کہتے ہیں۔ یہیں سے اس آیت مبارکہ کے معنی بھی کھل گئے۔ ''**یمحوا اللہ مایشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب**'' بعض محققین اس مجموعہ دفعی کو ''مرتبہ قضاء'' کا نام رکھتے ہیں اور ظہور تدریجی کو ''مرتبہ قدر'' کہتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ **لامشاحة فی الاصطلاح**)

بعض لوگ نسخ کے مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسی سے بدا لازم آتا ہے۔ اور ہماری تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ بدا اور چیز ہے اور نسخ اور چیز۔ کیونکہ نسخ تو حسب اوقات مختلفہ مصالح مکلفین کی تبدیلی کا نام ہے۔ بدا یہ ہے کہ باری تعالیٰ پر غیر ظاہر مصلحت ظاہر ہو گئی۔ بدا میں تو غیر ظاہر مصلحت کا ظہور ہے۔ پس فرق ظاہر ہو گیا۔ نسخ بدا کو تو تب مستلزم ہوتا جب اتحاد فعل اتحاد وجہ اتحاد مکلّف اتحاد وقت ہوتا اس قسم کا نسخ تو محال ہے کہ ان پر چار شرائط کے ساتھ واقع ہو کیونکہ نسخ میں یا فعل مختلف ہوتا ہے مثلاً عید کے دن کا روزہ رکھنا ممنوع ہو گیا اور نماز عید کی واجب ہو گئی یا وجہ فعل کی بدل جاتی ہے۔ مثلاً پہلے صوم یوم عاشورہ واجب تھا۔ پھر منسوخ ہو کر مستحب ہو گیا یا مثلاً وقت مختلف ہوتا ہے مثلاً استقبال بیت المقدس ایک زمانہ میں تھا اور استقبال کعبہ شریف دوسرے زمانہ میں تا ابد ہو گیا۔ ''**فول وجھک شطر المسجد الحرام**'' خود ظاہر کرتا ہے۔ یا مکلفین بدل جاتے ہیں۔ مثلاً مال زکوٰۃ بنی ہاشم پر حرام ہے اور ان کے غیر کو حلال ہے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن عزیز میں کوئی حرف زائد نہیں کہ جس کو معنی کی تصویر میں دخل نہ ہو۔ بہاولپور کے مقدمہ کے سفر میں فرمایا کہ میں نے ایک نعتیہ کلام میں مستدرک

حاکم کی ایک حدیث ہی بعینہ رکھ دی ہے۔

اے آنکہ ہمہ رحمت مہداۃ قدیری ــــ باراں صفت و بحر سمت ابر مطیری

"انا رحمة مهداة" حدیث شریف ہے۔ مستدرک حاکم میں یہ حدیث موجود ہے (اور مشکوٰۃ میں بھی ہے) پھر کچھ اشعار سنائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا نعتیہ کلام

معراج تو کرسی شدہ و سبع سمٰوات ــــ فرش قدامت عرش بریں سدرہ سیریری

برسر فرق جہاں پایۂ پائے تو شدہ ثبت ــــ ہم صدر کبیری و ہمہ بدر منیری

ختم رسل و نجم سبل صبح ہدایت ــــ حقا کہ نذیری تو والحق کہ بشیری

آدم بصف محشر و ذریت آدم ــــ در ظل لوایت کہ امامی و امیری

یکتا کہ بود مرکز ہر دائرہ یکتا ــــ تا مرکز عالم توئی بے مثل و نظیری

ادراک بختم است کمال است بخاتم ــــ عبرت بخواتیم کہ در دور اخیری

امی لقب و ماہ عرب مرکز ایماں ــــ ہر علم و عمل را تو مداری و مدیدی

عالم ہمہ یک شخص کبیر است کہ اجمال ــــ تفصیل نمودند دریں دیر سدیری

ترتیب کہ رنبی ست چووا کردہ نمودند ــــ در عرصۂ اسراء تو خطیبی و سفیری

حق است و حقے است چو ممتاز باطل ــــ آں دین نبی ہست اگر پاک ضمیری

آیات رسل بودہ ہمہ بہتر و برتر ــــ آیات تو قرآں ہمہ دانی ہمہ گیری

آں عقدۂ تقدیر کہ از کسب نہ شد حل ــــ حرف تو کشودہ کہ خبیری و بصیری

اے ختم رسل امت تو خیر امم بود ــــ چوں ثمرہ کہ اید ہمہ در افضل اخیری

کس نیست ازیں امت تو آنکہ چو انور ــــ باروئے سیاہ آمدہ و موئے زر مدی

اگر علماء التفات فرمائیں تو یہ کچھ مشکل کام نہیں ہے کہ تقریر دل پذیر حضرت نانوتوی قدس سرہ کی اور اکفار الملحدین اور عقیدۃ الاسلام حضرت شاہ صاحبؒ کے اور صدع النقاب جساسۃ الفنجاب اور ضرب الخاتم کو داخل درس کریں کہ بغیر ان کے طلبہ پر مسائل اور عقائد کی

حقیقت نہیں کھل سکتی۔ علمی رنگ میں حل مسائل کا جب ہی ہوگا۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم اور حضرتؒ سے استفادات

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے ایک ایک شعر ضرب الخاتم کا حل کیا ہے افسوس وہ خطوط ہمیں دستیاب نہ ہو سکے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے ڈاکٹر اقبال کو تحریر کیے۔ بعض خطوط تو تیس تیس صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ معلوم نہیں کہ یہ علمی ذخیرہ کہاں کھو یا گیا۔ خود فرماتے تھے جتنا استفادہ مجھ سے ڈاکٹر صاحب نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا۔

ڈاکٹر صاحب علوم قرآن وحدیث پر کافی دسترس رکھتے تھے اور مولانا امیر حسن صاحب سیالکوٹی مرحوم سے با قاعدہ پڑھا تھا۔

قصیدہ صدع النقاب مع ترجمہ حضرت مولانا محمد انوریؒ

حضرت کا قصیدہ صدع النقاب جب حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا پہلا جلسہ ۱۹۳۳ء میں ہوا اور تمام علماء دیوبند کا اجتماع ہوا تو مولانا محمد ادریس سیکروڈوی خادم حضرت شاہ صاحب حضرت شاہ صاحبؒ کی تصانیف بھی ساتھ لاہور لائے۔ یہ قصیدہ بہت فروخت ہوا۔ لوگوں نے اس کو استحسان کی نظر سے دیکھا وہ یہ ہے۔

(چند اشعار بطور نمونہ از خروارے درج کئے جاتے ہیں) قصیدہ ۱۶۱ اشعار پر مشتمل ہے۔

الا یا عباد اللہ قوموا وقوموا　　　خطوباً المت ماھن یدان

اے اللہ کے بندو اٹھو اور نا قابل برداشت مصائب ٹوٹ پڑے ہیں ان کو درست کرو۔

یسبّ رسول من اولی العزم فیکم　　　تکاد السماوالارض تنطران

ایک اولوالعزم پیغمبر کو تمہارے اندر برا بھلا کہا جارہا ہے جس سے قریب ہے آسمان اور زمین پھٹ پڑیں۔

و حارب قوم ربھم و نبیھم　　　فقوموا لنصر اللہ اذھودان

اور ایک قوم نے اپنے خدا اور نبی سے لڑائی باندھی۔ تم اللہ کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ جو کہ نزدیک ہے۔

وقد عیل صبری فی انتھاک حدودہ　　فھل ثم داع او مجیب اذان

اور خدا کی حدود توڑے جانے کے باعث میرا صبر مغلوب ہو گیا پس ہے کوئی اس جگہ بلانے والا یا میری آواز کا جواب دینے والا۔

واذعز خطب جئت مستنصراً بکم　　فھل ثم غوث یا لقوم یدان

اور جب مصیبت حد سے بڑھ گئی تو میں تم سے مدد چاہنے آیا۔ پس اے میری قوم ہے کوئی فریادرس جو میرے قریب ہو۔

لعمری لقد نبھت من کان نائماً　　واسمعت من کانت لہ اذنان

قسم ہے مجھے کہ میں نے سوتے کو جگایا اور جس کے کان تھے اس کو سنایا۔

ونادیت قوماً فی فریضۃ ربھم　　فھل من نصیر لی من اھل زمان

اور قوم کو اس کے خدا کے فریضہ کی طرف بلایا پس ہے کوئی جو میرا مددگار ہو زمانے والوں میں سے۔

دعوا کل امرو استقیموا لمادھی　　وقد عاد فرض العین عند عیان

سب کچھ چھوڑ دو اور جو مصیبت درپیش ہے اس کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر آنکھ کھول کر دیکھا جائے تو ہر شخص پر فرض عین ہو گیا ہے۔

پھر اگلے اشعار میں دلائل اور شواہد ذکر فرمائے ہیں۔ یہ قصیدہ اس لائق ہے کہ علماء طلباء کو یاد کرائیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام اعمش نے ایک صاحب کو تعزیت نامہ لکھ کر بھیجا۔

انا نعزیک لا انا علے ثقۃ　　من البقاء ولکن سنۃ الدین

فلا المعزی بباق بعد میتہٖ　　ولا المعزی وان عاشا الیٰ حین

(ترجمہ) ہم آپ کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ہماری زندگی کا کچھ اعتبار نہیں لیکن یہ سنت ہے دین کی۔ پس نہ تو معزی باقی رہے گا اپنی میت کے بعد نہ تعزیت کرنے والا اگرچہ ایک زمانے تک جیتے رہیں۔ (آخر سب کو موت ہے)

"جب قضا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایک دن"　　(محمد غفرلہ)

قرآن مجید کی ۱۴ آیات کا جلنے سے محفوظ رہنا

فرمایا حافظ ابوزرعہ رازی نے فرمایا کہ جرجان میں آگ لگنے سے ہزارہا گھر جل گئے۔ اورقرآن بھی جلے۔لیکن یہ آیات نہ جلیں۔

ذلک تقدیر العزیز العلیم وعلیٰ اللہ فلیتوکل المومنون ولاتحسبن اللہ غافلاعما یعمل الظلمون و ان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا و قضی ربک ان لاتعبدوا الا ایاہ تنزیلا ممن خلق الارض والسمٰوات العلیٰ الرحمن علے العرش استویٰ لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض و ما بینھما و ما تحت الثریٰ. یوم لاینفع مال ولا بنون الامن اتی اللہ بقلب سلیم. ائتیا طوعاً اوکرھاً قالتا اتینا طائعین وما خلقت الجن والانس الالیعبدون ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللہ ھوالرزاق ذوالقوۃ المتین وفی السماء رزقکم وما توعدون. فورب السماء والارض انہ لحق مثل ماانکم تنطقون

آیات خلاصہ

فرمایا یہ تجربہ ہے کہ آیات مذکورہ لکھ کر کسی برتن میں بند کر کے دکان گھر یا سامان میں رکھنا حفاظت کے لئے مجرب ہے۔

عمل شفا

فرمایا کہ ایک آدمی یا کئی آدمی مل کر ہر سورت کی آخری آیت پڑھ کر پانی پر دم کریں تو لاعلاج مرض کے لئے مفید ہے۔ یہ ایک سو چودہ دم ہو گئے۔

حضرات صحابۂ کرام کا تعلیم و تبلیغ کے لئے دنیا میں پھیل جانا

فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کو بعض بعض علاقوں میں بھیج دیا تھا۔ مثلاً ابوالدرداءؓ کو شام کی طرف تعلیم کی خاطر بھیجا تھا اور حضرت ابن مسعودؓ کو کوفہ کا

بیت المال سپرد کیا۔ اور حضرت عمارؓ کو امامت کے لئے بھیجا تھا۔ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا امیر بنایا تھا۔ اور حضرت فاروقؓ اعظم نے کوفہ کو چھاؤنی بنایا تھا اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ایک قرقیسہ میں چھ سو صحابہؓ آباد تھے۔

الحاصل صحابہ کرامؓ مختلف بلاد میں اسلام کی تبلیغ و تعلیم وکلمۂ اسلام کو پھیلانے کیلئے نکل گئے تھے۔

سو اگر مالکیہ کو فخر ہے اس بات پر کہ ان کا امام "دارالہجرۃ" کا رہنے والا تھا تو ہمیں بھی یہ مسلم ہے کہ واقعی امام مالکؒ امام دارالہجرۃ تھے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کو بھی اس میں فوقیت حاصل ہے کہ اکثر صحابہؓ عراق میں بس گئے تھے اور وہیں علم نحو مدون ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کی ابتداء حضرت علی مرتضیٰؓ سے ہوئی۔ آپؓ نے ایک آدمی کو سنا کہ یہ آیت "ان اللہ بریٔ من المشرکین و رسولہ" میں رسولہ کو کسرہ سے پڑھ رہا تھا۔ تو آپ کو فکر ہوئی کہ امت کو ان مہالک سے کیسے بچایا جائے؟ تو آپ نے ابو اسود دولی کو فرمایا کہ ایک قانون ایسا بناؤ کہ خطا لفظی سے لوگ محفوظ رہیں۔ پھر خود آپ نے ان کو ایک اصول بتایا۔ "کل فاعل مرفوع و کل مفعول منصوب و کل مضاف الیہ مجرور"

علم نحو وغیرہ کی تدوین

پھر فرمایا "الخ نحوہ" پھر اسود دولی نے اس کی تدوین افعال تعجب سے شروع کی۔ حضرت علیؓ نے تصویب فرمائی۔ پھر حروف مشبہ بالفعل لکھے مگر ولکن چھوڑ گئے۔ حضرت علیؓ کے فرمانے پر اس کو بھی لکھا۔ غرض حنفیہ کو بھی فضیلت حاصل ہے۔

حضور علیہ السلام کا پیٹھ پیچھے بھی دیکھنا بطور معجزہ تھا

فرمایا کہ یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے "انما ارنکم من وراء ظهری" یہ دیکھنا بطور معجزہ تھا، ایسا ہی ثابت ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اور فلسفہ جدیدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ قوۃ باصرہ تمام اعضاء انسانی میں ہے۔

فلسفہ جدیدہ

ارکعوا اور اقیموا الرکوع میں فرق ہے۔ ثانی ابلغ ہے اس لئے کہ یہ لفظ وہاں

مستعمل ہوتا ہے جہاں لولاہ لانعدم الشئ مراد ہوتا ہے لہٰذا ترجمہ قول یقیمون الصلوۃ کا یہ کریں گے برپا رکھتے ہیں نماز کو حتیٰ کہ اگر برپا نہ رکھتے تو اس کی ہستی جاتی رہتی۔

نماز کا افتتاح

ہمارے نزدیک اور حنابلہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ سبحانک اللّٰھم و بحمدک بعد تکبیر کے پڑھے۔ اور مسلم شریف میں آیا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ان کو جہراً پڑھا ہے۔ یہ محض تعلیماً تھا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مختار اللّٰھم باعد الخ ہے۔ یہ سند کے اعتبار سے قوی ہے اور جو ہمارا مختار ہے وہ قوۃ تعامل کے اعتبار سے قوی ہے اور امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی وہی پسند کرتا ہوں جس کو حضرت عمرؓ نے پسند فرمایا۔

تعامل سلف

یہ بھی خوب یاد رکھنا چاہئے کہ قوۃ سند پر اغتراء اور تعامل سلف سے اغماض بہت دفعہ مضر ثابت ہوا ہے کہ اسناد تو دین کی صیانت کے لئے تھی۔ پس لوگوں نے اسی کو پکڑا۔ حتیٰ کہ تعامل سے اغماض ہوتا چلا گیا۔ حالانکہ میرے نزدیک فیصلہ تعامل سے ہی ہوسکتا ہے۔

سورۂ مزمل میں نصفہ بدل ہے

فرمایا کہ سورۂ مزمل میں نصفہ بدل واقع ہو رہا ہے۔ اللیل سے اس لئے کہ ثلث تو عشاء کے لئے مخصوص کیا گیا نصف سے جب قلیل کی کمی کی گئی تو ثلث رہ گیا اور اگر نصف میں زیادتی کی تو ثلثین قام لیل کے لئے رہ گیا۔ اور منہ اور علیہ کی ضمیریں نصف کی طرف جود کرتی ہیں۔ بہرحال محور نصف لیل ہے۔ یہی کلبی اور مقاتل سے منقول ہے اور تبریزی سے بھی منقول ہے کہ مادون الثلث قلیل ہے۔ حدیث میں ہے کہ "الثلث کثیر" گویا عبارت یوں ہے

قم اللیل الاقلیلا نصفه او انقص منه قلیلا اوزدعلیه ای اوقع القیام فی هذاالوقت المعلوم علیٰ هذه الصور

قرآن عزیز نے پہلے سے ثلث لیل عشاء کے لئے لے لیا۔ چنانچہ ثلث لیل تک نماز عشاء مستحب ٹھہرائی گئی۔ کمافی الاحادیث باقی حکم اس کے ماسوا کی طرف پھیرا گیا اور اس کا

محور نصف لیل رکھا گیا اور اس پر حکم کرنا یا زیادہ کرنا دائر کیا گیا گویا اپنی طرف سے تو نصف ہی مقرر کرتے ہیں اور اس سے کچھ کم کرنا یا زیادہ کرنا سو مصلی کو اختیار دیتے ہیں۔ و من اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک میں بھی کل لیل کا احصا مطلوب نہیں۔

وتر کے بارے میں تحقیق

فرمایا کہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر ن الصدیقؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کی روایت کی کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وتر بھی پڑھا ہے۔ یہ روایت دار قطنی میں مختصر آئی ہے اور امام بخاری نے اس کو مفصل ذکر کیا ہے۔''

شیخ نیمویؒ نے اسے ایک وتر کی دلیل بنایا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس میں تیرہ رکعات صلوۃ الیل ذکر کی ہیں۔ ان دونوں کی ایک ہی سند ہے۔ ایک ہی متن ہے یہ راوی کا تفنن ہے۔ جب جمیع طرق حدیث جمع نہ کئے جائیں تو ایسا ہی مغالطہ لگ جاتا ہے۔

یایھا المزمل الخ میں رات کے تین حصے کر دیئے

فرمایا یایھا المزمل (الایۃ) میں رات کے تین حصے کر دیئے۔ ثلث تو عشاء کے لئے خاص کر دیا اور ثلث لیل آخر نوافل کے لئے پھر سدس لیل کو دونوں کے لئے صالح بنایا۔ اگر اس میں عشاء ادا کی تو نصف لیل عشاء کے لئے ہو گیا اور اگر نوافل ادا کئے تو دو ثلث لیل ہو گئے۔ یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو چاہئے کہ نصف مد نظر رکھئے تا کہ آپ تقسیم کر سکیں (رات کو تقسیم کر سکیں عشاء اور صلوۃ اللیل میں) نصف میں جب سدس لیل مل گیا تو دو ثلث نوافل کے لئے نکل آیا۔ خوب سمجھ لینا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اکثر اوقات یہ تقریر فرمایا کرتے تھے۔

جب احقر حضرت کے وصال پر دیوبند حاضر ہوا تو غالباً مفتی عتیق الرحمٰن فرماتے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تو مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی صدر یار جنگ زیارت کے لئے تشریف لائے۔ ان کے سوال پر تقریر فرمائی اور (یایھا المزمل کی تفسیر فرمائی) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت بس مسئلہ خوب ذہن نشین ہو گیا۔ مجھے بڑا خلجان رہتا تھا۔ اب صاف ہو گیا۔

حضرت شاہ صاحب کی دو پیشنگوئیاں

مفتی عتیق الرحمٰن نے بیان فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سفرآخرت فرمانے سے چند یوم قبل دردولت پر حاضر ہوا۔ فرمایا کہ میں نے کبھی پیش گوئی نہیں کی۔ اب تو دو باتیں ذہن میں آ گئی ہیں۔ عرض کر ہی دیتا ہوں۔ "ایک یہ کہ حضرت شیخ الہندؒ کے علوم کی خوب اشاعت ہوگی"۔ "دوم ہندوستان ضرور آزاد ہوگا"۔ اس لئے کہ مظالم کی انتہا ہوگئی۔ یہ جب کی بات ہے جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا وصال کا تار آیا اور ایک ساتھی کے ہمراہ دیوبند حاضر ہوا تھا۔ یہ واقعہ رائیکوٹ ۱۹۳۳ء کا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کا واقعہ

وہ منظر بھی آنکھوں کے سامنے ہے کہ جب بعد مغرب تابوت حضرت شیخ الہند کا دہلی سے دیوبند کے اسٹیشن پر آیا۔ غالباً ربیع الاول ۱۳۳۹ھ تھا۔ تمام اکابر ساتھ تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔ طلباء واہل دیوبند کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار کرنا مشکل تھا۔ جوں ہی ریل گاڑی بعد مغرب اسٹیشن دیوبند پہنچی سب کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔ نہایت ادب کے ساتھ تابوت شریف باہر لایا گیا۔ اسٹیشن سے مدرسہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ تابوت اٹھائے ہوئے تھے اور روتے ہوئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دردولت کی طرف آرہے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ بھی ساتھ ہی ساتھ روتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ خود فرماتے ہیں "ولم ارمثل الیوم کم کان باکیا" یعنی اس دن کتنے لوگ رو رہے تھے ایسا نظارہ میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔

تعزیتی جلسہ اور حضرت شاہ صاحب کا عربی مرثیہ

پھر ایک دن تعزیتی جلسہ ہوا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت تھی۔ سبھی اکابر نے مرثیے پڑھے۔ حضرت شاہ صاحب کھڑے ہوئے آنسو جاری تھے۔ دو قصیدے ایک عربی مرثیہ جو فصل الخطاب کے آخر میں لگا ہوا ہے پہلے وہ پڑھا۔

قفابنک من ذکری مزار فندمعا　　　مصیفا ومشتاً ثم مرایٔ ومسمعًا

قد احفہ الالطاق عطفا وعطفۃ　　　و بورک فیہ مربعاً ثم مربعا

پھر فارسی کا طویل قصیدہ پڑھا سب حاضرین وقف گریہ و بکا تھے۔

بگذر از یاد گل و گلبن کہ ہیچم یاد نیست | در زمین و آسماں جز نام حق آباد نیست
بر روان رہرواں ہا رحمتے بفرستہ باش | حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست
شرح حال خود نمودن شکوۂ تقدیر نیست | نالہ بر سنت نمودن نوحہ و فریاد نیست

پھر فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی سنت کے مطابق حزن وملال کا اظہار کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی مرثیہ پڑھا ہے۔ اس لئے آنسو بہانا یا غم کا اظہار کرنا بدعت نہیں ہے۔ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

(ف) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال پر آپ نے فرمایا تھا۔ "انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون" اور آنسو جاری تھے۔ طویل قصیدہ ہے بڑا دردناک رقت انگیز۔

۱۹۲۹ء کا جلسۂ لاہور اور میر شرعت کا تقرر

۱۹۲۹ء کے مارچ کے مہینہ میں لاہور میں خدام الدین شیرانوالہ گیٹ مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجتماع کیا۔ اس میں حضرت مولانا ظفر علی خان صاحب بھی تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ نے ولولہ انگیز تقریر کی اور مولانا عطاء اللہ شاہ صاحبؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے شیخ کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہئے تو حضرت شاہ صاحب کشمیری اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ مظفر گڑھ کے جلسہ میں یہ عطاء اللہ صاحب بوقت شب میرے پاس آئے اور کہا کہ "مجھے کچھ ذکر اذکار تلقین کیجئے"۔ ہم نے ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیا۔

پھر میں نے کہا کہ کچھ رد قادیانیت کے سلسلے میں سپاہیانہ خدمت کیجئے۔ لہٰذا میں آپ صاحبان کے سامنے ان کو امیر شریعت مقرر کرتا ہوں۔ آپ حضرات کو بھی ان کا اتباع کرنا چاہئے۔ سید عطاء اللہ صاحب کھڑے رو رہے تھے اور حضرت شاہ صاحب کشمیری کے بھی آنسو جاری تھے۔ بلکہ تمام مجمع پر رقت کا عالم تھا۔ ہمارے حضرت رائپوری بھی فرما رہے تھے کہ مولانا حبیب الرحمٰن اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب کو حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ردقادیانیت پر لگایا تھا۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب خود حضرت رائے پوری کی خدمت میں سنا رہے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب کا وصال ہو گیا تو میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے ہمراہ تھانہ بھون گیا۔ حضرت تھانویؒ نہایت شفقت سے ملے اور مجھے بغل میں لے کر مسجد کے حوض سے سہ دری میں جہاں حضرت تھانوی بیٹھتے تھے لے گئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اب آپ ہی ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں۔ ہمارے سرپرست تو رخصت ہو گئے تو حضرت تھانوی فرمانے لگے "اجی شاہ صاحب کے کیا کہنے میں تو انور شاہ صاحبؒ کے وجود کو اسلام کی حقانیت کی دلیل سمجھتا ہوں' جیسا کہ امام غزالیؒ کے متعلق لکھا ہے۔

تفسیر قولہ تعالیٰ بلے من کسب سیئۃ الآیۃ

قولہ تعالیٰ:۔ بلی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خٰلدون.

اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قول "**لن تمسنا النار الایاماً معدودہ**" بیان کی اور فرمایا کہ انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اعتقاد فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ منشا تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب جانتا ہو ہاں عمل میں مخالفت کرتا ہو۔ مثلاً یقین سے جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے ایسا ہی زنا' چوری' لواطت بھی حرام ہے۔ یہ کبائر ہیں۔ لیکن طبعی حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کا نام فسق و فجور و عصیاں ہے۔ **العیاذ باللہ**. اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دی ہے لیکن وہ ایک مدت مقررہ عنداللہ کے بعد ختم ہو جائے گا۔ عذاب دائمی نہیں ہوگا کیونکہ اس کا یقین اور اعتقاد رائیگاں نہیں جائے گا۔ بلکہ عذاب سے نجات عطا فرمائے گا۔ یعنی عذاب دائمی نہ ہوگا۔

دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو مثلاً جو چیز کہ نفس الامر (حقیقت) میں ثابت ہے۔ خواہ از قسم الٰہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو۔ خواہ شعائر اللہ کے متعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو۔ یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو۔ اس کہ جحود اور کفر

زندقہ اورالحاد کہتے ہیں اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اسی کو کہتے ہیں'' الفاسق لا یخلد فی النار'' چونکہ ملت حقہ اس زمانہ میں صرف یہودی تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے وہ اپنی عبادت سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا۔اس فرقہ نے اپنی کند ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنون میں نہ کیا اور کہہ دیا''لن تمسنا النار الاایاماً معدودات'' حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس طرح رد کر دیا کہ'' کیا تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے'' اتخذتم عنداللہ عهداً ام تقولون علی اللہ مالاتعلمون'' کیونکہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہودی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں۔

پس نص صحیح غیر ماول جس کو عہد کہتے ہیں اس باب میں مفقود تھی اور تاویلات اعتقادیات اور اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

نیز یہ بھی کہ اس تحقیقی بیان سے ان کے اس شبہے کو حل فرما دیا کہ ''بلی من کسب سیئة واحاطت به خطیئته'' الایہ کہ فساد علم وعمل اور خرابی عقیدہ واعمال اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ برابر مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے موجب'' خلود فی النار'' کا ہے جس فرقہ میں بھی پایا جائے گو کلمہ گو ہی ہو اور دعویٰ بھی دین داری کا رکھتا ہو۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے گا۔زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے ڈرانے کے لئے یہ دھمکی دی ہے۔ والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ.
'' مراجعت کرو فتح العزیز'' کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

واتبعوا ما تتلوا الشیاطین

''واتبعوا ما تتلوا الشیاطین'' یعنی انہوں نے اتباع کیا اس کا جس کو پڑھتے ہیں شیاطین سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک۔

''وماکفر سلیمان'' یعنی سحر اور اس کا مادہ کفر ہے یا مثل کفر کے ہے۔ وما انزل علے الملکین الخ اس کا عطف''ماتتلوا'' پر ہے۔اس سے یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ ہاروت ماروت پر اترا تھا وہ سحر ہی تھا۔ بلکہ عطف تو مغائرت پر دلالت کرتا ہے محض لفظوں

میں قرآن کے باعث یہ گمان ہوتا ہے بلکہ وہ ایسے عزائم میں سے تھا جس کا مادہ شر نہ ہو بلکہ نتیجہ اس کا شر ہوتا ہے۔ مثلاً ادویہ طبیہ مثلاً (ایسبغول اس کا لعاب پیتے ہیں اگر اس کو چبائیں تو زہر ہو جاتا ہے) یا جیسے کہ عمل سیفی کرتے ہیں کہ کسی کو ہلاک کرنے کے لئے حالانکہ کسی کو جان سے مار دینا یہ تو حرام ہے)

"حتی یقولا انما نحن فتنة فلا تکفر" وہ دونوں یہ کہتے تھے کہ تو کفر نہ کر یعنی ہم سے سیکھ کر اس کا غلط استعمال نہ کرنا جس کا نتیجہ برا نکلے اور غایت تشنیع کے باعث اس کو کفر فرمایا گیا۔ اس واسطے کہ وہ سحر کے ساتھ ملتبس ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی وظیفہ اپنی تکلیف رفع کرنے کے لئے سیکھے پھر اس کو استعمال کرے دوسروں کو ضرر پہنچانے کے لئے یہ منع ہے تفریق زوج اور زوجہ میں تو فسق ہے کفر نہیں ہے۔

اور بہت کم سلف ادھر گئے ہیں کہ ہاروت ماروت پر تعلیم دینے کے لئے سحر نازل ہوا تھا بلکہ حضرت علیؓ کے ایک اثر سے تو اسم اعظم تھا۔ دیکھو جو ابن جریرؒ نے ربیع سے نقل کیا ہے اور اس کو ابن کثیر نے جید کہا ہے بلکہ تابعین کی ایک جماعت مثل مجاہدؒ سدیؒ ربیع ابن انسؒ حسن بصریؒ قتادہؒ ابوالعالیہؒ زہریؒ سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حدیث مرفوع متصل صحیح سند سے صادق ومصدوق ومعصوم سے ثابت نہیں اور ظاہر قرآن بھی یہی چاہتا ہے کہ اس اجمال پر ایمان لایا جائے بغیر اطناب کے اور موضح القرآن میں "یلحدون فی اسمائه" میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کو واضح ترین الفاظ میں لکھا ہے۔ "والذین یلحدون فی اسمائه" الآیہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے وصف بتائے ہیں وہ کہہ کر پکارو تا کہ تم پر متوجہ ہو اور نہ چلو کج راہ۔ کج راہ یہ ہے کہ جو وصف نہیں بتلائے بندہ وہ کہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کو بڑا کہا' لمبا نہیں کہا اور ایک کج راہ یہ ہے کہ ان کو سحر میں چلائے اپنے کئے کا پھل پا رہیں گے۔ یعنی قرب خدا نہ ملے گا۔ وہ مطلب بھلا ہو یا برا۔ یا یوں بھی ممکن ہے کہ اس کی تقریر کی جائے کہ یہود جو کچھ ہاروت ماروت سے سیکھتے تھے اور جو سحر انہوں نے شیاطین سے سیکھ رکھا تھا ان دونوں میں خلط ملط کرتے تھے۔ پس طاہر اور غیر طاہر کے ملنے سے خبیث پیدا ہوا۔ لہٰذا وہ دونوں یوں کہتے تھے۔ فلا تکفر' پس یہ ایسا ہوا جیسے قولہ تعالیٰ

یضل به کثیراً و یهدی به کثیراً پس یہ باعث کفر کا بالذات نہ ہوا بلکہ بالعرض ہوا۔ جیسے علم دین پڑھے "لیجاء ی به العلماء اولیماری به السفهاء" پس وہ علم اس کے لئے وبال بن جاتا ہے۔ ایک جماعت سلف سے ادھر بھی گئی ہے کہ یہاں مانافیہ ہے۔

کان الناس امة واحدة

"کان الناس امة واحدة حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو موضح القرآن میں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے خوب واضح فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھیجیں اور نبی متعدد بھیجے' اس لئے نہیں کہ ہر فرقے کو جدی راہ فرمائی اللہ تعالیٰ کے یہاں تو ایک ہی راہ ہے جس وقت اس راہ سے کسی طرف بچلے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجا کہ ان کو سمجھائے کہ اس راہ پر چلیں۔ پھر کتاب والے کتاب سے بچلے تب دوسری کتاب کی حاجت ہوئی۔ سب کتابیں اور سب نبی اسی ایک راہ کو قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ تندرستی ایک ہے اور امراض بے شمار۔ جب ایک مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا۔ اب آخری کتاب میں ایسی دوا بتلائی کہ ہر مرض سے بچاؤ ہے۔ یہ سب کے بدلے کفایت ہوئی۔

هداية کے معنی طریق حق اور صواب کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ اور وہ ایک ہی ہوسکتا ہے۔ لوگوں نے اختلاف کیا یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ اسلام لائے اور بعضوں نے ترک کردیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں "لما اختلفوا فیه من الاسلام ہے۔ (البحرالمحیط)

چنانچہ "وما تفرق الذین اوتواالکتٰب الامن بعد ماجاء تهم البینة وما امروا الالیعبدوا الله مخلصین له الدین حنفاء.

(ف) معلوم ہوا کہ سب کو حنیف بننے ہی کا حکم ہوا ہے اور یہ اسلام ہی میں ہوسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے واضح ہے۔

حضرتؒ کی تمناءِ شفاعت نبویہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے جامع مسجد بہاولپور میں وعظ فرمایا کہ میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاولپور کا خط پہنچا کہ

''تو قادیانیوں کے خلاف شہادت دینے کے لئے آ'' تو ہم نے سوچا کہ ہمارا اعمال نامہ تو سیاہ ہے ہی۔ شاید یہی بات پیغمبر برحق کی شفاعت کا سبب بن جائے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا جانبدار ہو کر بہاولپور میں آیا تھا۔ یہ سنتے ہی مولانا بے قرار ہو گئے اور رقت طاری ہو گئی۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ایمان

فرمایا اہل مکہ نے کئی سال تک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچائیں آخر خدا تعالیٰ نے ان ہی کو آپ کے قدموں میں لا ڈالا۔ حتیٰ کہ جنگ احزاب میں جو ابوسفیان اتنی عداوت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہی جب ایمان لائے تو جنگ یرموک میں صفوں کے درمیان پھر رہے تھے۔ فرما رہے تھے ''لوگو! یہ موقع روز روز ہاتھ نہیں آتے۔ آج وقت ہے خوب اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا ثبوت دو۔ خوب جوش دلا رہے تھے تا آنکہ میدان جیت لیا۔

توفی حیات کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے

احقر نے عرض کیا کہ حضرت توفی حیات کے ساتھ جمع بھی تو ہو سکتی ہے؟

فرمایا ہاں۔ ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا'' اس میں یہ ہے کہ توفی ہو رہی ہے۔ موت واقع نہیں ہوئی۔ جیسے نیند میں توفی ہوتی ہے سوتے آدمی کو مردہ کوئی نہیں کہتا ''ھو الذی یتوفکم باللیل'' پھر میں نے قصہ سنایا کہ سلطان پور لودھی ضلع جالندھر پنجاب میں حیات عیسیٰ پر بحث کرتے ہوئے میں نے مرزائی مناظر سے دریافت کیا کہ کیا تمہارا رات کے وقت جنازہ نکل جاتا ہے۔ بچے یتیم ہو جاتے ہیں عورت بیوہ ہو جاتی ہے بہت خوش ہوئے اور تبسم فرماتے رہے۔ (کبھی مدت العمر کھل کھلا کر نہیں ہنسے)

عید مسلم کی حقیقت

عید خوشی اور مسرت کا نام ہے اور اہل دنیا کے نزدیک ہر قسم کا سرور و انبساط اور ہر طرح کی فرحت و ابتہاج عید کے مترادف ہے لیکن شریعت مقدسہ اور ملت بیضا کی نظر میں عید اس مسرت و خوشی کو کہتے ہیں جو نعماء ربانی اور کرم ہائے الٰہی کے شکر اور اس کے فضل و جود پر ادائے نیاز کے لئے کی جاتی ہے۔ دنیا خود فانی ہے اور اس کے باغ و بہار فانی۔ پھر اس پر کیا

مسرت وانبساط جس سرور کے بعد غم ہو اور جس خوشی کے بعد غم ہو تو ایسے سرور کو عید کہنا ہی غلط ہے۔اس لئے قرآن عزیز نے ارشاد فرمایا ہے۔

لاتفرح ان اللہ لایحب الفرحین

عید کی حقیقت اصلیہ اور اس کا صحیح مفہوم اس دائمی سرور اور ابدی سرمدی مسرت میں مضمر ہے جس کی نسبت اور جس کا کا تعلق خود ذات احدیت اور بارگاہ صمدیت سے وابستہ ہے منعم حقیقی کا انعام ابدی ہے اور اس کا فضل واحسان سرمدی' لہٰذا اپنی یہ مسرت وفرحت اور خوشی وانبساط بجا اور اسی عید کو عید کہنا صحیح اور درست ہے اسی کو رب العالمین نے معجزانہ انداز میں اس طرح فرمایا ہے:۔

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذٰلک فلیفرحوا

یعنی خوشی ومسرت درحقیقت خدائے قدوس کی رحمت اور اس کے فضل ہی پر کرنا چاہئے۔

عید الٰہی

حقیقت بیں نظریں اور پر راز معرفت نگاہیں اس حکمت ربانی سے بے خبر نہیں ہیں کہ عالم تشریعی کی اساس کہ جس کو عالم اوامر ونواہی کہنا بہتر ہے۔بہت کچھ عالم تکوینی کے مظاہر وشواہد پر قائم کی گئی ہے تاکہ مرضیات پر کاربند ہونے میں آسانی ہو سکے۔اسی اصل کے ماتحت اور اسی اساس کے زیر عنوان عید بھی ہے۔عالم تکوین کی ابتداء اور اس کا منصۂ شہود میں آنے کے متعلق قرآن عزیز نے جو رہنمائی کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے قدوس نے عالم انسانی کو درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور تاریخ کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت وتعلیم دینے کے لئے ہمارے فہم کے مطابق اس طرح فرمایا کہ ہم نے ارض وسمٰوات اور کائنات عام کو چھ روز میں پیدا کیا۔ ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام ثم استویٰ علے العرش

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہفتہ کی موجودہ نوعیت اور اس کی اس طرح روز وشمار بھی اس تکوین عالم سے اخذ کی گئی۔چند روز عالم کی تخلیق میں صرف کرنے کے بعد اس کی سالگرہ منانے اور خوشی کا اظہار کرنے کے لئے رب العزت نے ساتواں روز عید اور تعطیل کا مقرر فرمایا اور اس کو ان اعجازی کلمات میں ارشاد فرمایا۔ ثم استویٰ علے العرش

استویٰ علی العرش کی مقامی توجیہ

اس جگہ یہ خیال پیدا ہونا قدرتی امر ہے کہ استویٰ علی العرش سے کیا مراد ہے اس کے معنیٰ کیا ہیں اس کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے محققین کی تفاسیر کی طرف مراجعت ضروری ہے کیونکہ یہ ان ہی امور متشابہات میں سے ہے جن کے متعلق سلف صالحین کا صاف اور سادہ عقیدہ رہا ہے کہ "الاستواء معلوم والکیف مجھول" یعنی نفس مسئلہ تو ہم کو معلوم ہے لیکن اس کی حقیقت اور کیفیت ہم سے پوشیدہ اور نامعلوم ہے لیکن علماء متاخرین کی جائز اور حدود شرعی کے ماتحت توجیہات واقوال کی طرف اگر نظر کی جائے جو انہوں نے قلوب عامہ کے وساوس اور ملحدین وفلاسفہ کے زیغ کو دیکھ کر کی ہیں تو اس مسئلہ میں ان کے اقوال بہت زیادہ پائے جاتے ہیں اور انہوں نے اس معجز کلمہ کی تحقیقات میں بہت زیادہ کاوش سے کام لیا ہے اور اپنی اپنی استعداد و عقل سلیم کے مطابق بہت کچھ جدوجہد کی ہے۔ مناسب مقام اس کے معنے یوں سمجھنے چاہئیں کہ رب العالمین نے ارض وسمٰوات کو چھ روز میں پیدا کیا تو پھر اس نے ساتویں روز اس طرح عید منائی کہ اس نے تمام کائنات پر اپنی قدرت عامہ اور شاہنشاہیت کے استیلاء و غلبہ اظہار فرمایا اور تمام عالم اس کے حیطۂ اقتدار میں گھر گیا کیونکہ عرش پر اس کا استیلاء اور غلبہ جو کہ خود تمام ارض وسماوات کو حاوی ہے اس کی لامحدود قوت وسطوت کا اظہار کرتا ہے۔

ایک حدیثی نکتہ

تخلیق عالم اور عید الٰہی کی اس آیت کے بارے میں بعض محققین سخت تردد میں پڑ گئے جس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن عزیز نے تخلیق ارض وسماوات کی مدت ستہ ایام چھ روز قرار دی ہے اور صحاح کی بعض روایات میں ہے کہ خدائے قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز پیدا کیا۔ پس اگر تخلیق عالم کی ابتداء ہفتہ کے روز سے مانی جائے تو پھر پورا ہفتہ تخلیق ہی کو محیط ہو جاتا ہے اور تعطیل (استواء علی العرش) کے لئے کوئی دن باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا کوئی صورت ایسی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت آدم کی تخلیق جمعہ کے روز مان کر ستہ ایام کو باقی رکھا جا سکے اور استواء کے لئے ایک روز فاضل نکالا جا سکے۔ اس اشکال کے پیدا ہو جانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان محدثین و محققین

نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حدیث میں جو جمعہ کا دن ہے اس کو اپنے خیال میں اس سلسلہ میں منسلک سمجھ لیا ہے. جس میں تخلیق ارض وسماوات ہوئی ہے۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اگرچہ جمعہ کے روز ہی ہوئی ہے لیکن یہ جمعہ وہ جمعہ نہ تھا جو ستہ ایام کے تذکرہ کے بعد آتا ہے۔ بلکہ ایک عرصہ مدیدہ کے بعد حق تعالیٰ نے کسی ایک جمعہ میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور تخلیف ارض وسموٰات کے متصل جو جمعہ آیا تھا وہی درحقیقت استواء علی العرش اور عید الٰہی کا روز ہے۔ جن حضرات کی نظر احادیث کے ذخیرہ کی طرف کافی اور دقیق ہے ان کے لئے ہماری یہ توجیہ اصل حقیقت کی نقاب کشائی کے لئے کافی ووافی ہے۔

یوم سبت کی تحقیق

اس ہی اشکال کے سلسلہ کی ایک کڑی یوم سبت کی تعیین وتحقیق ہے۔ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم سبت ہفتہ کا نام ہے اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم السبت اتوار ہے اور چونکہ عربی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں اس لئے خود علماء اسلام کو بھی اس کی تعیین میں مشکل پیش آئی ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں تو تعطیل کا دن جمعہ ہے۔

غلطی ابن تیمیہ

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث ومحقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں اور وہ بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ یوم سبت ہفتہ ہی کے دن کا نام ہے۔ اس اشکال کو اس سے اور بھی زیادہ تقویت ہو جاتی ہے کہ خود عربی زبان میں یوم السبت ہفتہ کے روز کو کہتے ہیں۔

عروبہ وعرفہ

ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ اہل عرب کے دور جہالت میں دونوں کے نام یہ نہ تھے جواب ان کے یہاں مستعمل ہیں۔ کتب تاریخ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ موجودہ نام دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں اور وہی اس کے واضع ہیں۔ چنانچہ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔ عروبہ عبرانی کا لفظ ہے جس کا مفہوم وہی ہے جو ہماری زبان میں عرفہ کا ہے۔ اردو زبان میں ہر عرفہ ہر اسلامی تہوار سے ایک روز قبل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بعینہ یہی مفہوم

یہود عروبہ کا سمجھتے تھے اور چونکہ وہ ہفتہ کے دن کو یوم تعطیل مانتے تھے اس لئے جمعہ کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ عروبہ کے استعمال نے مسلمانوں میں بھی رواج پایا اور اس کو اس قدر وسعت ہوئی کہ بعض احادیث میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے۔ بہر حال جبکہ ہفتہ کے موجودہ نام یہود سے لئے گئے ہیں تو لازمی تھا کہ وہ سب ہفتہ کے دن کو مانیں اور اتوار کو اس لئے انہوں نے یوم الاحد یعنی پہلا روز مانا یہی استعمال اور محاورہ علمائے اسلام کے لئے اس کا باعث بنا کہ انہوں نے سنیچر ہی کو یوم السبت قرار دیا اور جمعہ کی فضیلت کو صرف عہد اسلامی ہی سے شروع سمجھا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے اور خلاف تحقیق ہے۔ اس لئے کہ مسند امام شافعی کی روایت میں مذکور ہے کہ استواء علی العرش جمعہ کے روز ہوا ہے اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ تخلیق عالم کی ابتداء ہفتہ کے روز یعنی سنیچر کے دن سے ہوئی۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں کی بناء پر ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ جب تعطیل کا دن جمعہ کا دن تھا اور آغاز تخلیق سنیچر یعنی ہفتہ کو ہوئی تو یقیناً اور بلا شک وشبہ یوم السبت جمعہ ہی کا نام ہے۔ اتوار یا ہفتہ کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جمعہ کا شرف عہد اسلامی ہی سے نہیں ہے بلکہ آغاز تخلیق عالم ہی سے وہ مشرف و معزز رہا ہے کیونکہ اس دن ہی رب العالمین کے استواء علی العرش کی عید تھی۔

انتخاب جمعہ کی حدیث مع توجیہات

البتہ اس شرف سے مشرف ہونے اور اس بزرگ دن کی عظمت حاصل کرنے میں امت مرحومہ کا ہی نصیب زبردست تھا اور ان ہی کی قسمت یاور تھی جو ان کو اس دن عید منانے کی ہدایت ہوئی چنانچہ صحاح کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہمارے لئے جمعہ کے دن کو اور ٹال دیا اس کو دوسری امتوں نے۔ پس نصاریٰ نے اتوار اور یہود نے ہفتہ کو پسند کیا اور اس کو تعطیل کا دن قرار دیا۔

اس حدیث میں اس شک کو زائل کرنے کے لئے کہ رب العالمین نے کیوں دوسری امم کو اس شرف سے محروم رکھا۔ محدثین نے دو توجیہیں کی ہیں بعض نے یہ کہا ہے کہ دراصل انتخاب یوم تعطیل و یوم عید حق تعالیٰ نے اجتہاد پر رکھا تھا۔ پس امم سابقہ کا اجتہاد اس برکت کو نہ پا سکا۔ جس کو امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حاصل کر لیا اور بعض محدثین یہ فرماتے ہیں

کہ اول تمام امم پر جمعہ کا دن ہی پیش کیا گیا تھا لیکن بنی اسرائیل نے اپنی مصلحتوں اور طبعی رغبتوں کی بناء پر اس دن کو پسند نہ کیا اور اپنے زمانے کے انبیاء علیہم السلام کو اس بارہ میں تنگ کیا کہ وہ خدا کو کہہ کر اس دن کو یوم تعطیل نہ رہنے دیں۔ اس لئے وہ اس جنگ وجدل کی بناء پر اس نعمت سے محروم کر دیئے گئے اور بالآخرامت مرحومہ کے حصہ ہی میں یہ شرف آنا تھا۔ سو آ گیا اور جمعہ کا دن ان کے ہفتہ کی عید قرار پایا۔ ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء.

خدائے برتر کا فضل اور اس کا احسان ہے کہ بطفیل خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم آج تک اسلام میں یوم جمعہ نہایت شان وشوکت سے منایا جاتا ہے اور ہر ایک مسلمان عید الٰہی کے باغ اور اس کی بارگاہ میں شرکت کو اپنے لئے فریضہ ربانی سمجھتا اور سعادت دارین کا وسیلہ جانتا ہے۔

ایام ربانی کی تحدید

یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ آیت قرآنی میں جو ستہ ایام کا ذکر کیا ہے۔ آیا ان ایام کی مقدار ایام معمولہ ہی کے موافق تھی یا اس سے زائد؟ یہ ایک سوال ہے جس کے متعلق محدثین وصوفیائے کرام دونوں نے قلم اٹھائے ہیں اور خوب بحثیں کی ہیں اہل عقل ودانش کے نزدیک یہ چیز حیرت انگیز نہیں ہے اس لئے کہ وہ درگاہ صمدیت وبارگاہ احدیت تو حقیقتاً زمانہ اور اس کی مقدار سے وراء الوراء ہے اور اس کی جگہ تو زمانہ کی تحصیل بھی نسیاً منسیا ہے کیونکہ زمانہ تو مقدار حرکت کا نام ہے اور حرکت وسکون کی نسبت ان ہی اجرام و اجسام کی طرف کی جاسکتی ہے جو ان کا محتاج ہو۔ لیکن خالق حرکت وسکون اور مکون زمانہ و زمانیات کو ان فانی اور ناقص اشیاء سے کیا سروکار تعالیٰ اللہ علواً کبیرا لہٰذا قرآن عزیز میں جو اس مقام پر ایام کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے وہ صرف ہماری عقول ناقصہ اور فہوم کاسدہ کی تفہیم کے لئے ہے اسی لئے اس کی نوعیت پر بحثیں پیدا ہوگئی ہیں بعض محققین کا خیال ہے کہ ایام ایام معمولہ ہی کی طرح تھے نہ زیادہ اور نہ کم اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ ان ایام میں ہر دن ایک ہزار سال کی مقدار رکھتا تھا۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسماء حسنیٰ کے ماتحت ایام کی کچھ تحدید فرمائی ہے۔ چنانچہ اس موقع پر لکھتے ہیں کہ یوم ربوبی ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ وان یوماً عند ربک کالف سنة مماتعدون.

یوم ربوبی ایک نکتۂ لطیف

اس لئے بعض علماء اور صوفیاء کا یہ خیال ہے کہ دنیائے انسانی کی عمر سات ہزار سال ہے کیونکہ سات ہی روز اس کی تخلیق اور اس پر عمل کے گزرے ہیں اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے ادیان ترقی پذیر کا عہد مبارک ہزار ہزار سال کا ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ ساتویں ہزار کی ابتداء میں خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے مذہب میں اعلےٰ اور بے نظیر ترقی بھی ایک ہزار سال رہی اور اس کے بعد اس میں انحطاط شروع ہوگیا۔ جس کی انتہا وجود قیامت پر ہوگی اور یہ سب کرشمے ایام ربوبیت ہی کے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اب تک اس کے منتظر ہیں کہ نبی آخر الزماں ساتویں ہزار میں آئے گا اور اس پر ایمان لائیں گے لیکن چونکہ بائیبل کے کل نسخہ کے بارے میں علماء یہود و نصاریٰ کو اختلاف ہے اس لئے وہ اس صحیح حساب کے تشخیص نہ کر سکے اور نبی آخر الزمان پر ایمان نہ لائے۔ بائیبل کے نسخوں میں قدیم زمانے کے یونانی نسخہ کو اعتماد تھا لیکن جب اس کا حساب صحیح نہ اترا تو اس کو ساقط کر کے عبرانی نسخہ کو ترجیح دی لیکن افسوس کہ وہ بھی صحیح رہنمائی نہ کر سکا اور یہ قوم اس بارے میں قاصر ہی رہی۔

بنی اسرائیل کی عید یوم عاشوراء

ہفتہ کی عید کے علاوہ ادیان سماویہ میں سالانہ عید منانے کا بھی دستور قدیم سے قائم ہے اور ہر عید کسی خاص حکمت پر مبنی ہے۔ اور کسی نہ کسی رحمت و فضل الٰہی کی ادائے تشکر میں اس کا راز مضمر ہے اور ہمیشہ اس کا وجود بندگان خدا کے لئے سعادت دارین کا وسیلہ بنتا رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت ثابتہ کا آج تک اعلان کر رہے ہیں کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ صدیوں تک قبطیوں کے ہاتھ مظلوم بنی اسرائیل طوق و سلاسل اور غلامی میں گرفتار رہے اور فراعنۂ مصر کی تمام ذلتوں اور رسوائیوں کو جبراً و قہراً سہا کئے۔ لیکن ظلم و عدوان اور غرور و نخوت کا مظاہرہ ہمیشہ قائم نہیں رہتا۔ اور انانیت و کبر ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے لئے بھی فطرت نے وہ وقت مہیا کر دیا کہ جس میں ان کی خواریوں اور ذلتوں کا خاتمہ ہوا اور غلامی کی

لعنت سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات ملی اور بحر قلزم کی موجوں نے اس ہیبت ناک مظاہرہ کا منٹوں میں اس طرح خاتمہ کر دیا کہ عبد صالح موسیٰ علیہ السلام مع اپنی قوم کے تشرین اولیٰ میں قلزم سے پار ہو گئے اور خدائی کے جھوٹے مدعی فرعون کی فرعونیت اپنے لشکر سمیت قلزم کی تہ میں فنا ہو گئی۔ انعام خداوندی کا یہی کرشمہ تھا جو بنی اسرائیل پر اس طرح جلوہ نما ہوا اور اس ہی بارگاہ کے لئے یوم عاشورہ کی عید ان کے مذہبی ارکان میں داخل کی گئی۔ تاکہ اس دن میں روزہ رکھ کر بنی اسرائیل نیازمندی کے ساتھ ادائے شکر کا اظہار کریں اور اس روز مسرت وشادمانی کے ساتھ خدائے قدوس کے دربار میں سر نیاز جھکائیں۔

عاشورہ کی تحقیق اور ایک حدیث کی توضیح

لیکن اس مقام پر خود بخود اہل علم کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تشرین اولیٰ یہود کے مقرر کردہ مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے جو شمسی نظام پر قائم کئے گئے ہیں۔ لہٰذا اس کے مطابق ماہ محرم الحرام جو قمری حساب کے مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے کسی طرح منطبق نہیں ہوسکتا۔ پھر ہمارے یہاں ۱۰ محرم الحرام کو عاشورہ کا ہونا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ دوسرا امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ معجم طبرانی کی حدیث میں آیا ہے کہ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم جس روز ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ہیں اس دن یہود عاشورہ کی عید منا رہے تھے اور روزہ دار تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہم یہود سے زیادہ مستحق ہیں کہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کی رستگاری پر خوشی کریں اور شکر الٰہی بجالائیں۔ لہٰذا ہم میں سے جس شخص نے ابھی کھایا پیا نہ ہو وہ روزہ رکھ لے اور جو کھا پی چکے ہیں وہ اس وقت سے روزہ داروں کی طرح کھانے پینے سے باز رہیں۔ حالانکہ یہ امر محقق ہے کہ مدینہ طیبہ میں داخلہ ربیع الاول میں ہوا تھا تو پھر کس طرح یوم عاشورہ ۱۰ محرم الحرام کو صحیح ہوسکتا ہے لیکن کتب تاریخ پر نظر رکھنے والے اصحاب کو اس اشکال کے حل کرنے میں چنداں دشواری نہیں ہے اس لئے کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی مدینہ میں دو قسم کی جماعت تھیں۔ ایک جماعت اپنے مہینوں کا حساب نظام شمسی ہی کے ماتحت رکھتی تھی اور عاشورہ کو اسی اصول پر مناتی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الاول میں

جو عاشورہ کی تاریخیں اس مرتبہ آ کر پڑیں وہ اسی نظام کے ماتحت تھیں۔

دوسری جماعت وہ تھی جس نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان قمری حساب سے اپنا نظام قائم کرتے ہیں اور محرم الحرام کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیتے ہیں اس لئے وہ مسلمانوں سے توافق پیدا کرنے کے لئے اپنی عید عاشورہ کو تشرین اول سے منتقل کر کے محرم الحرام کی ۱۰ تاریخ میں لے آئے۔ پھر یہی طریقہ جاری ہو گیا۔

تیسری جماعت یہود کی اور بھی تھی جو اپنے نظام پر عاشورہ مناتی تھی اور محرم الحرام کی تاریخ میں بھی عید عاشورہ قائم کرتی تھی۔ اس وجہ سے یہ اشکال زیادہ اعتنا کے قابل نہیں۔

عید رمضان

جس طرح بنی اسرائیل کے لئے ان کی رستگاری میں عاشورہ کی عید مقرر ہوئی اسی طرح امت مرحومہ کے لئے بھی سال میں دو مرتبہ رحمت و فضل خداوندی کے لئے اداء نیاز کی خاطر عید منانے کا حکم دیا گیا۔ جس میں سے ایک عید الفطر یا عید رمضان ہے یہ امر روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ رمضان کی فضیلت کا تمام دار و مدار اور اس کی تمام اساس قرآن و حدیث رسول پر مبنی ہے۔ رمضان میں قرآن عزیز کا لوح محفوظ سے بیت العزت میں نازل ہونا ہی فضل و رحمت الٰہی ہے جس کی وجہ سے رمضان کو یہ شرف حاصل ہوا۔

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس و بینٰت من الهدیٰ والقرآن

وہ قانون الٰہی جس نے تمام عالم کی ظلمت و تاریکی کو فنا کر کے ہدایت و رشد کی روشنی سے اس کو منور کر دیا۔ وہ کتاب ربانی جس کے فیض سے بھٹکے ہوؤں کو راہ ملی اور گمراہوں کو ہدایت حاصل ہوئی اور وہ قرآن عزیز جو حق و باطل کے لئے فیصلہ کن اور احکام الٰہیہ کا آخری پیغام ہے رمضان میں نازل ہوا اور اس کی برکت سے تمام عالم پر فضل خداوندی اور رحمت باری عام ہو گئی۔ پس جس شخص نے اس فیض سے حصہ پایا کامیاب ہوا اور جو محروم رہا محروم رہا۔

روزہ کی فرضیت اس لئے قرار پائی کہ انسان اس روحانی فیض سے مستفیض ہو کر قرآن عزیز کی دائمی برکتوں سے مالا مال ہو سکے۔ لہٰذا فضل و نعمت کے ادائے شکر میں ختم مہینہ کے

بعد اسلام نے ایک دن خاص دعوت الٰہی کا مقرر کیا اور اس میں سب کو خداوند تعالیٰ کا مہمان خصوصی بنایا۔ اور اسی کا نام عید ہے۔

سعید ہیں وہ روحیں جنہوں نے رمضان کے برکات وانوار کو حاصل کیا۔ عید کی حقیقی و ابدی مسرت سے حصہ پایا اور منور ہیں وہ قلوب جنہوں نے ان کے فیض کو اپنی تہ میں جگہ دی اور دائمی سرور و شادمانی سے بہرہ مند ہوئے۔ یہی شادمانی و سرور ہے جو اس خیر کثیر اور رشد و ہدایت کے سرچشمہ کے نزول میں باتباع ولتکبروا اللہ علی ماھداکم ہماری زبانوں سے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کہلاتا ہے۔

اتمام نعمت اور قرآن عزیز

خدا کا آخری پیغام اور روحانیت کی یہ بے نظیر مشعل ہدایت جس کی بدولت ہم کو دارین کی سعادت نصیب ہوئی تئیس سال تک برابر حصہ حصہ ہو کر نازل ہوتا رہا اور اپنے انوار و تجلیات سے ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق فیضیاب کرتا رہا۔ آخر وہ مبارک روز بھی آیا جس میں اس چشمۂ خیر کثیر کے اتمام و اکمال کی بشارت ہم کو دی گئی اور ۵ ذی الحجہ یوم عرفہ کو الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کا فرحت انگیز پیغام عرفات کے میدان مقدس میں سنایا گیا اور قیامت تک کے اس قانون کو مکمل کر کے ہمارے سپرد کیا گیا۔

فاروق اعظمؓ کے زمانے میں علماء یہود میں سے کسی نے اس آیت کو سن کر کہا کہ اگر ہمارے یہاں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس روز کو عید شمار کرتے اور خوب خوشیاں مناتے یہ سن کر حضرت فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا کہ اس روز ہماری دوہری عید تھی اس لئے کہ یہ آیت جمعہ کے روز عرفات میں نازل ہوئی اور جمعہ و عرفہ ہماری عیدیں ہیں۔

بہرحال عید کی حقیقت ایک مسلمان کی نظر میں صرف یہ ہے کہ وہ اس روز خدا کے خالص فضل و انعام کے تشکر و امتنان میں مخمور و مسرور ہوتا ہے اور دربار خداوندی میں مسرت و شادمانی کے ساتھ سرنیاز جھکاتا ہے۔

عیدالفطر، عیدالاضحیٰ، جمعہ عرفہ یہ سب مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور ان سب کا خلاصہ وہی ایک حقیقت ہے جو بیان ہو چکی ہے۔ یہی فرق ہے اسلام اور دیگر ملل و ادیان میں کہ اس کی

غمی وخوشی، رنج وسرور، حزن ومسرت سب خدائے قدوس ہی کے لئے ہے اس کی تمام عیدیں ہزلیات اورخرافات سے پاک اور بری ہیں اوران کا ہر ہر جز صرف خدائے قدوس ہی کی یاد سے مملو ہے۔ والحمد لله اولاً و آخراً

حضرت شاہ صاحبؒ کا کلام بالعموم حافظ شیرازی کے طرز پر ہوتا تھا۔ حافظؒ نے لکھا ہے۔

شاہد دل ربائے من مے کند از برائے من   نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں

در ہمہ سیر و غربتے کشف نہ شد حقیقتے   گرچہ شدم برنگ بو خانہ بخانہ کو بکو

گر بودم فراغتے از پس مرگ ساعتے   شرح وہم ہمہ بتو قصہ بقصہ ہو بہ ہو

دانہ خلاف تخم نے ہرچہ بود ز جبر و قدر   آنچہ کہ کشتہ درو خطہ بہ خطہ جوز جو

عالم برزخ سے متعلق حضرت شاہ صاحب کی ایک نظم ہے اس کے یہ تین شعر بطور نمونہ ہم نے درج کئے، حضرت کا ایک مربعہ نعتیہ ہے جو عقیدۃ الاسلام کے آخر میں لگا ہوا ہے اس کے شروع کے یہ شعر ہیں۔

مربعہ نعتیہ فارسی

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم!   عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم

از سفر واماندۂ آخر طالب منزل شدم   کز تگاپو سو بسو شدم غریباں در رسید

یہ قصیدہ بہت لمبا ہے ہم نے محض چار مصرعے درج کئے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔

محدثانہ تحقیق بابۃ تراویح وتعامل سلف

ایک دفعہ ۱۳۳۸ھ میں ترمذی شریف کے درس میں احقر نے سوال کیا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث جو آتی ہے يصلى اربعاً فلاتسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى اربعاً فلاتسئل عن حسنهن وطولهن ثم يوتر بثلاث (الحديث)

میں نے سوال کیا کہ اس حدیث سے تو آٹھ تراویح ثابت ہوتی ہیں حالانکہ میرا یہ سوال

بے محل تھا کیونکہ اس حدیث میں ایک تو فی رمضان وغیرہ ہے حالانکہ غیر رمضان میں تو تراویح نہیں ہوتی۔ دوسرے اس میں وتر تین ہیں اور آٹھ تراویح پڑھنے والے وتر تین نہیں پڑھتے۔ تیسرے اس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سوال کیا کہ کیا آپ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیند کرتے تھے وتر پڑھنے سے پہلے پہلے جب رمضان میں وتر باجماعت پڑھے جاتے ہیں اور اس زمانے میں مستورات مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ پڑھتی تھیں تو پھر حضرت عائشہؓ کا یہ سوال تو بے محل ہوا کیونکہ جب آپ جماعت میں شامل ہوتی تھیں تو پھر حضور سے نیند کرنے کے متعلق کیا سوال معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کی نماز کے متعلق ہے۔

تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فوراً فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت آیا سنت نبی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ

حدیث یہ ہے۔ **فانه من یعش منکم بعدی فیسریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة رواه احمد والترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه (مشکوٰة)**

اور فرمایا سنو کہ مسئلہ کی تحقیق فی نفسہا ہوتی ہے نہ کہ کسی کے عمل کو دیکھ کر۔ جب یہ بات ہے اور اتنا شدید اختلاف ہے کہ کوئی دوسرے کی بات سنتا ہی نہیں تو نبی کے فرمانے کے مطابق خلفائے راشدین مہدیین کے عمل کو دیکھا جائے اور ان کا اتباع لازمی طور پر کیا جائے تاکہ اختلاف رفع ہو جائے۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں

فائدہ:۔ کہ خلفاء راشدین مہدیین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں۔ مہدیین کے متعلق فرماتے ہیں کہ جن کو باری تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ کیا گیا ہو حق کی طرف اور فرمایا کہ یہ جو حدیث ہے۔

وکان القارئ یقرء سورة البقرة فی ثمان رکعات فاذاقام بها فی اثنا عشر رکعة رأی الناس انه قد خفف. رواه مالک

تو فرمایا کہ بیس تراویح کی یہ حدیث صحیح دلیل قوی ہے اور صحابہ کے زمانہ میں اس پر عمل درآمد ہوتا تھا اور بھی موطا امام مالک میں بہت سی روایات موجود ہیں جو صریح طور پر بیس پر دلالت کرتی ہیں اور امام بیہقی نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی حضرت ابیؓ ہی لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ پاک میں بھی اسی پر عمل ہوتا تھا اور حدیث ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔ راوی کہتا ہے۔ حتیٰ **خفنا الفلاح** اگر آٹھ ہی کا شوق ہے تو اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا کہ **حتی خفنا الفلاح** کہ ہم کو سحری کا خطرہ ہو گیا جماعت کو چھوڑ جانا اور یہ کہنا کہ ہم آٹھ پڑھ کر چلے ہیں اور جا کر سو جانا یا اور کوئی باتوں میں لگ جانا یہ تو حدیث کے خلاف ہوا اتنا لمبا پڑھنا چاہئے کہ سحری کا وقت نکلنے کا خطرہ ہو جائے۔

جب روایات متعارض آ رہی ہیں تو کیوں نہ خلفاء راشدین کے تعامل پر عمل درآمد کیا جائے۔

(اور حدیث **ما انا علیه و اصحابی** صاف بتلا رہی ہے کہ اصحاب کے تعامل کو نہیں چھوڑنا چاہئے ورنہ یہ صریح دلیل ہے صحابہ کے بغض کی والعیاذ باللہ)

صحابہ کرام کے اذکیاء امت ہونے کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہم کا صاف ارشاد ہے جو مشکوٰۃ اور ابوداؤد شریف میں مذکور ہے کہ ان کے گہرے علوم تھے اور صاف قلوب تھے پھر ان کے تعامل کو جان بوجھ کر چھوڑنا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمیں صحابہ کرام ہی کے تعامل سے معلوم ہوئی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من احبھم فبحبی احبھم فمن ابغضھم فیبغضی ابغضھم۔ یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے یہ کتنی بڑی وعید ہے جو حضور نے اپنے صحابہ کے اتباع کے متعلق فرمائی ہے اس پر عملدرآمد کرنا چاہئے اس وعید سے ڈرنا چاہئے۔ خدا ہم کو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے اتباع کی توفیق بخشیں۔

فتنہ کے معنی

(۱) حضرت مولانا حجۃ الاسلام مولانا مولوی انور شاہ صاحبؒ فتنہ کے معنی کیا کرتے تھے جس میں آدمی کو اپنا دین سنبھالنا مشکل ہو جائے۔

شہید

ان فی ذٰلک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید

اس میں بڑی یادداشت ہے اور نصیحت ہے جس کا دل ہو یا کان لگائے اور وہ حاضر الحواس ہو شہید کے معنی حاضر الحواس یعنی مغفل نہ ہو۔

ایک دفعہ مولانا محمد ادریس صاحبؒ سیکروڈوی کو یہ فرمارہے تھے کہ دیکھنا مغفل نہ بننا۔

رفع عمل صالح کے معنی

الیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه‘

اس کا ترجمہ یوں کرتے تھے۔ اس کی طرف پاک کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو باری تعالیٰ خود اٹھاتے ہیں کیونکہ پاک کلمات جو اس کا کلام ہے اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل نیک تو ہمارا فعل ہے اس کو جب قبول فرماتے ہیں تو اپنی طرف کو اٹھا لیتے ہیں۔

اذا غلا واشتد

اذا غلا واشتد۔ جو فقہا شراب کے معنوں میں لکھتے ہیں اس کا ترجمہ یوں کیا کرتے تھے جب کہ جوش مارا اور تیز ہوا۔

بدیہی کے معنی

ایک دفعہ ترمذی شریف کے سبق میں فرمایا بدیہی اس کو کہتے ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ سے محسوس ہو سکے وہ بدیہی ہے جو چیزیں کہ ہم دیکھتے ہیں یا جو باتیں کہ ہم سنتے ہیں یا جو چیزیں کہ ہم چکھتے ہیں یا جو چیزیں کہ ہم سونگھتے ہیں یا جن چیزوں کو ہم لمس کرتے ہیں وہ بدیہی ہے۔

ایک مولوی صاحب ہمارے ساتھی تھے ان کو مولوی محمد اسحاق کہتے تھے وہ آج کل شاید ایبٹ آباد کی جامع مسجد کے خطیب ہیں۔ انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ بدیہی کس کو کہتے ہیں۔ سلم العلوم کی عبارت زبانی پڑھ کر سنائی۔ فرمایا کہ میں تو بدیہی کا مصداق پوچھتا ہوں اور تم سلم کی عبارت سناتے ہو۔

حلول کے معنی

حلول کے معنی ہیں کھپ جانا۔ خواہ حلول سریانی ہو خواہ طریانی۔

جسم کے معنی

فرمایا کہ فلاسفۂ یونان نے جسم کے معنی کئے ہیں۔ قابل لابعاد ثلاثہ اور جسم کہتے ہیں جو ہیولےٰ اور صورت جسمیہ سے مرکب ہو۔ قابل لابعاد ثلاثہ ہونا یہ تعریف صورت جسمیہ پر تو صادق آتی ہے اور ہیولےٰ پر صادق نہیں آتی اور صدرالدین شیرازی کہتے ہیں کہ جو تعریف کہ سب اجزاء پر صادق نہ آئے وہ تعریف جائز نہیں۔ لہٰذا ان کے اعتبار سے جسم کی تعریف صحیح نہ ہوئی۔ میں نے ایک تحریر لکھی جس میں ارسطو کا فلسفہ میں غلطیاں کھانا لکھا ہے اور وہ تحریر بہت لمبی ہے میں نے دکھایا ہے کہ ارسطو تعریف جسم کی کر نہیں سکا اور فلاسفہ نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ میری تحریر امام غزالیؒ سے زیادہ محقق ہے۔

علامہ ابن رشد کا علمی مرتبہ

جب علامہ ابن رشد اندلسی کی کتابیں طبع ہو کر آئیں اور میں نے مطالعہ کیا اور ان کا امام غزالی پر رد دیکھا تو میں ابن رشد سے بدظن ہو گیا لیکن جب ابن رشد مالکی کی بدایۃ المجتہد اور نہایت المقتصد مطالعہ کی تو مجھے استغفار کرنا پڑا۔

ضرب الخاتم اور علامہ اقبال

فرمایا کہ مجھے ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ اثبات باری تعالیٰ پر نیوٹن نے بڑی عمدہ کتابیں لکھی ہیں۔ فرمایا کہ نیوٹن کی پندرہ تصانیف دیکھی ہیں۔ میں نے جو رسالہ لکھا ہے اور اس میں جو دلائل قائم کئے ہیں۔ ضرب الخاتم علی حدوث العالم اور مرقاۃ الطارم اس کو نیوٹن نہیں پہنچ سکا۔ پھر اقبالؒ نے ضرب الخاتم مجھ سے لے لی۔ اور اس نے بہت سے خطوط لکھ کر ضرب الخاتم کو مجھ سے سمجھا۔ میرے نزدیک جو کچھ ضرب الخاتم کو اقبال سمجھے ہیں اس کو کوئی مولوی نہیں سمجھ سکا۔

حضرت شاہ صاحب کی تحقیقات علامہ اقبال کی زبانی

ایک دفعہ میرے دریافت کرنے پر بہاولپور میں ڈاکٹر اقبال کو میں نے علامہ عراقی کا ایک فارسی رسالہ قلمی دیا تھا۔ غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان کہ زمان کیا ہے اور مکان کیا ہے اس کی عراقی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے نیوٹن نے جو کچھ لیا ہے وہ علامہ عراقی سے لیا ہے اس

کی اپنی تحقیق نہیں۔ یہ سن کر حیران ہو گیا۔ پھر اس نے یورپ کے اخباروں میں بیانات دیئے۔ یہ قصہ ۱۹۲۸ء میں جب ڈاکٹر اقبالؒ نے خطبہ صدارت سنایا تھا یہ بھی سنایا تھا۔

دسمبر ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے السنۂ شرقیہ کا ایک جلسہ ہوا تھا۔ جس کی صدارت ڈاکٹر اقبال نے کی تھی اور احقر بھی اس جلسہ میں شریک تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے یہ قصہ اس میں بھی سنایا تھا۔ اس جلسے میں کلکتہ تک کے پروفیسر جمع ہوئے تھے اور دکن حیدر آباد سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی بھی ایک جلسہ کی صدارت کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس میں تمام پروفیسر حضرت شاہ صاحب کی تحقیقات ڈاکٹر اقبال کی زبانی سن کر حیران رہ گئے۔

الفاظ حدیث کی صحیح ترجمانی کا اہتمام

مولانا غلام محمد صاحب مرحوم برادر خورد مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان فرماتے تھے کہ جب میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں پڑھتا تھا تو ہمارا سالانہ امتحان لینے کے لئے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ تشریف لائے اور میرا مشکوۃ شریف میں امتحان لیا اور یہ حدیث سنی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرماتے تھے اور میں پانی لینے میں پیش قدمی کرتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا کہ پیش دستی کرتی تھیں۔ میں حیران رہ گیا کہ ہمیں تو استادوں نے پیش قدمی پڑھایا اور اصل ترجمہ پیش دستی ہے۔

ہمارے استاد حضرت مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں سہارن پور مظاہر العلوم میں پڑھتا تھا تو ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لائے جب حضرت چلنے لگے تو میں نے حضرت کا سامان اٹھالیا اور اسٹیشن پر پہنچا دیا اس وقت گاڑی نگینہ تک جاتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا نام محمد انور شاہ ہے میں اس وقت مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں جا رہا ہوں اگر کوئی کام ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔ مولانا مشیت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت بجنور ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔

حضرتؒ کی شہسواری اور شوق شکار

ہم اکثر حضرتؒ کو شکار کے لئے گھوڑے پر سوار کر کے لے جاتے تھے جو گھوڑا کہ منہ زور ہوتا تھا اس پر حضرتؒ کو بٹھاتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بڑے ہی شہسوار تھے اور نشانہ خوب لگاتے تھے ایک دفعہ ہم نے مکان کا فوٹو کھچوایا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فوٹو گرافر سے فرمایا کہ تم لوگ یہ یہ مصالح استعمال کرتے ہو۔ فوٹو گرافر حیران رہ گیا۔

حضرتؒ فلسفہ جدیدہ کے بھی عالم تھے

ایک دفعہ فرمایا کہ میرے پاس سامان نہیں ورنہ میں ہوائی جہاز کی آواز کو بند کر دیتا۔ جامع ملفوظات بجنوری نے بزمانہ قیام مصر ۱۹۳۸ء میں اسکندریہ سے قاصرہ کا سفر ہوائی جہاز سے کیا تھا تو اس وقت کانوں میں روئی ٹھونسنی پڑتی تھی کہ اندر آواز سخت ہوتی تھی بلکہ ہوائی جہاز سے اتر کر بھی گھنٹہ سوا گھنٹے تک کان گنگیاتے رہتے تھے اس آواز کے لئے حضرت نے یہ فرمایا تھا۔ غرض کہ آپ کی نظر سے کوئی بھی چیز اوجھل نہیں رہی تھی۔ حضرت رائے پوری مولانا عبدالقادر صاحبؒ فرماتے تھے کہ شاہ صاحبؒ تو آیۃ من ایات اللہ تھے۔

حوالہائے کتب کا بے نظیر استحضار

قادیانی مختار مقدمہ بہاولپور نے کہا کہ آپ حوالہ دیں آپ نے فرمایا کہ میں جب حوالہ دینے پر آؤں گا تو کتابوں کے ڈھیر لگا دوں گا۔ پھر فرمایا کہ جج صاحب انہوں نے کبھی مولوی دیکھے نہیں۔

درس کے دوران ظرافت بھی

آپ کے درس میں بعض دفعہ ظرافت کی باتیں بھی ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک رفیق ۱۳۳۶ ہجری میں جب حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کرتے تھے تو پہلے کہتے تھے کہ بندہ نواز میرا ایک سوال ہے تو آپ فرماتے تھے کہ فرمایئے غریب پرور۔

مرزا غلام احمد قادیانی سے مناظرہ

ایک دفعہ دیوبند کی جامع مسجد میں قادیانیوں کے خلاف تقریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ

۱۹۰۸ء میں کشمیر میں ہم نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارا اور مرزا احمد قادیانی کا مناظرہ ہوا ہے اور ہم اس میں غالب رہے۔ یہ خواب کسی نے اخبارات میں شائع کر دیا۔ مرزا غلام احمد مناظرے کے لئے تیار ہو گیا۔ ہم بھی کشمیر سے چل پڑے۔ لاہور آ کر سنا کہ مرزا صاحب تو قادیان سے لاہور آ کر کل ہیضے سے چل دیئے۔ خیر ہم تو غالب ہی رہے۔

مولانا عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نخستیں مئے کہ اندر جام کردند ز چشم مست ساقی وام کردند

حضرت شاہ صاحبؒ آئے تو اس شعر پر یہ اضافہ کیا۔

زدریائے عما موج ارادہ حباب انگیخت حادث نام کردند

حضرت بلال اور حدیث زیارۃ نبویہ

حضرت نے ابوداؤد کی پوری حدیث کا متن سنا کر فرمایا کہ یہ حدیث آثار السنن جلد نمبر ۲ کے اخیر میں بھی ہے اور ابن عساکر کا حوالہ دیا ہے اور تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اس کی سند جید ہے اور اس کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوٰۃ میں بھی لیا ہے اور لسان المیز ان میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن محور بن سلیمان بن بلال بن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمے میں بھی لکھا ہے۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت بلالؓ شام کے علاقے میں ایک رات سو رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خواب میں تشریف لائے کہ اے بلال تم نے کیا جفا کاری کی کہ تم میری زیارت نہیں کرتے۔ پس حضرت بلال جاگے گھبرا کر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینے شریف کا رخ کیا۔ جب مدینے تشریف لائے روضۂ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو سلام عرض کیا (دو جملوں کا ترجمہ رہ گیا) تو حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت بلالؓ کو ملے حضرت بلالؓ نے دونوں سے معانقہ فرمایا اور دونوں کو بدن سے چمٹا لیا اور پیار کیا ان دونوں نے فرمایا کہ ہم آپ کی اذان سننا چاہتے ہیں تو نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کہی جب اللہ اکبر اللہ اکبر فرمایا تو تمام مدینہ کانپنے لگا۔ جب اشھد ان لا الہ الا اللہ فرمایا تو اور زیادہ کانپنے لگا اور جب آپ نے اشھد ان محمدا رسول اللہ فرمایا تو

تمام مدینہ میں چیخ وپکار پڑ گئی کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لے آئے۔

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث شریف میں مثال ماانا قلت کی جو مختصر المعانی اور مطول میں آیا ہے ما انا حملتکم ہے۔ بخاری ص۹۹۴ ج ۲۔

تقدیر خیر وشر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے

حضرت ابوموسیٰ اشعریؒ فرماتے ہیں۔ اتیت رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم فی رھط من الاشعریین استحمله. الحدیث من تعوذ باللہ من درک الشقاء و سوء القضاء وقوله قل اعوذ برب الفلق من شرما خلق. معلوم ہوا اچھی بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا اس کا کیا مطلب ہوا۔ بخاری ص۹۷۹ جلد۲۔

قادیانی کا اعتراض وجواب

قادیانی نے بہاولپور کے مقدمے میں اعتراض کیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کو کیوں نہ قتل کرا دیا؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے فوراً جواب دیا کہ جج صاحب لکھئے کہ ابن صیاد نابالغ تھا۔ نابالغ کو شریعت میں قتل نہیں کیا جاتا۔ یا یہ دن تھے یہود کے ساتھ معاہدہ کے، چنانچہ آپ نے بخاری شریف کی عبارت پڑھ کر سنائی۔ مولانا احمد علی صاحب مرحوم حاشیہ۱۲ میں ص ۹۷۹ جلد۲ پر لکھتے ہیں۔ لانه کان غیر بالغ.

حضرت شاہ صاحبؒ کا کمال تقویٰ

حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال پر جب مئی ۱۹۳۳ء میں میں دیوبند حاضر ہوا تو مولانا محفوظ علی صاحب مرحوم سناتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے بلایا کہ اپنی بہن سے تو کہہ دے کہ اپنی بچی کے پاؤں سے پازیبیں نکال دے۔ میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔

سنایا کہ وہ بچی غالباً راشدہ سلمہا (حضرت شاہ کی بچی چھ سال کی تھی) میں نے عرض کیا کہ یہ چھ سال کی تو بچی ہے اور پازیبوں میں باجا کچھ نہیں ہے۔ ابوداؤد جلد ثانی ص ۲۲۹

مطبوعہ مجتبائی دہلی میں ہے۔

قال علی بن سهد بن الزبير خبره ان مولاةً لهم ذهبت بابن الزبير الیٰ عمر بن الخطاب فی رجلها اجراس فقطعها عمر ثم قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم ان مع کل جرس شیطانا .

حضرت شاہ صاحبؒ کا اتقاء دیکھئے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے تو وہ پازیبیں نکالی تھیں جس میں باجا تھا۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ بغیر باجے کی پازیبوں سے بھی بچتے رہے۔

تحقیق انور کہ روزوں کی بھی کٹوتی ہوگی

ایک دفعہ فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے یعنی روزوں کی قرقی نہ ہوگی یہ بات غلط ہے۔

مسلم شریف میں ایک حدیث آئی ہے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے بھی قرق ہوں گے وہ حدیث یہ ہے۔

ان رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم قال اتدرون ما المفلس قالوا المفلس فینامن لادرهم له ولا متاع فقال ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیامة بصلاة وصیام و زکوٰة و یاتی قد شتم هذا و قد هذا واکل مال هذا و سفک دم هذا و ضرب هذا فیعطےٰ هذا من حسناته و هذا من حسناته فان فنیت حسناته قبل ان یقضیٰ ما علیه اخذ من خطایا هم فطرحت علیه ثم طرح فی النار (مسلم شریف جلد ثانی ص ۳۲۰ مطبوعہ دہلی)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کی طرح روزے بھی کاٹے جائیں گے۔ جس سے یہ مطلب لیا ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے وہ غلط سمجھا۔

ایک قادیانی کو برملا جواب

فرمایا کہ ایک مرزائی قادیانی مجھ سے کہنے لگا کہ ''شاہ صاحب ہمارا بھی اس قرآن پر ایمان ہے۔ جس میں یہ لکھا ہے و من اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیه

اسمہ" میں نے اس کے جواب میں فوراً کہا کہ "ہمارا بھی اسی قرآن پر ایمان ہے جس میں یہ ہے۔ ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا اوقال اوحی الی ولم یوح الیہ شیٔ" یہ سن کر وہ ایسا ساکت ہوا کہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

مرزا قادیانی کو مسکت

ایک دفعہ بیان فرمایا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح ابن مریم کی حقیقت معلوم نہیں تھی۔ لہٰذا یہ حقیقت مجھ پر کھلی۔ پس میں مسیح ابن مریم ہوں۔ میں نے کہا کہ دجال کی حقیقت بھی مرزا صاحب پر کھلی لہٰذا وہ دجال ہیں۔

(۴۷۲) قصیدہ معراجیہ

(معہ ترجمہ حضرت مولانا محمد انوریؒ)

تبرک من اسری و اعلیٰ بعبدہ　　الی المسجد الاقصیٰ الی الافق الاعلیٰ

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد اقصیٰ تک اور افق اعلیٰ تک سیر کرائی اور بلند مقام تک لے گیا۔

فتح الباری جلد ۷ مصری ص ۱۴۶ و فی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما عنداحمد فلما اتی النبی صلے اللہ علیہ وسلم المسجد الاقصیٰ قام یصلے فاذاالنبیون اجمعون یصلون معہ.

الیٰ سبع اطباق الی سدرۃ کذا　　الیٰ رفرف ابھی الی نزلۃ اخریٰ

ساتوں آسمان تک اور سدرۃ المنتہیٰ تک۔ خوبصورت رفرف تک اور نزلۃ اخریٰ تک ایسے ہی سیر کرائی۔

وسوی لہ من حفلۃ ملکیۃ　　لیشھد من اٰیات نعمتہ الکبریٰ

اورحق تعالیٰ نے آپ کے اعزاز میں شاہانہ محفل سجائی تاکہ آپ مشاہدہ کریں باری تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں اورنشانیوں کا۔

زرقانی جلد نمبر ۶ شرح مواہب لدنیہ مصری ص ۵ فی حدیث ابی سعید عند

البیهقی فی ذکر الانبیاء الیٰ باب من ابواب السماء الدنیا یقال له باب الحفظة و علیه ملک یقال له اسماعیل تحت یده اثنا عشر الف ملک.

و فی حدیث جعفر بن محمد عند البیهقی ایضاً یسکن الهواء لم یصعد الی السماء قط و لم یهبط الی الارض قط الایوم مات النبی صلے اللہ علیه وسلم و فی حدیث ابی سعید عندالبیهقی فی الدلائل و بین یدیه سبعون الف ملک مع کل ملک جنده مأته الف فتح الباری جلد نمبر۷ ص ۱۴۵ و فی روایة لابی سعید فی شرف المصطفےٰ انه اتی بالمعراج من جنة الفردوس و انه منضد باللؤلؤو عن یمینه ملٰئکة و عن یساره ملائکة

براق یساوی خطوه مد طرفه اتیح له و اختیر فی ذلک المسریٰ

ایسابراق کہ اس کا قدم برابر تھا جہاں پر اس کی نظر جاتی تھی۔

وہ آپ کیلئے مقدر کیا گیا اوراس سیر گاہ میں پسند کیا گیا۔

و ابدی له طی الزمان فعاقه رویداعن الاحوال حتاه ما اجریٰ

اور زمانے[1] کا چکر آپ کے لئے ظاہر ہوا پس اس کی رفتار کو روک دیا

تھوڑی دیر کے لئے (اپنے چکر سے) حتیٰ کہ وہ زمانہ نہ چلا۔

و کانت لجبریل الامین سفارة الیٰ قاب قوسین استویٰ ثم ما اقصیٰ

اور حضرت جبریل علیہ السلام سفیر تھے

قاب قوسین تک (ٹھہر گئے) پھر انتہای تک نہیں گئے۔

بخاری شریف جلد ثانی ص ۱۱۲۰ ثم علابة فوق ذالک بمالا یعلمه الا اللہ حتیٰ جاء سدرة المنتهیٰ و دناالجبار رب العزة فتدلیٰ حتے کان منه قاب قوسین او ادنی فاوحیٰ اللہ الیه فیما یوحی اللہ خمسین اے صلوٰة علیٰ امتک کل یوم ولیلة ثم هبط حتیٰ بلغ موسیٰ فاحتبسه موسےٰ فقال یا محمد ماذا عهد الیک ربک قال عهد الی خمسین صلوة.

---

[1] "طی زماں" مستقل اصطلاح ہے

اذا خلف السبع الطباق ورائه و صادق من اولیٰ لرتبته المولیٰ

جب ساتوں آسمانوں کو آپ نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔

اور آپ نے پالیا جو کچھ آپ کے رتبے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنے قصیدے میں فرمایا ہے۔ کذافی النبهانیه

بنی خص بالتقدیم قدماً و آدم بعد فی طین وما أ

علاودنا و جاز الی مقام کریم خص فیه بالاصطفا أ

یدا قمر ببدر فی نجوم من الاصحاب اهل الاقتداء

ولم بربه جهراً سوائه لسرفیه جل عن امتراء

نخبة الاسلام مع عقیدة الاسلام ص ۳۹

وکان عیناً یقظة لایشوبه منام ولا قد کان من عالم الرؤیا

اور یہ عروج بیداری کی حالت میں تھا ملاوٹ نہیں تھی نیند کی اور نہ تھا خواب کے عالم سے

اور شیخ اکبرؒ نے بیداری کی حالت میں رؤیا کے حاصل ہونے کی تصریح کی اور شرح مواہب للدنیہ زرقانی مصری جلد نمبر ۶ ص ۱۱۹ میں بھی ابن المنیر نے نقل کیا ہے۔ ص ۲۴۵ ج ۸

شر المواهب للدنیه للزرقانی العیان بکسر العین المشاهده

قد التمس الصدیق ثم فلم یجد و صحح عن شداد البیهقی کذا

بیشک آپ کے مقام پر تلاش کیا حضرت صدیق نے پس آپ کو نہ پایا

اور اس کو صحیح فرمایا حضرت شداد بن اوس نے امام بیہقی نے اسی طرح

یہ روایت طبرانی اور بزار میں بھی ہے اور جلد ۳ ص ۱۴ پر امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ امام بیہقی نے اس کی اسناد کو صحیح فرمایا ہے۔ اور زوائد ہیثمی میں بھی ہے اور انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور دلائل میں بھی ہے جیسا کہ امام زرقانی نے فرمایا ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور فتح الباری جلد ۷ ص ۱۴ میں بزار اور طبرانی کا حوالہ دیا ہے۔ اور دیکھو شفاء قاضی عیاض۔

رأی ربه' لمادنا بفواده ومنه سری للعین مازاغ لایطغیٰ

جب آپ قریب گئے تو آپ نے رب کو دیکھا اپنے قلب مبارک سے (زرقانی) ج۶ ص۵۱
اور قلب سے رویت سرایت کرگئی آنکھ تک جو کہ مازاغ تھی اور ماطغٰی تھی نہ آنکھ نے
تجاوز عن الحد کیا اور نہ بہکی

ما كذب الفوأ دمارأى

رأى نوره انى يراه مومل واوحىٰ اليه عند ذاک بما اوحىٰ

اور آپ نے باری تعالیٰ کے نور کو دیکھا اور امید کرنے والا کہاں دیکھ سکتا ہے اس کو
اور باری تعالیٰ نے اسی وقت آپ پر وحی کی جو بھی وحی کی۔

بحثنا قآل البحث اثبات روية لحضرته صلىٰ عليه كما يرضى

ہم نے بحث کی اور بحث کا انجام یہ ہوا کہ باری تعالیٰ کی رویت ثابت کی جائے۔
آپ کی جناب کے لئے آپ پر اللہ تعالیٰ درود بھیجے جیسا کہ راضی ہو۔

وسلم تسليما كثيرا مباركاً كما بالتحيات العلےٰ ربه حىٰ

اور سلام بھیجے اللہ تعالیٰ بہت بہت سلام جس کے ساتھ برکتیں بھی ہوں
جیسا کہ التحیات للہ والصلوۃ والطیبات فرما کر آپ نے اپنے رب کو سلام کیا یہ مرقات
شرح مشکوٰۃ ص۳۳۱/۲ میں ابن مالک نے سارا نقل کیا ہے۔

قال ابن ملک روى انه صلے الله عليه وسلم لما عرج به اثنىٰ على الله تعالىٰ بهٰذه الكلمٰت فقال الله تعالىٰ السلام عليک ايها النبى و رحمة الله و بركاته' فقال عليه السلام السلام علينا و علےٰ عبادالله الصالحين فقال جبريل اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده' و رسوله و به يظهر وجه الخطاب وانه علىٰ حكاية معراجه عليه السلام فى آخر الصلوة التى هى معراج المومنين. ص ١١١ عمدة القارى جلد ٦ مصرى قال الشيخ حافظ الدين النسفىؒ التحيات العبادات القولية والصلوات العبادات الفعلية والطيبات العبادات المالية. عمدۃ القاری ج۳ ص۱۱۲۔

کما اختاره الحبر ابن عم نبینا　　واحمد من بین الائمة قد قویٰ

رؤیت کا ہونا اختیار کیا ہے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے

اور اماموں میں سے امام احمد بن حنبل نے اسی کو قوی کہا ہے۔ نیز شمیم الریاض جلد ا نمبر ۴۹ مطبوعہ لکھنو میں بھی ہے۔

ف :۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ایک مرفوع حدیث بھی بیان فرمائی ہے۔ مسند احمد اور زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص ۱۱۹ جلد ۶

ف:. فی الاوسط باسناد فوی عن ابن عباس قال رأی محمد ربه مرتین و من وجه آخر قال نظر محمد الیٰ ربه جعل الکلام موسیٰ والخلة لابراهیم والنظر لمحمد فاذا تقرر ذلک ظهران مراد ابن عباس هنا برؤیة العین المذکورة. جمیع ماذکر صلے اللہ علیه وسلم وهکذا زرقانی ج ٦ و ابن کثیر ج نمبر۳ زرقانی جلد ٦ ص ۳ فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۱ مصری عمدة القاری ج ۱۷ ص ۳۰ و فی البخاری ص ۵۵۰ ج اول. عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما ص ۵۵۰ فی قوله تعالیٰ و ما جعلنا الرؤیا التی ارینٰک الافتنة للناس قال هی رؤیاعین.

فقال اذا ما المروزی استبانه　　راهُ رأی المولیٰ فسبحان من اسریٰ

پس آپ نے فرمایا (یعنی امام احمد بنؒ نے جبکہ امام مزروزیؒ نے آپ سے بیان کرایا دریافت کیا۔

اس کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں آپ نے اپنے مولا کو دیکھا ہے پس پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات۔

فتح الباری جلد ۸ ص ۴۳۱ مصری بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۲ میں کئی دفعہ آیا ہے:۔

فاذا رأیت ربی وقعت له ساجداً فی کتاب السنة عن اسحاق بن منصور ابن بهرام الکوسج التمیمی المروزی نزیل نیسا پور احد

الائمة الحفاظ الثقات روی عنه الجماعة سوی ابوداؤد و قال الخطیب
کان فقیهاً عالماً وهوالذی دون المسائل عن احمد مات سنة احدیٰ
و خمسین ومأتین زرقانی شرح مواهب لدنیه جلد۶ص۱۱۹س مصری۔

رواه ابوذربان قدرأیته وانی اراه لیس للنفی بل ثنیا

اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس کو روایت کیا ہے کہ آپ نے ذات باری تعالیٰ کو دیکھا ہے۔
اورانی اراہ یہ نفی کے لئے نہیں ہے بلکہ کسر نفسی کے لئے ہےامام سہیلی نے بھی یہی فرمایا ہے۔

نعم رویة الرب الجلیل حقیقة یقال لها الرؤیا بالسنة الدنیا

ہاں رب جلیل کی رویت ایک ایسی حقیقت ہے
کہ اسی کو رؤیا کہا جاتا ہے دنیا کی زبانوں میں۔

(فتح الباری) عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں رؤیا عین کتاب التعبیر فتح الباری ج ۲ ج ۷ص ۱۳ زرقانیؒ ج ۶ امام ابن کثیر ج ۱۳ ازص ۱تاص ۱۴۔

عمدۃ القاری ج ۷اص ۳۰ قیدبه للاشعار بان الرؤیا بمعنی الرویه فی القلة

والافمرأی جبرئیل عوادة ولیس بدیعاً شکله کان او اوفیٰ

ورنہ پس حضرت جبرئیل کا دیکھنا تو کئی بار تھا یہ کوئی نئی بات نہیں تھی خواہ کسی شکل میں دیکھا ہو بعض نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ پر چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔

وذلک فی التنزیل من نظم نجمه اذا مارعیٰ الراعی و مغزاه قدوفی

اور یہ یعنی رؤیت کا مسئلہ قرآن شریف میں سورۂ نجم میں ہے۔
جبکہ رعایت کرنے والا غور کرے اور اصل مقصود کو پورا ادا کردے۔

وکان ببعض ذکر جبریل فانسریٰ الیٰ کله والطول فی البحث قدعنی

اور بعض طریقوں میں حضرت جبریل کا ذکر ہے۔
یہ کل کی طرف سرایت کر گیا اور بحث کے طول نے تھکا دیا۔

وکان الی الاقصی سریٰ ثم بعده عروجاً بجسم ان من حضرة اخری

مسجد اقصیٰ تک تو اسرا تھی پھر اس کے بعد

جسم کے ساتھ عروج تھاہاں دوسرے دربار تک

عروجاً الیٰ ان ظللته ضبابة　　ویغشی من الانوار ایاه مایغشیٰ

عروج یہاں تک تھا کہ آپ کو ایک بدلی نے ڈھانپ لیا۔

اورانوار الٰہیہ نے آپ کو ڈھانپ لیا جس طرح کہ ڈھانپ لیا۔

ویسمع للاقلام ثم صریفها　　ویشهد عیناً ماله الرب قدسویٰ

اور آپ وہاں صریف الاقلام سنتے تھے یعنی قلموں کے چلنے کی آواز

اوراپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے تیار کیا تھا۔

ومن عض فیه من هنات تفلسف　　علیٰ جرف هاریقارف ان یردیٰ

اور جو آدمی فلسفہ کی غلیظ باتوں کو دانتوں سے کاٹے

وہ ایسی گھاٹی پر ہے جو گراہی چاہتی ہے۔قریب ہے کہ وہ ہلاک ہوجائے۔

کمن کان من اولادماجوج فدعیٰ　　نبوته بالغی والبغی والعدویٰ

جیسا کہ وہ آدمی جو یاجوج ماجوج کی اولاد سے ہے پس اس نے دعویٰ کردیا۔

اپنی نبوت کا اپنی گمراہی سے بغاوت اور تعدی سے

ومن یتبع فی الدین اهواء نفسه　　علےٰ کفره فلیعبد اللات والعزیٰ

اور جو آدمی دین میں اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے

وہ اپنے کفر میں لات وعزیٰ کو پوجتا پھرے۔

قصیدہ انوریہ مع تشریح حضرت مولانا محمد انوریؒ

درہمہ سیر وغربتے کشف نشد حقیقتے　　گرچہ شدم برنگ بو خانہ بخانہ کوبکو

تشریح:۔تمام سفر میں کوئی حقیقت منکشف نہ ہوئی۔اگرچہ میں خوشبو کی طرح ہر جگہ پھرا یعنی اس عالم مشاہدہ میں اس عالم کی حقیقت بالکل منکشف نہیں ہوتی۔جب تک آدمی عالم برزخ میں نہ چلا جائے تو بعینہ اس کو بیان نہیں کرسکتا۔

گر بودم فراغتے از پس مرگ ساعتے　　شرح دہم ہمہ بتو قصہ بقصہ ہو بہو

تشریح:۔اگر مجھ کو مرنے کے بعد ایک گھڑی بھی فرصت مل گئی تو تیرے سامنے سب کچھ بیان کر دوں گا۔

دانہ خلاف تخم نے ہر چہ بود ز جبر وقدر　　آنچہ کہ کشتۂ ای درو حظہ بہ حظہ جوز جو

تشریح:۔خواہ کوئی اپنے آپ کو مجبور سمجھے یا قادر مطلق سمجھے بہر حال غلہ وہی ہوتا ہے جیسا بیج ڈالتے ہیں جو کچھ تم نے بویا ہے اسی کو کاٹ لو اگر گیہوں بوئے ہیں تو گیہوں کاٹ لو۔اگر جو بوئے ہیں جو کاٹ لو۔

ظاہر و باطن اندراں ہمچو نواۃ و نخل دان　　نے بعداد یک ز دد جب بجنب دو بدو

تشریح:۔یہ دنیا اور آخرت اس طرح ہیں جیسے کھجور کا درخت اور گٹھلی ہوتی ہے یہ دونوں جہاں اس طرح نہیں ہیں کہ ہم ایک دو ان کو کہیں جیسا کہ گٹھلی پھوٹ کر اندر سے کھجور کا درخت نکل آتا ہے تو گٹھلی تو دنیا کی مثال ہے اور کھجور کا درخت عالم آخرت کی مثال ہے خوب سمجھ لینا چاہئے۔

رشتۂ ایں جہاں بتن جامۂ آں جہاں بتن　　رشتہ برشتہ نخ بنخ تار بتار پو بپو

تشریح:۔جیسے گٹھلی چھپ جاتی ہے اور کھجور کا درخت ظاہر ہو جاتا ہے۔بعینہ اسی طرح یہ بدن تو بظاہر چھپ جاتا ہے اور روح ظاہر ہو جاتی ہے۔بعینہ تانا بانا اسی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ روح چونکہ اس جہان کی چیز ہے اس کے آثار قبر ہی سے ظاہر ہو جاتے ہیں اور بدن چونکہ اس جہاں کی چیز ہے اس کے آثار قبر ہی سے ظاہر ہو جاتے ہیں اور بدن چونکہ اس جہاں کی چیز ہے یہ بظاہر ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔

ہست جزا ہمو عمل سم کہ خورد شود مرض　　بیخ و شجر ہمو ہمو تخم و ثمر چنو چنو

تشریح:۔جزا جنس عمل سے ہوتی ہے۔قرآن شریف میں آتا ہے۔ **فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره و من یعمل مثقال ذرة شراًیره. ووجدوا ماعملوا حاضراً ولایظلم ربک احداً سوره کهف.** جوکوئی ذرہ کے برابر نیکی کرے گا اس نیکی کو دیکھ لے گا۔جوکوئی ذرہ کے برابر برائی کرے گا وہ اس برائی کو دیکھ لے گا۔سارے قرآن کو دیکھ لو یہی آتا ہے کہ جو کچھ کیا وہی ملے گا۔ **وان لیس للانسان الاما سعیٰ.**

جو آدمی زہر کھاتا ہے وہی زہر مرض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو جڑ ہے وہی شجر ہے جو پھل ہے وہی بیج ہے۔ مشہور ہے کہ بیج جب ٹہنی کے ہاتھ چڑھتا ہے اس کا نام پھل ہوتا ہے۔

قبر کہ بوددا ورے سوئے جہان دیگرے   غیب شود شہود از و دیدہ بدیدہ روبرد

تشریح:۔ قبر میں جا کر اپنے سب اعمال منکشف ہو جائیں گے۔ جب روح ظاہر ہو جائے گی کیونکہ روح لطیف ہے اس واسطے اس لطیف کو لطیف چیزیں سب نظر آجاویں گی یعنی عالم قبر دوسرے جہاں کے لئے ایک روشن دان کا کام دے گی۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نیک آدمی کے لئے جنت کی خوشبوئیں آتی ہیں اور برے آدمی کے لئے جہنم کی گرمی محسوس ہوتی ہے اور قبر کو فرمایا گیا کہ یا تو ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے یا ایک گڑھا ہے جہنم کے گڑھوں میں سے۔ یعنی عالم غیب قبر میں منکشف ہو جائے گا۔ گویا قبر ایک دروازہ ہے عالم غیب کے لئے۔

منکشف آں جہاں شود گرچہ دریں جہاں بود   زندگی دگر چنو ذرہ بذرہ مو بہ مو

تشریح:۔ وہ جہاں بالکل واضح ہو جائے گا اگرچہ بظاہر قبر تو اسی جہاں میں ہوتی ہے اس جہان کی زندگی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔

مردن ایں طرف بود زیستن دگر طرف   روزن باز دید تو طبقہ بطبقہ تو بتو

تشریح:۔ اس طرف کا مرنا اس طرف کا جینا ہے۔ عالم آخرت کے تمام طبقات اس پر کھل جاتے ہیں اور اس روشن دان سے نظر آجاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں صاف مذکور ہے۔ مشہور ہے کہ یہ راستہ آنکھ بند کرنے سے طے ہوتا ہے۔ جو برزخی آدمی ہوتے ہیں ان پر عالم برزخ منکشف ہوتا ہے۔

تقریر بابتہ برزخ

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔ وان جهنم لمحيطة بالكفرين بے شک جہنم احاطہ باندھے ہوئے ہے کفار کا کہ کفار کو جہنم حقیقتاً گھیرے ہوئے ہے۔ قیامت کے روز یہ زمین کا گولہ اٹھا دیا جائے گا۔ نیچے سے جہنم نمودار ہو جائے گی۔ اسی لئے مومن کو حکم دیا گیا ہے کہ تو اوپر کو پرواز کر اور ہلکا پھلکا ہو جا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن کو کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ رتل وارتق

تا نہ شکست صورتے جلوہ نزد حقیقتے

جب تک کہ ظاہری صورت نہ ٹوٹتی اس وقت تک حقیقت جلوہ نما نہیں ہوتی۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

ہر بنائے کہنہ کہ آباداں کنند　　اول آں بینا دراو یراں کنند

دنیا کے بعد آخرت کا ہونا عقلی طور سے

جو پرانی عمارت کہ اس کو نئے سرے سے بناتے ہیں۔ پہلے اس عمارت کو برباد کر دیتے ہیں اسی طرح اس دنیا کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔ پھر اس میں سے آخرت نمودار کر دی جائے گی۔ جیسے کہ گٹھلی کو زمین میں دبا کر توڑ پھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس میں سے کھجور کا درخت نمودار کر دیا جاتا ہے۔ حقیقی جہاں یعنی آخرت تب نمودار ہو گی جب یہ جہان فانی توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔ لہٰذا قیامت کا آنا برحق ہے۔ وہ چونکہ رب العالمین ہیں وہ انسان کی تربیت اسی طرح کرتے ہیں عالم برزخ میں رکھ کر پھر عالم آخرت میں اس کو نمودار کریں گے اسی واسطے انبیاء کو مبعوث فرمایا کہ لوگوں کو اس کا یقین دلائیں کہ قیامت ضرور قائم ہو گی یہ تقریر حضرت شاہ صاحب نے بہاولپور میں ۱۹۳۲ء میں فرمائی تھی۔ پھر میں نے یہ تقریر حضرت شاہ عبدالقادرؒ مولانا رائپوری کی خدمت میں سنائی تو حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور تصدیق فرمائی۔ یہ ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے جبکہ میں حضرت کی خدمت میں ڈھڈی ضلع سرگودھا میں موجود تھا۔ اب تو نہ حضرت شاہ صاحبؒ رہے جو ان سے استفادہ کیا جاتا اب کوئی نہیں رہا جو ایسی مشکل باتوں کو حل کرے۔ ایسا بلند اور باریک مسئلہ حضرت شاہ صاحب نے باتوں ہی باتوں میں حل کر کے رکھ دیا گویا عالم برزخ ہمارے سامنے ہے۔ انتقال سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ کے زیر مطالعہ اکثر مثنوی شریف ہوتی تھی۔ عموماً عالم ارواح اور عالم برزخ کی باتیں کیا کرتے تھے اور یہ تو اکثر فرماتے تھے کہ اب ہمارا آخری مرحلہ ہے کسی کو کیا معلوم تھا کہ اپنے وصال کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

حضرتؒ کی وصیت اور اس کا پورا ہونا

بہاولپور سے چلتے وقت مولانا غلام محمد شیخ الجامع گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا اور مولانا محمد صادق صاحبؒ سے جو کہ دوم مدرس تھے۔ جامع عباسیہ کے ”جب مقدمہ کا فیصلہ ہمارے

حق میں ہو جائے تو میری قبر پر آ کر آواز دے دینا''۔ ہم نے یہ بات سنی تو معمولی بات سمجھی۔ جب وصال ہو گیا تو پتہ چلا کہ یہ بھی اپنے وصال کی طرف اشارہ تھا۔

حضرتؒ کے وصال کے کئی ماہ بعد مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا تو مولانا محمد صادق صاحبؒ نے حضرت کی وصیت کو پورا کرنے کے لئے دیوبند کا سفر کیا اور آپ کی قبر مبارک پر روتے ہوئے آواز دی۔ مولانا محمد صادق صاحب کو حضرت شاہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری سے بیعت تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے دربار میں بالکل خاموش رہتے تھے۔ ویسے بڑے فاضل تھے۔ علوم مستحضر تھے۔

حضرت شاہ صاحب اور شعر

فرماتے تھے کہ میں نے شعروں پر کبھی وقت ضائع نہیں کیا جب کھانے پر بیٹھتا تھا تو پنسل اور کاغذ اپنے پاس رکھتا تھا۔ ایک لقمہ کھایا اور ایک شعر کہہ لیا لکھ لیا۔ پس ادھر کھانا ختم ہوا ادھر اشعار ختم ہوئے۔ مقامات حریری کے طرز پر آپ کی ایک کتاب تھی جس میں کئی ایک مقالے بے نقطہ تھے۔

حضرتؒ سے حضرت مفتی اعظم کا استفادہ

ایک دفعہ احقر حضرت کی زیارت کے لئے حضرت کے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر ایک مسئلہ حضرت شاہ صاحب سے دریافت فرماتے تھے حضرت نے فرمایا کہ میں خود ہی حاضر ہو جاتا حضرت آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ فرمایا کہ نہیں مجھے ہی آنا چاہئے تھا۔ اس طرح حضرت مفتی صاحب کئی بار تشریف لا کر مسائل کی تحقیق کیا کرتے تھے۔ یہ حضرت مفتی صاحب ہمارے بھی ابن ماجہ شریف اور طحاوی شریف اور موطا امام محمد وغیرہ میں استاذ ہیں۔ ان کو اجازت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ سے ہے اور ان کو اجازت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے ہم کو اپنی اس سند کی بھی اجازت دی تھی۔

حضرتؒ نے شاہ اہل اللہ کا مشہور واقعہ سنایا

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک بار حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ جو کہ برادر تھے

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے اپنے حجرے میں بیٹھے تھے۔ کہ ایک سپاہی آیا کہ آپ کو بادشاہ سلامت نے بلایا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فوراً اٹھے اور اس سپاہی کے ساتھ چل دیئے۔ وہ سپاہی بجائے لال قلعہ جانے کے دہلی سے باہر پہاڑ گنج کی طرف لے گیا۔ وہاں جا کر ایک غار کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ اس غار میں داخل ہو۔ جب شاہ صاحب اس غار میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جنات کا ایک بہت بڑا مجمع ہے اور جنات کا بادشاہ بیٹھا ہے اور اس کے دائیں جانب ایک بہت بڑا جن بیٹھا ہے اور بادشاہ کے سامنے ایک مردہ لٹایا ہوا ہے اور ایک مرد اور ایک عورت وہاں کھڑے ہیں انہوں نے شاہ صاحبؒ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس آدمی نے ہمارے اس بیٹے کو قتل کر دیا ہے ہمیں قصاص دلوانا چاہیے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قصاص نہیں لے سکتے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے اپنی پوشش بدل دی اگر اس کو کوئی شخص غلط فہمی سے مار ڈالے تو اس مارنے والے سے قصاص نہیں لے سکتے۔

بادشاہ نے اس جن سے جو اس کے دائیں جانب بیٹھا تھا پوچھا کہ کیا یہ حدیث ہے تو اس نے کہا کہ ہاں یہ حدیث ہی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی تھی تو میں اس وقت دربار میں حاضر تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے اس حدیث شریف کو سنا ہے۔

حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے پھر مجھے یہ حدیث سن کر رہا کر دیا اور مجھ سے قصاص نہیں لیا۔ مجھ کو اپنے رہا ہونے کی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی کہ مجھے اس صحابی جن کے دیکھنے سے نہیں ہوئی۔ پھر شاہ اہل اللہ صاحب نے ان صحابیؓ سے وہی حدیث سنی اور تابعی ہو کر واپس آئے۔ یہ حدیث ہمیں ترمذی شریف کے درس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے سنائی تھی۔ اس جن کا نام شاہورشؓ تھا۔

حضرت نے ظفر بادشاہ کا مشہور شعر پسند فرمایا

حضرت شاہ صاحبؒ ظفر (یعنی بہادر شاہ دلی کے بادشاہ) کے اس شعر کو بہت پسند کرتے تھے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

تسمیہ کی عظمت

جب کوئی کام دینی یا دنیوی شروع کیا جائے تو اس کے لئے اول یہ ضروری ہے کہ اس کا سامان سارے کا سارا مہیا کیا جائے۔ پس کلمہ اللہ کا اس کا متکفل ہے کیوں کہ یہ علم ہے اس ذات پاک کا جو مجتمع لجمیع صفات کمال ہے۔ پھر اس کام کے پورا ہونے تک وہ سامان باقی بھی رہے اس کا رحمٰن کا کلمہ متکفل ہوا یعنی بقاء عالم اس کلمہ کے ساتھ مربوط ہے تیسرے پایا جانا فائدہ اس کام کا اور یہ صفت رحیمی کا کام ہے کہ اپنی رحمت سے محنت بندوں کی برباد نہیں کرتا چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جامع الادیان ہے اس لئے تسمیہ میں یہ تمام نام جمع فرمائے گئے عربوں کے ہاں تو کلمہ اللہ کا مشہور ہی تھا (بنی اسماعیل میں) بنی اسرائیل میں لفظ رحمٰن مشہور تھا۔

قل ادعو االلہ او ادعو االرحمن تدعو افلہ الاسماء الحسنیٰ

قرآن عزیز نے دونوں اسماء کو جوڑ دیا کہ جو اسم بھی پکارو سب اسماء حسنیٰ ہیں۔ پہلے عرب یوں کہتے تھے۔ **وما الرحمن** آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ پھر قبلہ تا قیامت کعبہ شریف ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں سے ہیں جب کہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو کعبہ شریف ہی کا رخ کریں گے اور حج بھی کریں گے۔

یعنی شریعت محمدیہ پر عمل درآمد کریں گے۔ یہ اس طرف اشارہ ہوگا کہ سب کے سب ادیان ایک ہو گئے اور محمد رسول اللہ ہی خاتم الانبیاء ہیں۔ یہ عملی طور پر ثابت فرمادیں گے بزرگان دین نے ان اسماء کا ورد کرنا فرمایا ہے تا کہ ان کی برکت سے دینی و دنیاوی نعمتیں ملتی رہیں۔

سورۂ فاتحہ

الحمد لله رب العٰلمین (ف) بسم اللہ شریف اگرچہ فاتحہ کا جز نہیں لیکن قرآن کا جز و ضرور ہے اور اس کا پڑھنا شروع رکعت میں اکثر کے نزدیک واجب ہے زیلعی شرح کنز اور زاہدی نے مجتبیٰ سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح روایت ہے ابی حنیفہؒ سے (دھبانیہ میں ہے)

ولو لم یسبمل ساھیا کل رکعة فیسجد اذایجابھا قال اکثر

کبیری میں بھی لکھا ہے کہ یہی احوط ہے۔

سورۂ فاتحہ: مکیہ ہے یہاں حمد پر الف لام استغراق کا ہے۔ یعنی سب افراد حمد کے اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جناب باری تعالیٰ عزاسمہ نے اپنی حمد ذات پاک کے ساتھ مخصوص فرما کر بعد میں اس کی تین صفات علی الترتیب ذکر فرمائیں تربیت رحمت جزا اس لئے کہ کوئی کسی کی تعریف جب کرتا ہے یا تو اس لئے کہ اس کے احسانات سابقہ اس کے مدنظر ہوتے ہیں یا زمانہ حال میں اس پر احسان کرتا ہے یا آئندہ کو امید ہوتی ہے کہ مجھ پر احسان کرے گا۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بندے صفت وثنا کریں وہ اس واسطے بھی ہے کہ میں نے ان پر بے شمار نعمتیں پہلے عطا کی ہیں۔ کہ صفت ربوبیت کی رکھتا ہوں۔ ان کو پیدا کرنا اور تربیت ظاہری و باطنی کرنا اور جو نظر اس پر کریں کہ اس کی نعمتیں بے شمار فی الحال موجود ہیں کہ میں رحمان ورحیم ہوں اور اگر دوراندیشی کا طریق اختیار کریں تو بھی میں ہی مستحق حمد ہوں کہ جزا بھی میری طرف سے ملے گی غرض ہر ہر جوڑ کی عبادت الگ الگ ہے۔ مثلاً دل کی عبادت یہ ہے کہ جو عقائد انبیاء علیہم السلام لائے ہیں ان پر یقین کرنا اور حق مان لینا اور اس پر دوام کر لینا۔ روح کی عبادت یہ ہے کہ اس کے مشاہدہ میں غرق رہنا اور اس کے مراقبہ میں آرام پانا اور سر کی عبادت یہ کہ اس کی معرفت میں ڈوبا رہنا حتیٰ کہ ولا تکن من الغافلین نصیب ہو جائے۔ غرض عبادت کی حقیقت یہ کہ اس کی مرضیت میں غایت تذلل کے ساتھ اپنے تمام اعضاء اور ظاہری باطنی قوتوں کو لگائے رکھے اور ایک دم بھر کے لئے غافل نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو ادھر سے ارشاد ہوتا ہے۔ حمد فی عبدی اور الرحمن الرحیم کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے اثنے علی عبدی جب مالک یوم الدین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے مجدنی عبدی بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ ایاک نعبدو ایاک نستعین جب کہتا ہے تو فرماتے ہیں۔ ھذا بینی و بین عبدی و لعبدی ماسأل یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کو ملے گا جو وہ سوال کرے گا اور جب اھدنا الصراط السمتقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولاالضالین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔ ھذاالعبدی والعبدی ماسأل یہ میرے بندے کا حق ہے اور میرے بندے کو وہ سبھی

ملے گا جو اس نے سوال کیا۔ حدیث کے شروع میں ہے قسمت الصلوۃ بینی و بین عبدی یہاں پر صلوۃ بمعنی سورۂ فاتحہ ہے۔ حدیث بخاری میں یوں بھی وارد ہے۔ واذاقال الامام غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولوا اٰمین جب امام کہے غیر المغضوب علیھم ولاالضالین تو تم آمین کہو یعنی الحمد شریف کے ختم پر آمین کہنا چاہئے۔ معلوم ہوا کہ الحمد شریف پڑھنا حق امام کا ہے مقتدی کا حق صرف آمین کہنا ہے۔

جیسے واذاقال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد سو اس کو آہستہ ہی کہتے ہیں آمین بھی آہستہ ہی کہنا چاہئے آمین کے معنیٰ اے اللہ تو قبول فرمائے۔ (استجب)

انعمت علیھم۔ چار قسم کے گروہ ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین۔ یعنی آخرت میں ان کے ساتھ حشر فرما عوام کو چاہئے کہ صالحین کی صحبت اختیار کریں اور ان کے سینوں سے انوار لیتے رہیں۔ ان کا طریق اختیار کرلیں۔ صالحین بسبب کمال متابعت کے اپنے ظاہر کو گناہوں سے پاک رکھتے ہیں اور اپنے باطن کو اعتقادات فسادہ اور اخلاق رذیلہ سے دور رکھتے ہیں اور یاد حق میں ایسا لگ جاتے ہیں کہ دوسری طرف توجہ کرنے کی گنجائش ہی ان میں نہیں رہتی۔ تاآنکہ باری تعالیٰ ان کو پھر دوسری جانب سے محفوظ فرمالیتا ہے۔ الذین اٰمنوا وکانوا یتقون اور شہداء وہ حضرات ہیں کہ ان کے قلوب مشاہدات حق میں اور تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے پہنچایا ہے۔ دل ان کے اسی شان سے قبول کرلیتے ہیں گویا دیکھتے ہیں اسی واسطے راہ حق میں جان دے دینا ان کے لئے آسان کام ہوتا ہے اور صدیق وہ ہیں کہ قوت نظریہ ان کی انبیاء علیہم السلام کی طرح کامل ہوتی ہے اور ابتداء عمر سے جھوٹ بولنے اور دورنگی سے دور رہتے ہیں۔ امور دین میں بالکل خدا کے واسطے لگے رہتے ہیں۔ خواہش نفس کو ہرگز ہرگز دخل نہیں ہوتا۔ صدیق کی نشانی یہ ہے کہ اس کے ارادہ میں تردد بالکل نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی تربیت براہ راست باری تعالیٰ عزاسمہٗ فرماتے ہیں کہ نور پاک کی تاثیر ان میں ایسی کامل ہوتی ہے کہ مطلقاً غلطی اور ان کے شبہات معلومات میں راہ نہیں پاتے۔ ان کو اللہ تعالیٰ معصوم اور محفوظ رکھتا ہے۔ لہٰذا لوگوں پر واجب ہے کہ بے تفتیش وجہ کے انبیاء علیہم السلام کے

لائے ہوئے احکام مان لیں۔ انبیاء پر اعتراض کرنا یہود نے شروع کیا۔ عیاذ باللہ۔

صراط الذین انعمت علیھم. گو ظاہر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء علیہم السلام کے بعد میں تشریف لائے لیکن باطن میں آپ کی ہدایت سابقین انبیاء علیہم السلام میں سرایت کرتی رہی۔ **اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ** یعنی ان کی ہدایت بھی آپ ہی کی ہدایت ہے جو ان کے باطن میں سرایت کرگئی تو جب آپ ان کی ھدیٰ پر چلیں گے تو یہ درحقیقت ان کا ہدایت پانا آپ کی ہدایت سے ہوا۔ کیونکہ آپ کو اولیت باطناً حاصل ہے اور ظاہراً آخریت ہے۔ ورنہ **بھم اقتدہ** ہوتا اور حدیث **کنت نبیا وآدم بین الماء والطین** وغیرہا نصوص اسی طرف مشیر ہیں کہ جو متقدم نبی ہوئے ہیں وہ اپنی بعثت میں آپ ہی کے نائب ہوئے ہیں۔ بردانامل والی حدیث بھی اسی کی مؤید ہے۔ **فعلمت علم الاولین والآخرین** سے مراد انبیاء ہی ہیں جو اول ظہور پذیر ہوئے (ایسے ہی آخرین سے مراد وہ انبیاء جو بہ نسبتہٗ اولین کے بعد میں آئے) اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل ہی تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد شریف کے ظہور سے متقدم تھے۔ (الیواقت ج ۲ نمبر ۱۸)

ھدًی للمتقین معلوم ہوا کہ تقویٰ کا اطلاق معانی متفاوتہ پر ہوتا ہے۔ کبھی ایمان کے معنوں میں آتا ہے۔ **والزمھم کلمۃ التقویٰ** کبھی توبہ کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً **ولو ان اھل القریٰ اٰمنوا واتقوا** کبھی طاعت کے معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً **ان انذروا انہ لآالٰہ الا انا فاتقون** کبھی ترک گناہ پر بولا گیا ہے۔ مثلاً **واتوا البیوت من ابوابھا واتقوا اللہ** کبھی اخلاص کے معنی دیتا ہے۔ **فانھا من تقوی القلوب** (از فتح العزیز)

الٓمٓ اور ذلک الکتاب کی تفسیر

الٓمٓ:۔ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان سے کیا مراد ہے ہمیں اس کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ بس ہم ہیں کہ یہ بھی کلام ربانی ہے۔ ایک راز ہے اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان۔ **ذٰلک الکتاب** یہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ **لاریب فیہ** اس کے برحق اور اللہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ کھلا عام اور دائمی چیلنج کیا گیا کہ اگر تمہیں

ریب ہے تو اس طرح کا کلام بنالاؤ۔ یا کم از کم دس سورتیں ہی بنالاؤ۔ کم از کم ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ تم بھی اہل لسان ہو عرب ہو مکہ معظّمہ کے رہنے والے ہو عرب العربا ہو۔ مگر بحمد اللہ آج تک کوئی نہ لاسکا۔ یا تو اس کی مثل لاؤ یا پھر جب مقابلہ کی تاب نہیں تو اس پر ایمان لاؤ۔

ھدی للمتقین: . یہ قرآن ہادی ہے متقین کے لئے۔ یعنی جو پرہیز کرتے ہیں انہیں اس قرآن سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کے ہادی ہونے میں تو کچھ شک نہیں۔ لیکن جو اس پر عمل کرے گا اس کے حرام کو حرام سمجھے گا اور حلال کو حلال یقین کرے گا۔ ممنوعات سے پرہیز کرے گا وہی شفایاب ہوگا۔ ورنہ نسخے کے تو شافی ہونے میں کوئی شبہ ہے ہی نہیں۔

الذین یومنون بالغیب الایۃ۔ یعنی جو لوگ ایمان بالغیب لاتے ہیں اور باری تعالیٰ کو ذات اور صفات اور افعال میں یکتا یقین کرتے ہیں حالانکہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا فقط رسول اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے یقین کرلیا۔ یہی ایمان بالغیب ہے۔ تمام ثواب اور عقاب یہ سب امور غیبیہ ہی ہیں۔

ایمان کے معنی لغت میں گرویدن۔ باور کردن اور اصطلاح میں انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں یقین کرلینا اور مان لینا ایمان کہلاتا ہے کفر کے معنی مکر جانا منکر ہوجانا یعنی جو امور انبیاء علیہم السلام باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کے سچ ہونے میں شبھے نکالنا یا تکذیب کرنا کفر کہلاتا ہے۔

ویقیمون الصلوۃ اور نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کے فرائض واجبات وشرائط سنن ومستحبات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر دوام کرتے ہیں۔ یعنی پوری اطاعت کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔

ومما رزقناھم ینفقون جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں یعنی مال میں غرباء کا بھی حق یقین کرتے ہیں۔

"وفی اموالھم حق السائل والمحروم" والذین یومنون بماانزل الیک وما انزل من قبلک یہ متقی لوگوں کا ہی تفصیلی حال ہے۔ مومنین اہل کتاب ہی ضروری نہیں کہ اس سے مراد ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ **قل آمنا باللہ وماانزل علینا وماانزل علےٰ ابراھیم واسماعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسےٰ والنبیون من**

ربهم لانفرق بین احدمنهم ونحن له مسلمون پ۳ رکوع آخری اور پارہ اول رکوع آخری میں قولوا اٰمنا باللہ وماانزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسی و عیسی وما اوتی النبیون من ربھم. الایۃ بھی آیا ہے اور سورہ بقر کے آخری رکوع میں یہ بھی آیا ہے۔ اٰمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون کل اٰمن باللہ وملٰئکته وکتبه و رسله لانفرق بین احدمن رسله اولٰئک علےٰ ھدًی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون یعنی یہی لوگ ہیں جن کو اپنے رب کی طرف سے ہدایت مل گئی اور آخرت میں کامیاب ہوگئے۔

ایمان کی تحقیق کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا (فتح العزیز) کہ ایمان کا ایک تو وجود ذہنی ہے دوسرا وجود عینی۔ تیسرا وجود لفظی وجود عینی تو اصل ہے ایک نور کی جو بسبب حجاب رفع ہونے کے حاصل ہوتا ہے۔ جب بندہ مومن میں اور اس کے رب تعالیٰ شانہ میں حجاب رفع ہوجاتا ہے یہی نور جس کو کمشکوٰۃ فیھا مصباح اور اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور میں فرمایا ہے جب حجاب رفع ہوتا ہے اور نور ایمان قوت پکڑتا ہے اور اوج کمال کو پہنچتا ہے تو وہ نور پھیل کر تمام اعضاء کو گھیر لیتا ہے پھر پہلے تو انشراح صدر حاصل ہوتا ہے اور حقائق اشیاء پر مطلع ہوتا ہے اور اس پر حقائق ہرشی کے متجلی ہوتے ہیں۔ ہر ایک شئے کو اپنے مقام پر جلوہ گر پاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا صدق جن اشیاء کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے تفصیلی طور پر اس پر منکشف ہوتے ہیں اور اوامر اور نواہی کے موافق حکم الٰہی پر عامل ہوتا ہے۔ اس حال میں خصائل حمیدہ اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں اور اعمال صالحہ انوار معرفت کے ساتھ مل کر ایک عجیب روشنی پیدا کرتے ہیں۔ یھدی اللہ لنورہ من یشاء اور وجود ذہنی ایمان کا دو مرتبے رکھتا ہے۔ اول کلمه لا اله الا الله کے معنی کا انکشاف جس کو گرویدن اور باور کردن بھی کہتے ہیں۔ اس کا نام تصدیق اجمالی ہے دوم ہرشی کا تفصیلی طور پر منکشف ہونا اور جو ارتباط ان میں ہے اس کو بھی لحاظ رکھنا اور ایمان کا وجود لفظی شریعت کی اصطلاح میں کلمہ شہادتین کا اقرار ہے اور کلمات اس کلمہ طیبہ کے زبان سے جاری کرنا۔

ان الذین کفروا الایہ۔ یعنی جولوگ کافر ہوئے اور کفر پر ہی مر گئے اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص آخری عمر میں ایمان لایا اور ایمان پر خاتمہ ہوا تو وہ مومن ہے اسی طرح کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ جب تک کہ اس کا خاتمہ نہ کفر پر ہو جائے کفر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے دین محمدی ہونے سے ہی انکار کر دے۔ اور معنی انکار کے نہ ماننا ہے خواہ اس کی حقیقت پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔

یعنی ان کے دلوں پر مہر کر دی اللہ تعالیٰ نے اور ان کے کانوں پر بھی مہر ہے۔ جیسا کہ وختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصره غشاوة کہ استدلال دوسروں کا بھی نہیں سنتے اور ان کی بینائیوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ بالکل دیکھنے نہیں دیتا۔ دل اور کان پر مہر کا ذکر کیا اور بینائیوں پر پردہ لٹکانا ذکر فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ چیزیں مدرکات کو باہر سے اندر کی طرف لاتی ہیں۔ آنکھ پر پردہ کا ذکر اس لئے کیا کہ پردہ آنکھ کا شعاع کو باہر نکلنے سے روکتا ہے اور وہی منشا رویت کا ہے اور عقلاء کا قاعدہ باندھا ہوا ہے کہ باہر کی چیزوں کے اندر آنے سے روکنے کے لئے مہر کرتے ہیں اور اندر کی چیزوں کو روکنے کے لئے پردہ ڈالتے ہیں ومن الناس یعنی یہ دعویٰ دونوں علموں کا کرتے ہیں۔ علم توحید اور علم معاد کا یہی دو علم اصل دین ہیں۔ پس کہتے ہیں کہ ہم نہ تو مشرک ہیں نہ محجوب حق سے ہیں حالانکہ ایمان ان کی ذات سے مسلوب ہے۔ کسی وقت نصیب نہ ہوگا۔ ان کو منافق کہتے ہیں۔ نفاق کی کئی اقسام ہیں جیسے کہ احادیث میں مروی ہے۔

جزاء عین اعمال ہے حضرت مجددؒ کی تحقیق

قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل یعنی جزا در حقیقت مجزی علیہ کے ظہور ہی کو دوسری شکل میں کہتے ہیں یعنی وہ اعمال ہی ہوں گے جو ثمرات کی اشکال میں نمودار ہوں گے۔

ذوقوا ما کنتم تعملون فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره. الایۃ

دانہ خلاف تخم نے ہر چہ بود ز جبر و قدر   آنچہ کہ کشتہ درو حظہ بہ حظہ جوز جو

حضرت مجدد کی تحقیق

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں معنی تنزیہی نے دنیا میں تو لباس کلمات طیبات کا

پہن لیا۔ آخرت میں یہی اعمال صالحات اور کلمات طیبات ثمرات اور اشجار کا لباس پہن لیں گے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ایک نہایت ہی جمیل آدمی قبر والے کو مانوس کرنے کے لئے پاس رہے گا وہ نیک عمل ہی اس شکل میں ہوگا۔ معانی متجسد ہو جائیں گے۔

یایھاالناس اعبدوا. الایہ مخفی نہ رہے کہ باری تعالیٰ نے ان آیات میں پانچ نعمتیں جو دلائل توحید کے ہیں بیان فرمائیں اول انسان کی پیدائش دوم پیدائش ان کے باپ دادوں کی ان دونوں نعمتوں کو ایک جگہ فرمایا۔ سوم پیدائش زمین کی چہارم وہ نعمت جو دونوں سے حاصل ہوئی کہ آسمان سے پانی برسا اور زمین سے غلے پھل جو مخلوق کی غذا ہے۔ ان تینوں نعمتوں کو ایک جالائے وجہ یہ ہے کہ پہلی دو نعمتیں نفس سے متعلق ہیں اور تینوں نعمتیں جسمانی ہیں۔ پہلی نعمتوں کو مقدم اس لئے رکھا کہ انسان کو سب سے زیادہ قرب اپنے نفس سے ہوتا ہے۔ پھر اپنے اصول اقربا ماں باپ وغیرہما سے پھر زمین جو جگہ انسان کے رہنے کی ہے پھر جب نظر اٹھاتے ہیں آسمان کو دیکھتے ہیں پھر وہ چیز ذکر فرمائی جو مجموعہ ان دونوں صحن اور چھت سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی بارش پس جیسا کہ ان انعامات کا دینے والا فقط باری تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی اس کا شریک سہیم نہیں۔ لہٰذا شکر میں اسی ہی کو مخصوص کرو کسی چیز کو عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ چہ جائیکہ اس کا شریک الٰہیت میں اور اس کی صفات کمال میں ہو۔

قولہ تعالیٰ. الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ الایۃ

ایمان کی حقیقت

شریعت کے عرف میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں یعنی گردیدن باور کردن جو چیزیں کہ بالیقین معلوم ہیں کہ دین محمدی سے ہیں اس لئے کہ ایمان کو قرآن میں جابجا دل کے کام سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ قلبہٗ مطمئن بالایمان **کتب فی قلوبھم الایمان ولمایدخل الایمان فی قلوبھم** اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دل کا کام یہی تصدیق ہی ہے اور بس نیز ایمان کو عمل صالح کے ساتھ مقرون فرمایا۔ **ان الذین اٰمنوا وعملواالصالحات** اور معاصی کے ساتھ بھی ذکر فرمایا۔ چنانچہ **وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا والذین اٰمنوا ولم یھاجروا** پس معلوم ہوا کہ اعمال نیک کو ایمان میں دخل نہیں نہ اعمال بد سے ایمان درہم برہم ہوتا ہے اور اقرار محض کی

بھی بلاتصدیق مذمت کی ہے۔ و من الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وماھم بمومنین. پس معلوم ہوا کہ اقرار محض تو ایمان کی حکایت ہے۔ اگر محکی عنہ کے مطابق ہوا تو معتبر ہے ورنہ کچھ نہیں۔ محکی عنہ تو تصدیق ہی ہے۔ تحقیق مقام اس جگہ یوں ہے کہ جس طرح ہر چیز کا تین طرح کا وجود ہے۔ ایمان کا بھی تین طرح کا وجود ہے۔ ایک لفظی دوم ذہنی سوم عینی وجود عینی تو اصل ہے باقی وجود اس کے تابع ہیں۔ ایمان کا وجود عینی تو وہ نور ہے جو دل میں حاصل ہوتا ہے اور اس کے سبب سے تمام پردے بینہ و بین الحق رفع ہو جاتے ہیں۔ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح میں تمثیل مکمل فرمائی گئی چنانچہ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور اس کا سبب بیان فرمایا کہ یہ نور انوار محسوسہ کی طرح قوت واستداد وانتقاص قبول کرتا ہے۔ چنانچہ آیت واذاتلیت علیھم اٰیاتہ' زادتھم ایماناً اس کی زیادتی کا طریقہ یہ ہے کہ جوں جوں حجاب مرتفع ہوتا جاتا ہے وہ نور زیادہ ہوتا جاتا ہے اور ایمان قوت پکڑتا ہے تا آں کہ اوج کمال تک پہنچ جاتا ہے اور خوب پھیل جاتا ہے اور جمیع قویٰ اور اعضاء کو گھیر لیتا ہے۔ پس اول تو شرح صدر ہوتا ہے اور اشیاء کے حقائق پر مطلع ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ عقائد بیان فرمائے ہیں وہ وجدانی ہو جاتے ہیں اور بقدر انشراح صدر کے ہر امر کے بجالانے میں متعدد ہو جاتا ہے اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے اور وجود لفظی ایمان کا حکم شہادتین ہے۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ

ثم استویٰ الی السماء خواہ دحوارض کو پہلے کہو خواہ تسویہ آسمان کو پہلے کہو۔ سب درست ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفہ کے تحت حقائق عالیہ ونفائس فائقہ

انی جاعل فی الارض خلیفة. اس میں فرمایا گیا کہ مسئلہ توحید کے بعد ایمان نبوت پر لانا فرض ہے یہ بھی فرمایا گیا کہ اطاعۃ اللہ جب معتبر ہے کہ اس کے فرمانے پر اس کے غیر کی اطاعت جیسے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اور اس میں حسن وقبح کا عقلی یا شرعی ہونا بھی فرمایا گیا اور عدل اور جور بھی منکشف کیا گیا اور اسماء احکام وعدہ اور وعید بھی بیان فرمائے گئے اور تقدیر خیر وشر من اللہ تعالیٰ اور یہ کہ سب امور کے علم کی انتہا اللہ تعالیٰ کی

طرف ہے اور یہ کہ شرف عبودیت میں ہی ہے اور توبہ میں ہے اور یہ کہ **لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون** اور یہ کہ آخری حیلہ مراحم خسروانہ میں اپیل دائر کرنا ہے۔ اور یہ کہ سبقت رحمتی غضبی اور اس میں یہ کہ تفضیل انبیاء علیہم السلام کی سب پر ہے اور مسئلہ جبر و قدر بھی اس میں آ گیا۔ **انی اعلم مالاتعلمون** جو کچھ کہ آدمی کے جوارح و اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اول اس کا وجود مرتبہ روح میں ہوتا ہے۔ پھر قلب میں پھر قوی نفسانیہ میں پھر جوارح اور اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ **بلٰی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خٰلدون** اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قول **لن تمسنا النار الایاماً معدودۃ** اور انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اعتقاد فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ بنا تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں۔ ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب جانتا ہو اور عمل میں مخالفت کرتا ہو۔ مثلاً یقین جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے ایسا ہی زنا چوری لواطت بھی حرام ہیں۔ کبائر ہیں لیکن حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کا نام فسق و فجور اور عصیان ہے۔ عیاذاً باللہ۔

اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے لی ہے لیکن وہ ایک مدت مقررہ عنداللہ کے بعد ختم ہو جائے گا۔ عذاب دائمی نہیں ہوگا دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو۔ مثلاً جو چیز کہ نفس الامر میں ثابت ہے خواہ از قسم الٰہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو خواہ شعائر اللہ کے متعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو۔ اس کو جحود اور کفر اور زندقہ اور الحاد کہتے ہیں اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں کہ **الفاسق لایخلدفی النار والکافر خالد فی النار** چونکہ ملت حقہ اس زمانہ میں صرف یہود ہی تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے اور اپنی عبادت سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا۔

(۲) اس فرقے نے اپنی کند ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنون میں نہ کیا اور کہہ دیا۔ **لن تمسنا النار الایامامعدودات** حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس کو اس طرح رد کیا کہ کیا

تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے اتخذتم عنداللہ عہداً ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون. کیونکہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہود کی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں۔ پس نص صریح غیر ماؤل جس کو عہد کہتے ہیں اس بات میں مفقود تھی اور تاویلات اعتقادیات اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔ نیز یہ کہ تحقیقی بیان سے ان کے شبہے کو حل فرما دیا کہ بلیٰ من کسب سیئة واحاطت بہ خطیئتہ الایہ کہ فساد علم وعمل اور خرابی عقیدہ واعمال کی اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ کی مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے۔ موجب خلود فی النار کا ہے۔ جس فرقہ میں بھی پایا جائے گو ظاہر میں کلمہ گو ہی ہو اور دعویٰ بھی دینداری کا رکھتا ہو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ معصیت کو مباح جاننا بھی کفر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سے عذاب کا خوف بھی اٹھ جائے اور معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے ڈرانے کے لئے یہ عذاب کی دھمکی ہے۔ والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ مراجعت کرو فتح العزیز کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

ولقد آتینا موسی الکتاب کے تحت تحقیق عجیب

ولقد اٰتینا موسیٰ الکتاب الایة. یعنی ہم نے سب سے بڑی نعمت کتاب دی اور بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لئے۔ سب سے بڑا عہد یہ تھا کہ ہر پیغمبر کی اطاعت کرنا اور ان کی توقیر کرنا لازم جانو۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے بعد لگاتار رسول بھیجے۔ حضرت یوشع حضرت الیاس حضرت الیسع حضرت شمعون حضرت داؤد حضرت سلیمان حضرت شعیا حضرت ارمیاہ۔ حضرت یونس حضرت عزیر حضرت حزقیل حضرت زکریا حضرت یحیٰ اور ہزار ہا پیغمبر تھے۔ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے۔ انہی کی شریعت کے متبع تھے۔ واٰتینا عیسیٰ ابن مریم الایہ۔ اور مریم بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات ظاہرہ باہرہ دیئے کہ مادر زاد اندھے کو اچھا کرتے تھے۔ اور کوڑھی کو چنگا کرتے تھے۔ مردے کو زندہ کرنا عطا فرمایا یہ سب کچھ بحکم خداوندی ہوتا تھا۔ جو کچھ صبح شام کھا کر آتے تھے جو گھروں میں چھپاتے تھے سب معجزانہ طور پر آپ بتلا دیتے تھے۔ آپ کو بلا باپ پیدا فرما دیا۔ آسمان پر معجزانہ طور پر تشریف

لے گئے۔ اس زمانہ کی سائنس اور طب مقابلہ نہ کر سکی نہ اب ہی سائنس یہاں تک ترقی کر سکی ہے لیکن سائنس والے بھی اس کے امکان کے قائل ہو گئے ہیں۔

وقد قیل ان المعجزات تقدم بمایرتقی فیه الخلیفة فی المدیٰ

آپ کا نام ہی روح رکھا۔ روح کی سبک سیر کا (سریع رفتار) کا کس نے اندازہ لگایا ہے۔ روح نام ہے یا تو جبرائیل علیہ السلام کا کہ ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ یا اسم اعظم کے اثر سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور ممکن ہے کہ اس اسم مبارک ہی کی تاثیر ہو کہ آسمان کو اڑ کر تشریف لے گئے۔ فرمایا گیا ہے وروح منه شہادة القرآن عقیدة الاسلام اور تحیه الاسلام سیف چشتیائی۔ بڑی عمدہ کتابیں اس میں تصنیف ہوئی ہیں۔ فجزاھم الله خیر الجزاء.

ایشوع کے معنی اور تحقیق

ایشوع اصل ہے عیسیٰ کی۔ اس کے معنی ہیں مبارک اور مریم بھی عبری لفظ ہے اس کے معنی ہیں خادمہ یا عابدہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سینے میں روح القدس پھونک مارتا ہے۔ ان نفساً لن تموت حتی تستکمل رزقھا. کہ کوئی جان دار نہیں مرتا جب تک اپنا رزق پورا نہیں کر لیتا اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی روح القدس تائید کرتے تھے۔

ففریقاً کذبتم و فریقاً تقتلون. مثلاً زکریا علیہ السلام حضرت یحیٰ علیہ السلام حضرت شعیاء علیہ السلام اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی کئی بار حملہ قاتلانہ کیا گیا زہر دیا۔ چکی کا پاٹ اوپر سے پھینک دیا اس زہر کا اثر مرض وفات میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ سر الشہادتین میں تفصیل سے مذکور ہے۔

یعنی ایسے متعصب ہیں کہ اچھی بات سنتے ہی نہیں۔ تصلب حق کے معنی یہ ہیں کہ دین حق کو قوت سے پکڑے اور کسی کے فریب میں نہ آجائے اور ادھر ادھر توجہ بھی نہ کرے۔ یہ بات تمام دینوں میں مطلوب ہے۔

حضرتؒ کی انگریزی سے واقفیت

فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے

ساتھیوں میں سے کسی صاحب نے انگریزی بھی پڑھی ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے کشمیر میں چھ ماہ انگریزی پڑھی ہے۔ میرے استاد نے کہا تھا کہ تو نے چھ مہینے میں اتنی انگریزی پڑھ لی جتنی کوئی دوسرا کئی سال میں پڑھے۔ ایک گریجویٹ کے برابر تو حضرت نے انگریزی پڑھی تھی۔ آج کل کے بی اے ایم اے سے زیادہ انگریزی کے واقف تھے۔ مگر اس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

حضرتؒ کا تقویٰ

ایک دفعہ ڈابھیل ضلع سورت سے بربان پور جو کہ وطن تھا۔ حضرت علی متقیؒ جو صاحب کنز العمال وغیرہ ہیں۔ تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت کا نام سن کر بہت سی مستورات آئیں تو حضرت نے خادم سے فرمایا کہ صحن کا دروازہ بند کردو۔ کسی عورت کو مت آنے دو۔ اور خود حسبنا اللہ پڑھتے رہے۔

معراج جسمانی کی تحقیق

لاہور معراج جسمانی کے سلسلے میں بیان فرماتے وقت یہ بھی فرمایا کہ بعض روایات کے الفاظ سے ظاہر بین حضرات شبہات میں پڑ جاتے ہیں کہ ثم استیقظت الفاظ آتے ہیں۔ بخاری شریف میں آتا ہے۔ اتی بالمنذربن ابی اسید الی النبی صلے اللہ علیه وسلم حین ولد فوضع علی فخذه وابو اسید. جالس فلهی النبی صلے الله علیه وسلم بشیٔ بین یدیه فاخذابو اسید ابنه فاحتمل من فخذ النبی صلی الله علیه وسلم فاستفاق النبی صلے الله علیه وسلم فقال این الصبی.

داس روایت میں استفاق کا یہ مطلب نہیں کہ غشی سے ہوش میں آ گئے بلکہ اپنی پہلی حالت کی طرف عود فرمایا۔ فاستفاق اع فرغ من اشتغاله

بجلی کا اسراف

مالیر کوٹلہ کے اسی سفر کا واقعہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بعد عشا ایک گھنٹہ تک تقریر فرمائی۔ بہت مجمع علماء کا تھا اس میں مولانا شبیر احمد صاحبؒ مولانا بدر عالم صاحب اور بہت سے علماء موجود تھے۔ فرمایا کہ یہ جو آپ حضرات نے بجلی ہی بجلی کی روشنی کر رکھی ہے اتنی کی ضرورت نہیں۔ فقط اتنا

چاندنا چاہئے کہ جس سے آدمی کتاب پڑھ سکے باقی تو اسراف ہے۔ (غالباً یہی الفاظ تھے)

علامہ عراقی کون تھے؟

ایک دفعہ وہیں بہاولپور ہی میں میرے دریافت کرنے پر کہ لاہور میں ۱۹۲۸ء میں دسمبر کے مہینے میں السنہ شرقیہ کا جلسہ ہوا پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت اس کی صدارت ڈاکٹر اقبال مرحومؒ کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبے میں پڑھا کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے مجھے علامہ عراقیؒ کا ایک فارسی رسالہ دیا۔ جس میں یہ تحقیق کیا تھا کہ علامہ عراقی نے زمان اور مکان کی تحقیق فرمائی ہے میں نے پوچھا کہ یہ کون عراقی ہیں۔ تو فرمایا یہی جو محدث مشہور ہیں ان کی کتاب کا نام ہے غایۃ البیان فی تحقیق الزماں والمکان۔ یہ علامہ عراقی بڑے محقق گزرے ہیں۔ پھر وہ رسالہ ایک مدت کے بعد میں نے ڈاکٹر صاحب سے واپس طلب کیا تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ وہ مجھ سے کھویا گیا۔ پھر ہم نے مطالبہ نہیں کیا کہ ایک مسلمان کے بیان کو جھوٹا نہیں سمجھنا چاہئے۔

فائدہ:۔ نیوٹن نے بھی اس نام کا ایک رسالہ لکھا ہے جو یورپ میں مشہور تھا کہ نیوٹن ہی اس امر کی تحقیق کرنے والا ہے۔ ڈاکٹر مرحوم نے جب مضامین یورپ کے اخبارات میں دیئے تو شور ہو گیا کہ نیوٹن نے تو علامہ عراقی سے لے کر یہ تحقیق لکھی ہے۔ اس کی اپنی تحقیق نہیں ہے بلکہ علامہ عراقی اس سے چھ سو سال پہلے تحقیق کر چکے ہیں۔

حافظ شیرازی بڑے مفسر تھے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حافظ شیرازیؒ کی غزلیں تو ایسی ہیں کہ اس میں شراب کباب کا ذکر ہے تو پھر حافظ شیرازیؒ کو عارف کیوں کہتے ہیں۔ فرمایا کہ حافظ شیرازی نے کشاف کا حاشیہ لکھا ہے۔ میں نے سورۂ کہف تک دیکھا ہے۔ بہت اعلیٰ حاشیہ ہے۔ وہ طبع نہیں ہوا۔ حافظ کی غزلیں بہت بلند پایہ ہیں۔ ہر شخص ان کو سمجھنے کا اہل نہیں ہے۔ باری تعالیٰ آوارہ لوگوں سے ایسے بلند پایہ کام نہیں لیتا۔ جب انہوں نے تفسیر کشاف کا حاشیہ لکھا ہے تو بے ادبی کے الفاظ نہیں کہنے چائیں آپ توبہ کرو استغفار کرو۔

حضرتؒ کے ہاتھ پر غیر مسلموں کا ایمان لانا

جب مولانا حسین علی صاحبؒ واں بھچراں ضلع میانوالی اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا باہمی تنازع طویل اور پیچیدہ ہو گیا اور حضرت شاہ صاحبؒ کو دیو بند سے دعوت دی گئی۔ یہ جنوری ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے میانوالی کے اسٹیشن پر انسانوں کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا زائرین ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ اتنے بڑے مجمع کا نظم قائم رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ جلسہ گاہ میں پہنچے ایک ہندو نے اپنے کوٹھے کی چھت پر سے حضرت کو دیکھ لیا فوراً کود کر زمین پر آیا مجمع کو چیرتا ہوا آیا اور حضرت کے پاؤں میں گر پڑا کہ یہ بزرگ مسلمانوں کے پیغمبر کا نمونہ ہیں۔ یہ کہا اور ایمان لے آیا۔ ایسے واقعات حضرت کی حیات مبارکہ میں کثیر ہیں۔

یہ واقعہ حضرت مفتی محمد شفیعؒ سرگودھے والوں نے بھی جب کہ لائکپور آپ تشریف لائے تھے احقر سے ملنے کے لئے تو انہوں نے بھی سنایا تھا۔ یہ حضرت مفتی صاحب خلیفہ تھے حضرت مولانا احمد خاں صاحبؒ کندیاں والوں کے یہ اس واقعہ میں خود موجود تھے۔ جب مفتی صاحب مجھے سنا رہے تھے تو اس وقت بہت سے آدمی ان کے ساتھ تھے منجملہ ان کے حاجی قائم الدین لائکپوری بھی تھے۔

جب حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری (بہار) نے قادیانیوں کے خلاف ایک بڑا اجتماع کیا اور تمام حضرات دیو بند تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس اجتماع میں حضرت شاہ صاحبؒ بھی تشریف لے گئے تھے۔ جب سب حضرات اسٹیج پر بیٹھے تھے تو ایک برہمن جو خود بھی بہت بڑا ودوان تھا۔ حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر مجمع کو چیرتا ہوا حضرت شاہ صاحب کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بہت بڑے ودوان ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں تو ایک طالب علم ہوں۔ پھر اس برہمن کو حضرت شاہ صاحب سے عشق ہو گیا وہ تمام جلسے میں ساتھ ہی رہا ہم بھی حیران تھے کہ اس کو کیوں اتنا تعلق ہے۔ یہ واقعہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے بہاولپور کے مقدمے کے اجتماع پر بھی سنایا تھا۔

حضرتؒ کی سیر چشمی اور مال سے بے رغبتی

مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل کی امداد کے سلسلے میں رنگون تشریف لے گئے۔ وہاں کے اہل

خیر نے مدرسہ کی خوب امداد فرمائی اور حضرت کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوئے۔ واپس ڈابھیل تشریف لا کر تمام مدرسین کی دعوت کی پر تکلف کھانا کھلایا اور ہر مدرس کو ایک ایک رومال رنگونی اور دس دس روپے عنایت فرمائے۔ مولانا احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل ضلع سورت جب تنخواہ لے کر حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا۔ اہل رنگون نے احقر کی بہت خدمت کر دی تھی یہ تنخواہ آپ واپس لے جائیں۔

حضرت مولانا احمد سعید صاحب کا حضرت سے استفادہ

حضرت مولانا احمد سعید صاحب مرحوم دہلی سے بعض دفعہ علمی اشکالات دریافت کرنے دیوبند حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جواب دینے کے لئے تیار ہی بیٹھے تھے۔

مالیر کوٹلہ میں حضرتؒ کا درسِ حدیث

مولانا خیر محمد صاحب مولانا خیر الدین سرسوی مرحوم مولانا غوث محمد صاحبؒ مولانا عبد الجبار صاحب مولانا محمد صدیق صاحب وغیرہم یہ سب حضرات احقر سے مالیر کوٹلہ میں کہنے لگے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا صبح کو فجر کی نماز کے بعد درس کرادے تو عرض کر۔ سلیک غطغانی کا واقعہ سنتیں جمعہ کی ادا کرنے کا۔ جس حدیث میں واقعہ مذکور ہے اس حدیث کے متعلق تحقیق کرانا ہے احقر نے عرض کیا کہ یہ حضرات علماء چاہتے ہیں کہ حضرت کا درس سنیں۔ فرمایا بہت اچھا لیکن میں حدیث باب کیف کان بدالوحی الیٰ رسول اللہ علیہ وسلم کا درس دوں گا۔ اور خود ہی تلاوت کروں گا۔ کہ ہمارے مشائخ کا یہی معمول رہا ہے۔ چنانچہ سینکڑوں علماء جمع ہو گئے۔ مولانا مفتی محمد خلیل صاحب بھی بیٹھے تھے۔ مولانا عبد الغنی صاحب بخاری شریف لائے کہ میں بھی حضرت کا تلمیذ بننا چاہتا ہوں۔ حضرت نے ان کو بخاری شریف شروع کرادی اور درس حدیث دیا۔ علماء حیران تھے علوم کے دریا بہہ رہے تھے ایک سکتہ کا عالم تھا۔ پھر سلیک کا واقعہ بھی ذکر فرما دیا کہ علماء کی تسلی ہوگئی۔ مولانا عبد الجبار مرحوم فرماتے تھے کہ امام بخاری ایسا درس دیتے ہوں گے۔ مولانا خیر محمد صاحب فرمانے لگے کہ علم تو حضرت شاہ صاحب کے سینے

سے اچھل اچھل کر باہر آتا ہے۔ افسوس کہ ہم تو دیو بند جا نہ سکے۔ دور ہی سے چھینٹے پڑے۔ حضرتؒ کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔ مولانا خیرالدین مرحوم حضرتؒ کو سنا رہے تھے کہ جب آپ مدرسہ امینیہ میں تھے تو میری ابتداء تھی اور حضرت دہلی سے کشمیر جا رہے تھے۔

تفسیر سورۂ نجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم. والنجم اذا ھویٰ

سمویات سے شروع کیا۔ اس لئے کہ مابعد کا کلام آسمان کی خبر اور اسرا کے متعلق ہے۔ **سمٰوٰت العلیٰ** تک بلکہ سدرۃ المنتہیٰ تک یہاں تک کہ فرمایا **ان ھوالاوحی یوحیٰ** یہ خلاصہ ہے ان آیات کا اور موحی **بکسر الحاء** کو مبہم رکھا کیونکہ اس کا انحصار تعالیٰ ہی میں ہے اور وحی رسالت ہی میں ہے کہ اور ذکر کرنا ان اوصاف کا جو کسی موصوف میں ہی منحصر ہوتے ہیں اس موصوف کا نام لینے سے زیادہ ابلغ ہوتا ہے۔ مثلاً قول ان کا مررت باکرام القوم پھر فرمایا **علمه شدید القوی** پس منتقل ہوتے معلم کی طرف موحی کے ذکر کے بعد اور ان کو دوشمار کیا۔ موحیٰ اور معلم پھر اوصاف وہ ذکر کئے جو معلم وحی کے ہو سکتے ہیں کیونکہ کلام مکہ والوں کے ساتھ ہے اور مکہ والے جبرئیل علیہ السلام کو پہچانتے نہ تھے پس اس کی صفات اور فعل ذکر فرمائے جیسے سورت تکویر میں ہے تو یہ تعدیل ہوئی وحی کی سند کی کیونکہ جب کہا جائے کہ **یاتیه الملک** توجی میں کھٹکتا ہے کہ آنے کی کیا صورت ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ وہ قادر ہے اس پر اور وہ سوی مبارک ہے۔ ذومرہ ہے اس جیسے سے خیر ہی کا ایناس ہے اور وہ نزدیک ہوتا ہے اور وہ لٹک آتا ہے لہٰذا اس کے اوصاف ذکر فرمائے۔ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ذومرہ یعنی جمیل المنظر حسن الصورۃ ہے۔ جلالت شان والا ہے۔ اقبح صورت والا شیطان نہیں ہے بلکہ وہ اجمل الخلق ہے اور ذی امانت اور مکانت والا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی وحی نبوت کی تعدیل اور اس کا تزکیہ ہے جیسے اس کی نظیر سورۂ تکویر میں ہے بیان فرمایا کہ وہ علم قدرت والا جمال المنظر ہے یہ اوصاف رسول ملکی اور بشری دونوں کے ہیں۔

قوله تعالیٰ فتدلی کی تفسیر

قوله فتدلی اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اپنے مکان سے تجاوز نہیں کیا۔ یہاں

تعلق بھی قائم رہا۔ جیسے پھل کی تدلی ہوتی ہے کہ تعلق بھی باقی رہتا ہے اور نیچے بھی لٹک آتا ہے۔ جیسے نور عظیم منبسط فی الجو ہوتا ہے کہ چھوٹے سے سوراخ سے داخل ہو جائے اس کو ناظر یوں سمجھتا ہے کہ اس کا تعلق اوپر سے ہے۔ منفصل نہیں ہوا۔ گویا یہ تمثیل اس کی ہوئی جو جبرئیل امین کی بشر کی شکل میں نمودار ہونے کی ہوتی ہے یہاں یہ بھی ذکر کرنا بے موقع نہ ہوگا جیسا کہ سہیلیؒ نے ذکر کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف چڑھے۔ **فاوحیٰ الیٰ عبدہ مااوحیٰ** تو جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دنو رب محسوس ہوا تو آپ سجدے میں گرے پس **سبحان رب الجبروت والملکوت والعظمة** کہتے ہی رہے حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو وحی کرتا تھا وہ کرلیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنی اسی خلقت میں ظاہر ہوئے جیسا کہ ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اپنے پر ملائے ہوئے ہیں۔ (یاقوت اور زبرجد اور لوٴلوٴ کے) میں نے خیال کیا کہ جبرئیل کی دو آنکھوں کے درمیان کے فاصلہ نے دونوں آفاق کو گھیر لیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے میں نے ان کو مختلف صورتوں میں دیکھا تھا اور اکثر دحیہ بن خلیفہ کلبی کی شکل میں دیکھا کرتا تھا اور بعض اوقات ایسے جیسے کوئی کسی کو چھلنی میں سے دیکھے۔ **قولہ فاوحی الی عبدہ مااوحی** اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ تفسیر طبری میں ہے۔ **فاوحی اللہ الی مااوحی** اس کے قریب قریب مسلم شریف میں ہے اور یہ کوئی انتشار فی الضمائر نہیں۔ کیونکہ یہ وصف اللہ تعالیٰ میں منحصر ہے اور رسول تو موحی ہو نہیں سکتا بلکہ مرسل ہی موحی ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا **اویرسل رسولاً فیوحی باذنہ مایشاء** یہاں بھی متعاطفات نہیں بلکہ ایک سلسلہ مرتب ہے۔ بعض بعض سے ملا ہوا ہے جس کی انتہا الی اللہ ہے۔ یہ خلاصہ ہے مضمون کا جیسا کہ **ان ھوالاوحی یوحیٰ** میں استیناف ہوا یا اعادہ ما استونف عنہ جیسا کہ **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم** میں ہے۔

قولہ تعالیٰ ما کذب الفواد

پھر فرمایا **ما کذب الفواد مارای** اس کو ماقبل سے جدا کر دیا اور عطف نہیں ڈالا۔

کیونکہ یہ شامل ہے رویۃ باری تعالیٰ کو فواد سے اور روٗیہ جبرئیل کو علی صورتہ یہ دونوں قبل الاسرا حاصل تھے اور یہ شامل ہے۔ ان تمام اشیاء کو جو لیلۃ الاسرا میں دیکھیں جیسا کہ فرماتے ہیں۔ لقدرای من آیات ربه الکبریٰ اور بنی اسرائیل میں ہے لنریه من اٰیاتنا وہاں یہ بھی فرمایا وما جعلنا الرؤیا التی اریناک

الا فتنة للناس سو فتنہ مماراۃ ہی کا نام ہے۔ جیسے سورہ نجم میں فرمایا۔ افتما رونه' علےٰ مایریٰ پس قولہ ما کذب الفواد مارای ای ماکذب الفواد عبدنا مارای ای هذا لعبد یا تو فواد سے یا آنکھوں سے اور کذب متعدی ہے دو مفعولوں کی طرف جیسے ان کا قول صدقت فلاناً الحدیث و کذبته احتمال ایک مفعول پر مقتصر ہونے کا بھی ہے۔ یعنی ماقال کذبا اے هذه المقولة بل قال ما وقع بعد عیانا فی الاسراء بالنسبة الی رؤیه اللہ تعالیٰ۔

اور یہاں پر رؤیۃ فواد کا ہونا اور مابعد میں رؤیۃ بصر کا ہونا یہ کوئی نظم قرآنی میں انفکاک کا باعث نہیں بلکہ رؤیۃ امر واحد ہے اور فرق جو آتا ہے وہ فاعل کی جانب سے آتا ہے۔ آثار صحیحہ اور احادیث صحیحہ سے دونوں رؤیتیں ثابت ہیں۔ رؤیۃ اللہ تعالیٰ کی پہلی فواد سے اور ثانی بصر سے جیسے حدیث بعثت میں ہے کہ واقعہ ہونے سے قبل اس کا رؤیا میں دکھا دیا جانا آتا ہے۔

قوله تعالیٰ افتمارونه علی مایری

پھر فرمایا افتمارونه علے ما یری اور نہ کہا فیما یریٰ اس نے دلالت کی کہ یہاں اور رؤیت بھی ہے۔ اس کو سہیلیؒ نے ذکر فرمایا اور علیٰ مایریٰ فرمایا نہ فرمایا فیما یرٰ کیونکہ ان کو نفس رؤیۃ باری تعالیٰ میں جھگڑا تھا نہ کہ خصوصاً مرئی میں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا۔ ایک دفعہ آنکھ سے دوسری مرتبہ فواد سے رواہ طبرانی فی اوسط رجاله رجال الصحیح مسند دارمی میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر فرمایا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا قلب وکیع له اذنان سمعتان و عینان بصیرتان. وکیع یعنی متین شدید

یعنی مضبوط پھر فرمایا ولقد راٰہ نزلۃً اخریٰ یہ بھی دونوں رؤیتوں کو شامل ہے۔

رؤیت بصری حق تعالیٰ جل مجدہ

لیکن رؤیت جبرئیل یہ تو ظاہر ہی ہے لیکن باری تعالیٰ کی رؤیت سواس کے قرب کے باعث ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ یطلع اللہ علیٰ اھل الجنۃ فیقول ھل رضیتم سدرۃ المنتھیٰ اس کا کوئی تعلق رائ سے ہے نہ کہ مرئ سے جیسا طبری نے فرمایا۔ جیسے رأیت الھلال من المسجد قولہ اذ یغشے السدرۃ ما یغشےٰ یعنی انوار اور تجلیات۔

نسائی شریف میں ہے۔ ثم اتیت سدرۃ المنتھی فغشیتنی ضبابۃ فخررت لہ ساجداً اور یہی ظل من الغمام ہے۔ پھر فرمایا مازاغ البصر وما طغیٰ اس میں تصریح فرمائی کہ یقظہ میں ہوا۔ پھر خلاصہ بیان فرمایا۔ لقد رای من ایات ربہ الکبریٰ یہ بھی عام ہے جو کچھ وہاں دیکھا سب کو شامل ہے۔ حدیث ابی ذرؓ میں ہے۔ رایت نوراً او نور انی اراہ اس کے معنی ایک ہی ہیں۔ ای ھو نور من این رأیتہ اور مروزی نے بھی امام احمد سے پوچھا تو حدیث مرفوع ہی جواب میں کہی۔ رأیت ربی پھر مسند کی حدیث میں ہے رأیت ربی عزوجل (اس کی سند قوی ہے)

مولانا شریف اللہ کابلی کے حالات

ایک مولانا شریف اللہ صاحب کابل کے تھے۔ حضرت رائپوری شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے تھے کہ وہ مقبولین میں سے تھے۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے وہ اکیلے نماز پڑھتے تھے۔ ننگے بدن رہتے تھے۔ فقط تہہ بند رکھتے تھے۔ دارالحدیث دیوبند کی بنیادیں جب بھری جارہی تھیں وہ اس میں بھی شامل تھے۔ پھر شیخ الہند اپنے پاس لے آئے۔ دیوبند کے بڑے جلسے میں بھی موجود تھے۔ جو ۱۳۲۸ھ میں ہوا۔ وہ رائپوری بھی آتے تھے اور اکثر دیوبند رہتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے اس بات میں گفتگو کی کہ مسجد میں صفیں بچھانا یہ ثابت ہے یا نہیں؟ مولانا شریف اللہ صاحب اس کو بدعت فرماتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے حدیثیں پیش کیں تو خاموش ہوگئے۔ حضرت شاہ صاحب نے منع فرمادیا تھا کہ

کوئی ان سے نہ الجھے۔ فرمایا یہ صاحب حال ہیں ان کو مت چھیڑو۔

من عرف نفسہ کا مطلب

وہ فرماتے تھے کہ من عرف نفسہ، فقد عرف ربہ یعنی جس آدمی نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے بڑھ کر کوئی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھا سکتا۔ اس لئے وہ حضرت کے بڑے گرویدہ تھے۔ ہمارے زمانے میں بھی تشریف دیو بند لائے تھے۔ جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ مالٹا سے واپس دیو بند تشریف لائے تھے قرآن عزیز اس کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو نہیں دیکھتا۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال کے اشعار معرفت

بے آہ سحر گاہی تقویم خودی مشکل — یہ لالۂ پیکانی خوشتر ہے کنار جو

لالۂ پیکانی کہا آنکھوں کو، جیسا گل لالہ میں سیاہ داغ ہوتا ہے ایسی ہی آنکھوں میں سیاہی ہوتی ہے۔ پیکاں سے مراد پلکیں۔ خوشتر ہے کنار جو سے مراد رونا ہے یعنی آنکھ میں کمال یہ ہے کہ روتی ہی رہے۔ خودی سے مراد خود آ گاہی ہے فرماتے ہیں۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود گاہی — کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

یعنی جب خدا تعالیٰ سے محبت اور عشق ہو جاتا ہے تو پھر عرفان نصیب ہوتا ہے جیسے دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

شام جس کی آشنائے نالۂ یارب نہیں — جلوہ پیرا جس کی شب میں اشک کے کوکب نہیں

جس کا ساز دل شکست غم سے ہے ناآشنا — جو سدا مست شراب عیش وعشرت ہی رہا

کلفت غم گرچہ اس کے روز وشب سے دور ہے — زندگی کا راز اس کی آنکھوں سے مستور ہے

قرآن شریف میں آتا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ. اسی واسطے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں روتے تھے۔ یہ حالت صحابہ میں بھی تھی۔ حضرت

شاہ صاحب کو اکثر دیکھا گیا کہ رات کو بہت کم سوتے تھے۔ اکثر آنسو ہی بہاتے تھے۔

امیر خسرو کے اشعار پر رقت

ایک دفعہ لاہور میں آسٹریلیا مسجد میں وعظ فجر کی نماز کے بعد فرمایا تو امیر خسروؒ کے یہ اشعار پڑھے۔

جاں زتن بردی و در جانی ہنوز — درد ہا وادی و درمانی ہنوز

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تو بہت ہی رقت ہوئی حتیٰ کہ ریش مبارک تر ہوگئی۔ فرمایا کہ یہ شعر امیر خسرو کے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ شعر جب آپ کو غسل دیا جا رہا تھا اس وقت کہے۔ اس واسطے آپ میں بے نفسی بے حد تھی۔ کسی کو بھی مدۃ العمر اپنا شاگرد نہیں فرمایا۔ بس رفیق فرماتے تھے۔ نہ مدۃ العمر کسی کی غیبت کی نہ غیبت سنی۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس پر صحیح طور پر عامل تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ پر حضور دائمی کا غلبہ

حضرت شاہ صاحب کبھی پاؤں کھول کر نہیں سوئے۔ بلکہ سکڑ کر سوتے تھے۔ جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرمایا کرتے تھے کہ بھلا کوئی محبوب کے سامنے اس طرح پاؤں پسار کر بے ادبی کر سکتا ہے۔ حضرت عارف باللہ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کا بلیؒ فرماتے ہیں کہ ایک تو تعلق باسماء اللہ ہوتا ہے۔ ایک اسماء اللہ کا تحقق ایک اسماء اللہ کے ساتھ تخلق یہ جو آخری ہے یہ بڑا اونچا درجہ ہے۔

فائدہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مبارکہ بیان فرمایئے تو آپ نے فرمایا کان خلقه القرآن اسی سے وفور علم حضرت صدیقہؓ کا معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک جملہ میں سارا تصوف سمو دیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عملی قرآن پاک تھے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں آتا ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ

حضرت شاہ صاحبؒ کا تخلق بالحدیث

حضرت شاہ صاحبؒ محض مدرس حدیث کے نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حدیث

شریف کے ساتھ تعلق بھی تھا۔ حدیث کا تحقق بھی آپ میں تھا اور آپ کو حدیث کے ساتھ تخلق بھی نصیب تھا۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء

حمد کے ساتھ نعت پیغمبر بھی چاہئے

ایک دفعہ غالباً ۱۹۵۴ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحبؒ ملتان سے لائل پور تشریف لائے۔ ایک مکان پر ان کی دعوت چائے کی تھی۔ احقر بھی مدعو تھا۔ احقر بھی حاضر ہوا۔ ملاقات پر حضرت شاہ صاحب کی باتیں ہونے لگیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

قہوۂ حمد را سزد انور دار چینی ز نعت پیغمبر

یہ شعر سنتے ہی مولانا عطاء اللہ شاہ صاحبؒ پھڑک گئے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حمد خدا پوری ہی نہیں ہوتی جب تک نعت رسول نہ کہی جائے۔

ذکر اللہ مفرداً بھی ذکر ہی ہے

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ حضرت علامہ کشمیریؒ کے تلمیذ تھے۔ خود ہی فرمایا تھا کہ میں نے ملاحسن اور ترمذی شریف کا کچھ حصہ حضرت شاہ صاحب سے پڑھا ہے۔ سبق پڑھاتے وقت کہیں سے کہیں نکل جاتے تھے۔ اور میں تو غیر مقلد ہو جاتا اگر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہوتا۔ جب حاضر ہوا تو ترمذی شریف میں فاتحہ خلف الامام کی ہی بحث ہو رہی تھی۔ جب حضرت شاہ صاحب کی تقریر سنی تو قلب مطمئن ہو گیا کہ ہمارے پاس بھی دلائل موجود ہیں۔

ایک دفعہ سنہری مسجد دہلی میں میں نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب اسم ذات اللہ تعالیٰ کا ذکر درمیانہ جہر کے ساتھ کر رہے ہیں۔ حجرے کے اندر بیٹھے تھے اور دروازہ پر پردہ لٹک رہا تھا۔ اس وقت میں سمجھا کہ شاہ صاحب صوفی بھی ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔

۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے کہ حضرت اقدس رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہوا تو مولانا کریم بخش مرحوم پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور حضرت سے مناظرہ کر رہے تھے کہ آپ خلاف

سنت ذکر کراتے ہیں۔ مفرد ذکر اللہ تو بدعت ہے۔ حضرتؒ نے میری طرف دیکھا (تاکہ میں جواب دوں) تو میں نے عرض کیا کہ مسلم شریف میں حدیث صحیح موجود ہے کہ جب تک زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی شخص بھی باقی رہے گا قیامت قائم نہ ہوگی۔ کیا حضور علیہ السلام نے بدعت کا سبق دیا تھا؟ اور ترمذی شریف میں بھی یہی حدیث (ص ۴۴/۲ باب اشراط الساعۃ میں) موجود ہے۔ حضرت علامہ کشمیریؒ نے درس ترمذی میں فرمایا تھا کہ اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا مفرد نام بھی ذکر ہے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ علماء امت کی تحقیق میں دنیا کی روح لاالٰہ الا اللہ میں ہے جب روح نہ رہے گی تو دنیا ختم ہو جائے گی۔ اور قرآن مجید میں بھی ایسا ہی ہے۔ قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم الایہ.

حافظ ابن تیمیہ کا رد

یہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن تیمیہ نے دعویٰ کیا کہ اللہ مفرداً ذکر نہیں ہے اور مذکورہ دلائل میں تاویل سے کام لیا ہے (العرف الشذی ص ۵۱۴)

آگے حضرت مولانا محمد انوری نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ خود بھی ذکر اسم ذات مفرداً کرتے تھے اور اپنے مریدین و متوسلین کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ نیز حضرت شاہ ولی اللہؒ نے القول الجمیل میں قادریہ کا طریق ذکر فرمایا ہے کہ ان کے یہاں پہلے آٹھ تسبیح پانچ اللہ اللہ اسم ذات کی اور تین لا الٰہ الا اللہ نفی واثبات کی ہیں۔ کیا یہ بدعت ہے؟ نیز حضرت بلالؓ احد احد کا نعرہ لگاتے تھے جب امیہ بن خلف ان کو زدوکوب کرتا تھا۔ (ص ۱۴ ابن ماجہ) کیا یہ بھی بدعت تھا۔؟؟

پھر جب حضرتؒ جالندھر تشریف لائے تو مجھے حکم دیا کہ مدرسہ خیر المدارس میں جا کر کتابیں لا کر ہمیں مسئلہ دکھائے۔ چنانچہ میں گیا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ سے تفسیر عزیزی لایا جس میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے نہایت شرح وبسط سے اس مسئلہ کو لکھا ہے اس کی عبارت حضرت کو سنائی۔

نیز الیواقیت والجواہر میں حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے ولذکر اللہ اکبر کی

شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ اسم ذات اللہ کا ذکر دوسری تمام اسماء الٰہیہ کے ذکر سے اکبر و اعظم ہے۔ وہ بھی پڑھ کر سنایا تو حضرت اقدس رائے پوریؒ بہت مطمئن و خوش ہوئے۔ (ملفوظات حضرت رائے پوری ص ۵)

(نوٹ) یہ ملفوظ گرامی اس لئے بھی اہم ہے کہ اس میں ذکر اسم ذات مفرداً کی پوری تحقیق ہے اور علامہ ابن تیمیہ کا تفرد کا رد بھی ہے۔ اس زمانہ میں سلفی و تیمی حضرات ان کے تفردات کے قائل و معتقد ہیں اور اپنی جماعت کے بھی بعض علماء کرام ان سے غلط فہمی کی وجہ سے یا اپنے دلائل سامنے نہ ہونے کے باعث متاثر ہو جاتے ہیں جیسے اس واقعہ میں مولانا کریم بخش صاحب کا ذکر ہوا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی جائے پیدائش واجب الاحترام ہوتی ہے

بہاولپور کے مشہور قادیانیوں کے مقدمہ کے ایام میں حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا تھا کہ ہم نے خوب تیار کر کے مولانا شبیر احمد صاحب کو بھیجا تھا کہ پیغمبر کی ولادت گاہ واجب الاحترام ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام جب لیلۃ الاسراء میں تشریف لے گئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا "اے محمد یہ جگہ بیت اللحم ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے لہٰذا آپ نے براق سے اتر کر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ حدیث گیارہ کتب حدیث سے نکال کر دی تھی۔

مولانا شبیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ابن سعود کے سامنے یہ حدیث پڑھی تو اس نے عبداللہ بن بلیہد کی طرف دیکھا کہ جواب دے تو قاضی صاحب موصوف نے پوچھا یہ حدیث کہاں ہے؟ میں نے حوالہ دیا تو جواب کچھ نہ دے سکے اس پر میں نے ابن سعود سے کہا کہ فقط نجد میں ہی محدثین نہیں ہیں دنیا میں اور لوگ بھی حدیث جانتے ہیں۔ (ص ۲۰)

حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کا تفرد

ان دونوں حضرات کے نزدیک امکنہ و مآثر میں کوئی تقدس نہیں ہے اور علامہ ابن القیمؒ نے تو زاد المعاد میں شب معراج میں حضور علیہ السلام کے نزول و نماز بیت اللحم کا بھی قطعی انکار کر دیا ہے بلکہ یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس بارے میں ہرگز کوئی حدیث صحیح نہیں ہے جبکہ اوپر حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالہ سے ذکر ہوا کہ گیارہ کتب حدیث میں یہ صحیح حدیث موجود ہے جن میں صحیح نسائی بھی ہے جو صحاح ستہ میں سے اعلیٰ درجہ کی صحیح کتاب مانی جاتی ہے۔

ہم اس بارے میں کئی جگہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ دونوں حضرات اپنے مختار مسلک کے خلاف احادیث کی صحت سے بالکل انکار کر دیتے ہیں انوار الباری جلد ۱۱ میں بھی اس کی تفصیلات لائق مطالعہ ہیں اور حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی علاوہ دیگر تنقیدات کے لکھا ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں ابن مطہر حلی کا رد کرتے ہوئے احادیث صحیحہ ثابتہ کو گرا دیا ہے اور درر کامنہ میں یہ بھی نقد کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی تنقیص شان بھی کی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی فتاویٰ عزیزی ص ۸۰/۲ میں منہاج السنہ کے بعض مواضع کا مطالعہ کر کے سخت توحش کا اظہار کیا ہے جن میں تفریط حق اہل بیت بھی ہے اور تحقیر صوفیہ بھی۔

اتفاق سے رسالہ دارالعلوم ماہ ستمبر ۸۸ء نظر سے گزرا جس میں ''المنتقیٰ'' (للذہبی) خلاصہ منہاج السنہ پر تبصرہ وتعارف شائع ہوا ہے۔ جہاں تک ابن المطہر رافضی کی ہفوات کا تعلق ہے علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق وتنقید قابل تحسین ہے لیکن رافضی مذکور کی ضد میں آ کر جو حضرت علیؓ کی تنقیص وہ کر گئے ہیں وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ جس کا نمونہ اس مضمون کے ص ۳۷ میں بھی موجود ہے۔ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے بھی زیادہ اس معاملہ میں سخت تھے۔ کیونکہ انہوں نے علامہ کی قلمی تالیفات کا بھی مطالعہ کیا تھا اور وہ علامہ ابن تیمیہ کے لئے شیخ الاسلام کا لقب بھی پسند نہ کرتے تھے۔ اسی لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کو بذل المجہود میں علامہ کو شیخ الاسلام لکھنے پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور حضرتؒ کی ''الشہاب'' تو احقاق حق وابطال باطل کا بے نظیر علمی و تحقیقی شاہکار ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ سب سے بہتر ومحتاج فیصلہ حافظ ابن حجر اور علامہ ذہبیؒ وغیرہ کا یہی ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ کے علمی نوادر سے استفادہ کیا جائے اور ان کے تفردات خلاف جمہور سے صرف نظر کی جائے (جو کثیر تعداد میں غیر معمولی اصولی وفروعی ہیں) اور اسی طریقہ کو ہمارے اکابر نے بھی پسند کیا ہے۔ واللہ الموفق۔

معاملات مابین اللہ وبین العبد کی حقیقت

حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ ان معاملات کو دیانت کہتے ہیں جو صاحب دیانت ہے وہ متدین کہلاتا ہے اور باقاعدگی سے جب بندہ ذاکر ہو جاتا ہے تو باری تعالیٰ اپنا تعارف کراتے ہیں

مثلاً رقت کا پیدا ہونا اچھے خواب دیکھنا' آخرت کی فکر لگ جانا وغیرہ سب کا مآل ایک ہی ہے۔

نیز فرماتے تھے کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کو "انما الاعمال بالنیات" سے شروع فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ جو بات پیغمبر برحق فرمائیں گے اس میں اخلاص ہی اخلاص ہے۔ لہٰذا امت کو بھی پہلے نیت صاف کر لینی چاہئے کہ ظاہر و باطن ایک ہو جائے' متحد و متفق ہو جائے۔

حضرت اقدس رائے پوریؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ تحقیق سن کر مسرت کا اظہار فرمایا اور خود بھی یہ فرمایا کہ شریعت نام ہے مجموعہ احکام تکلیفیہ کا اس میں اعمال ظاہری (شریعت) اعمال باطنی (طریقت) اور معاملات مابین اللہ وبین العبد (حقیقت) سب ہی آ گئے۔ (ص ۳۲)

حضرت انوریؒ نے لکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے درس میں بیٹھنے کے بعد طبیعت کہیں نہیں جمتی تھی خواہ کتنا ہی بڑا علامہ کیوں نہ ہو۔ ہر مسئلہ میں بڑے ہی بسط اور شرح صدر کے ساتھ تقریر فرماتے تھے۔ **وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔**

سفر حج فرض کے لئے کراہتہ بغیر محرم کی تحقیق

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ممانعت سفر بلا محرم کی تمام احادیث عام اسفار حاجات سے متعلق ہیں۔ سفر حج فرض سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا اگر فتنہ کا گمان نہ ہو اور دوسری حج کو جانے والی ثقہ عورتوں کا بھی ساتھ ہونے سے اطمینان ہو تو بغیر محرم کے بھی فریضۂ حج ادا کر سکتی ہے اور دوسرے اسفار میں بھی فتنہ پر مدار ہے۔ اگر تین دن سے کم کے سفر میں خوف فتنہ ہو تو وہ بھی بغیر محرم کے جائز نہ ہوگا۔ میرے نزدیک حنفی مذہب کی بھی یہی تحقیق ہے اگرچہ کسی نے اس کی صراحت نہیں کی۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ علماء نے مسئلہ سفر حج کو بھی احادیث ممانعت سفر بغیر محرم کے تحت ذکر کر دیا ہے اور امام طحاوی وغیرہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔

(واضح ہو کہ امام ترمذیؒ ممانعت سفر کی حدیث لاتسافر الخ کو آخر کتاب میں ابواب الرضاع میں لائے ہیں۔ کتاب الحج میں بھی نہیں لائے اور امام بخاریؒ ابواب سفر میں لائے (ص ۱۴۸) پھر کتاب الحج میں بھی لائے ہیں۔ (ص ۲۵۰) جہاں ترغیب ہے حج نفل کی بھی اور امام مالکؒ نے بھی امام احمد کی طرح حدیث ممانعت کو سفر حج پر اثر انداز نہیں سمجھا ہے۔ اور غالباً دوسرے

محدثین نے بھی جو کتاب الحج میں لائے ہیں اس حدیث ممانعت کو (امام مالک وامام احمد وشافعیؒ کی طرح سے) حج تطوع اور دوسرے عام اسفار پر محمول کیا ہے۔ایسی صورت میں امام اعظمؒ کا مسلک بھی ضرور دیگر ائمہ مجتہدین کے موافق ہی ہوگا۔ اور یہی رائے ہمارے حضرت شاہ صاحب کی بھی ہے بلکہ حضرتؒ نے نہ صرف یہ کہ دوسرے ائمہ مجتہدین واکابرامت کی طرح حج فرض کو نص قرآنی کے تحت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے صرف استطاعت سبیل اور زادراہ پر مساوی طور سے محمول کیا اور دوسری قیود محرم وغیرہ کو ثانوی درجہ میں رکھا یا حج نفل وغیرہ سے متعلق کیا۔ حضرتؒ نے سرے سے ہی احادیث ممانعت سفر بلامحرم کو حج فرض سے غیر متعلق قرار دیا اور ابواب حج کے تحت ان کے ذکر کو بھی بے محل فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر نے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق وتفصیل اس لئے بھی کی ہے تا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق مذکور کو اجنبی خیال نہ کیا جائے خاص طور سے جبکہ حضرتؒ کو بہ کثرت احادیث سے اس فیصلے کے لئے شرح صدر حاصل ہو گیا تھا اور حضرتؒ نے خود ہی درس بخاری میں دونوں جگہ اور دوسرے وقت بھی) یہ ہی فرمایا کہ ''میرے نزدیک ''مذہب'' کی بھی یہی تحقیق ہے یعنی فقہاء حنفیہ کے تشدد پر خیال نہ کیا جائے کہ انہوں نے حج فرض کو بھی حدیث ممانعت کے تحت کر دیا ہے جبکہ امام اعظم کا خود یہ مسلک نہیں ہوسکتا۔'' وللہ درہ) (العرف الشذی ص ۴۱۰۔

فیض الباری ص ۱۴۱/۳ میں بھی اجمالی طور سے یہی فرمایا اور فیض الباری ص ۳۹۷/۳ میں تفصیل سے فرمایا کہ بشرط اعتماد اور فتنہ سے مامون ہونے کی صورت میں سفر حج فرض بغیر معیت محرم بھی درست ہے اور میرے پاس اس کے لئے احادیث کثیرہ کا ذخیرہ ہے اور فقہ حنفی میں مسائل بہ صورت فتنہ ذکر ہوئے ہیں (بعض احادیث کی طرف حاشیۂ فیض الباری میں اشارہ بھی کیا گیا ہے) مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے شوہر حضرت ابوالعاصؓ کو مکہ معظمہ پیغام بھیجا کہ وہ کسی کے ساتھ حضرت زینبؓ کو مدینہ منورہ بھیج دیں اور انہوں نے غیر محرم کے ساتھ بھیج دیا تھا۔

احقر بجنوری عرض کرتا ہے کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک بھی ثقہ و مامونہ ایک یا چند عورتوں کے ساتھ سفر حج جائز ہے اور امام احمدؒ سے جو

ممانعت منقول ہے وہ نفلی حج کے لئے ہے۔ امام احمدؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ممانعت سفر بغیر محرم کی احادیث غیر سفر فرض کے ساتھ خاص ہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں بدایۃ المجتہد لابن رشدؒ انوار المحمودؒ اوجز المسالک واعلاء السنن وغیرہ)

''حج فرض کے لئے محرم کی شرط ضروری نہیں''

لمحۂ فکریہ

جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے واضح ہوا کہ امام احمدؒ نے بھی احادیث ممانعت کو سفر حج فرض سے غیر متعلق فرمایا اور وہ بعینہ وہی رائے ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے اختیار فرمائی ہے اور امام مالکؒ نے بھی موطأ میں ''والتخرج فی جماعۃ من النساء'' فرمایا کہ جس عورت نے حج فرض ادا نہ کیا ہو اور محرم میسر نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ ثقہ عورتوں کے ساتھ حج ادا کرے اور خدا کا فرض ترک نہ کرے۔

امام شافعیؒ بھی ثقہ عورت رفیق سفر ہو تو بغیر محرم یا زوج کے حج فرض کا جواز فرماتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حج فرض کے لئے سب کی رائیں متفقہ ہیں اور حج نفل یا دوسرے غیر مفروض سفروں کے لئے عدم جواز پر بھی سب کا اتفاق ہے۔

حضرات مفتیان دور حاضر کو اس دور کی مشکلات حج کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔ اس لئے کہ نہایت غیر معمولی مساعی کے بعد تو کہیں حج پر جانے کی منظوری حاصل ہوتی ہے اور حکومت سعودیہ کو بھی حج کے مصارف بڑھانے سے کام ہے۔ حجاج کے مالی اخراجات وغیرہ مجبوریوں کا کچھ بھی خیال نہیں۔ پابندیاں بھی برابر بڑھائی جارہی ہیں۔ اگر کسی عورت کے پاس ایک حج کی رقم ہو تو محرم کو ساتھ لے جانے کے لئے بھی اتنی ہی رقم اور چاہئے یعنی پچیس ہزار کی جگہ مثلاً پچاس ہزار روپے ہوں کیونکہ ساتھ جانے والے کے تمام مصارف بھی حج کو جانے والی کے ذمہ ہیں۔ اس لئے ائمہ اربعہ کے متفقہ فیصلہ مذکورہ پر ہی عمل ''شرعاً وعقلاً'' بھی مناسب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (بجنوری)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علامہ اقبال رحمہ اللہ

حیات محدثِ کشمیری رحمہ اللہ

المعروف نقشِ دوام

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کے گرانقدر ملفوظات
سوانح علمی و عملی شاہکار... سیاسی افکار دینی نظریات
اور تحقیقات و تفردات کا ایک بسیط جائزہ

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
☎061-540513-519240

مشكلات القرآن

لامام العصر مولانا محمد انور شاه الكشميري رحمه الله

١٢٩٢هـ ـــــــــ ١٣٥٢هـ

مع مقدمه

يتيمة البيان لمشكلات القرآن

التي تحتوي على ترجمة امام العصر والتنويه بشان كتابه وفصول من كلماته وذيول من كلمات اعيان الامة ما يفيد بصيرة في علوم القرآن ومعارفه وفوائد استطرادية محكمة وغيرها

الفها

الفاضل الاديب الاريب مولانا
محمد يوسف البنوري
استاذ الجامعة بدابهيل (سورت)

ادارة تاليفات اشرفية
چوک فوارہ ملتان پاکستان
فون: 540513-519240